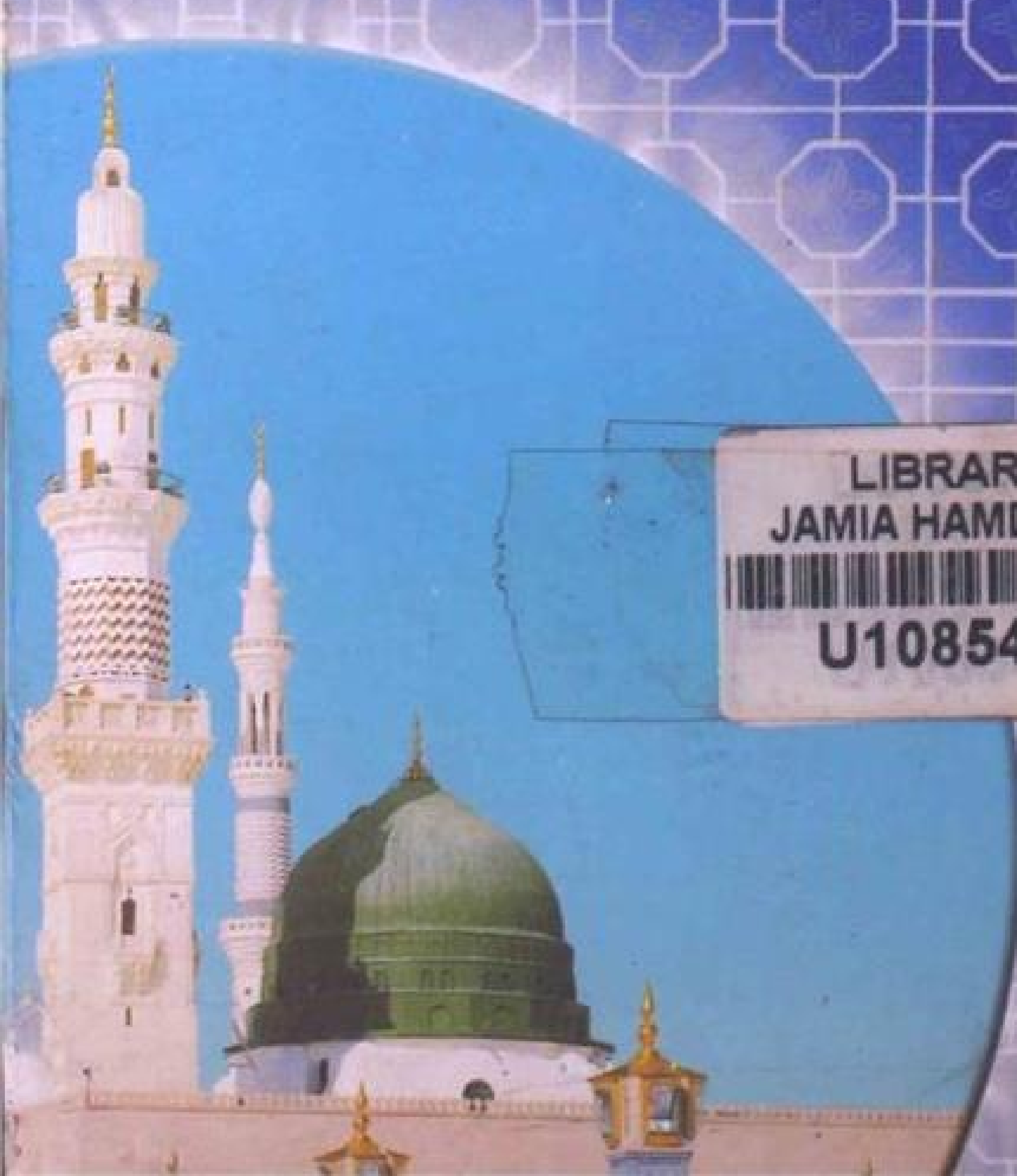
وحیِ حدیث

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدّیقی



وحیِ حدیث

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اسلامک بک فاؤنڈیشن - نئی دہلی

۱۷۸۱ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

کتاب : وحیِ حدیث
مؤلف : پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
صفحات : ۲۸۰
طباعت : ۲۰۰۴ء
قیمت : ۱۵۰ روپے
ناشر : اسلامک بُک فاؤنڈیشن۔ نئی دہلی
۱۷۸۱ حوض سوئیوالان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

WAHY-I HADITH (REVELATION OF HADITH)

by

Prof. Muhammad Yasin Mazhar Siddiqui
Director, Shah Wali Allah Dehlavi Research Cell,
Institute of Islamic Studies, AMU, Aligarh-202002

ISLAMIC BOOK FOUNDATION
1781-HAUZ SUIWALAN, NEW DELHI-110002

اماں کے نام

جن کے قدموں کے نیچے جنت ہے

(وحیِ حدیث)

شدیم خاک ولیکن ببوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

ان کے قدموں کی خاک

محمد یٰسین مظہر صدیقی

لوحِ موضوعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطاھرین وعلی اصحابہ المطھرین وعلی خلفائہ الراشدین وعلیٰ من تبعھم باحسان الی یوم الدین

آغازِ کلام

فکر وخیال کی آمد اور اس کے ذریعہ پر انسانی بحث ومباحثہ میں گونا گونی، اختلاف اور نزاع پایا جاتا ہے۔ مادی وجوہ واسباب پر کلی انحصار کرنے والے اسے صرف انسانی دماغ و ذہن کی کارستانی سمجھتے ہیں، اپنے مطالعہ وفکر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ روحانیات کی دنیا میں بسنے والے اسے سراسر کشف، الہام، القاء گردانتے ہیں اور خالص اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والا انعام بتاتے ہیں۔ تعقل و تدبر اور الہام و القاء کے دو دھاروں میں امتزاج پیدا کرنے والے انسانی ملکہ کی صیقل گری و ترقی کے ڈانڈے عالمِ علوی سے ملا دیتے ہیں۔ بہر حال انسانی فکر وخیال کے وجود اور اس کے ذرائع کا معاملہ ہے بہت عجیب و غریب، اور صرف ایک قسم کے ذریعہ پر انحصار تعقل کے خلاف بھی ہے۔

اصل بحث انسانی فکری کاوش سے ہے۔ علم و تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں انسانی ملکہ اور الوہی ذریعہ دونوں ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ انسان اپنے مطالعے، اپنی فکر اور اپنے تدبر و تعقل کے ذریعہ فکری صلاحیت کو پروان چڑھاتا ہے اور مسلسل عمل و پیہم فکر

کے ذریعہ اس کو برابر ترقی دیتا رہتا ہے۔ ایک خاص مرحلہ علم و فکر پر اس کی قوتِ تحصیل اور طاقتِ اخذ میں شعور و ادراک اور قبول کی دراکی پیدا ہو جاتی ہے، تب اس کے ذہن و قلب پر الوہی فیضان شروع ہوتا ہے۔ نئے نئے افکار و خیالات، نادر و نایاب انکشاف کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ عملِ مطالعہ اور کارِ تعقل کی شرائط کی مانند اس علوی فیضان اور وہبی انعام کی بھی کچھ خاص حدود و قیود ہیں اور ان کی پابندی لازمی ہے۔

اخلاص، علم و عمل دونوں کی بنیادی شرط ہے اور اسی سے محنت و مشقت کی شرط وابستہ ہے۔ صحیح سمت اور صراطِ مستقیم سے پیوستگی بھی ضروری ہے۔ مطالعہ کا صحیح طریقہ اور تجزیہ و تحلیل کا صحیح رویہ خالص علم اور مخلص نتیجہ تک لے جاتا ہے۔ یہی صحیح مقصد کی تعیین بھی کرتا ہے اور صحیح راہِ علم و عمل بھی بتاتا ہے۔ تعصّبات و تحفظات اور انحرافات سے ممکن حد تک محفوظ رکھتا ہے۔ اسی سے وہ معروضیت جنم لیتی ہے جو سچ کو سچ مان لینے پر آمادہ کرتی ہے، خواہ وہ اپنی پسند، اپنے رجحانِ طبع اور اپنے میلانِ فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ معروضیت کا مطلب جذبات و افکار سے تہی اور خالی ہو جانا نہیں ہے۔ علمی و اسلامی معروضیت کا مفہوم ہے اصلی حق کو تسلیم کر لینا اور پیش کر دینا۔

فکری دنیا اور علمی جہان میں خود ساختہ حق و صداقت کے طرفدارانہ معیارات و اصول اور قواعد و ضوابط پائے جاتے ہیں۔ جہانِ مغرب اور عالمِ مشرق دو بڑی بڑی کارگاہِ علم و فکر ہیں اور ان دونوں کے اپنے اپنے پیمانے ہیں اور اپنے اپنے میخانے۔ مغربی دانشوری نے علم و تحقیق، فکر و دانش اور تدبر و تعقل کے اپنے اصول و قواعد بنا رکھے ہیں جن کو وہ حرفِ آخر اور کلامِ مختتم سمجھتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے اصولِ مطالعہ و تحقیق اور معیاراتِ فکر و دانش اور اعمالِ تجربہ و تجزیہ بڑے کھرے بھی ہیں اور خالص بھی لیکن ان کا اطلاق ویسا نہیں ہے۔ اسلام اور اسلامیات کے باب میں تو وہ معروضیت اور غیر جانبداری کے صرف دعوے دار رہ جاتے ہیں، اصول پرستی کر ہی نہیں سکتے۔

مشرقی عالمِ فکر و علم کے اپنے اصول و اقدار ہیں۔ ان کے اپنے معیارات اور

پیمانے ہیں۔ ان کی کسوٹی اور معیارِ نقد بھی الگ ہیں۔ ان میں مسلم جہانِ فکر و دانش کے اصول واقدار، معیار وروایت، قواعد و ضوابط، طرق وذرائع اور بہت سی دوسری چیزیں الگ بھی ہیں اور خالص بھی۔ بقول ابنِ خلدون عالمی تمدن و تاریخ تمام انسانی دنیا کی مجموعی تہذیب کا عطیہ ہے، سب نے ایک دوسرے سے لین دین کے ذریعہ اخذ واکتساب کیا ہے۔ اسلامی فکر بھی یہی ہے۔ حتی کہ نبوت کا ادارہ اپنے ارتقااور جہاتِ ترقی کے لئے اسی الٰہی قانونِ تعامل و تفاعل کی گواہی دیتا ہے۔ شرقی دنیائے علم اور اسلامی جہانِ فکر نے جب اس اسلامی فکروروایت سے بغاوت وانحراف کیا، غیر معروضی میلانات کی راہ کھل گئی۔

علمائے شریعت اور صوفیائے طریقت کا اختلاف ونزاع اور ان کے درمیان مسلکی اور گروہی تعصبات اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ فکر و آگہی کے باب میں ظاہری علماء نے کشف، الہام والقاءاور رؤیا کی کار فرمائی سے انکار کر دیا حالانکہ ان کی شریعت کی اساس انھیں پر قائم ہے۔ علومِ باطنی کے حاملینِ عالی مقام نے اپنے ذاتی کشف والہام اور رؤیا و منام کی لے اتنی بلند کی کہ اسے وحیِ نبوی اور شریعت پر فوقیت دے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح استنباط واستقراء کے لئے کتاب وسنت کی پابندی ضروری ہے اسی طرح کشف ورؤیا کے لئے ان کی تصدیق لازمی ہے۔ دونوں کا مدارِ علم و حق جب ایک ہی ٹھہرا تو میدانِ شریعت وطریقت میں ظاہر وباطن کا امتزاج لازمی اور ان دونوں کا باہمی تفاعل لابدی ہوا۔

جہانِ مسلم اور اس کے علمی و تحقیقی اور فکری و عملی کاموں کو سب سے زیادہ نقصان گروہی تعصبات اور مسلکی واداری اختلافات سے پہونچا۔ ایک طرف تو ان میں مثبت، ٹھوس، معیاری، اعلیٰ اور اسلامی اعمال کا جذبہ سرد ہو گیا تو دوسری طرف منفی فکر و طرزِ عمل نے علمی کجی پیدا کر دی۔ اسی نے ان میں اپنے لئے تعلّی، غرور، خود پسندی، نفس پروری اور اکابر پرستی پیدا کی اور دوسروں کے لئے حقارت و نفرت اور طعن و تشنیع کا رویہ۔ اس نے مسلمانوں کو گروہ در گروہ، جماعت در جماعت بانٹا تو بانٹا، علم و فکر اور دانش ودین کو بھی اپنے اور غیر کے خانوں میں تقسیم کر دیا۔ اصل نقصان مسلمان کا اور خالص خسارہ علم کا

ہوا۔ ملتِ اسلامیہ کی مجموعی علمی و فکری میراث ناخلف وارثوں کے ہاتھوں خانوں اور خاندانوں میں بٹ گئی۔

صرف یہی ہوا ہوتا تو بھی خیر ہوتا مگر یہ تو متعدی بیماری ہے جو دوسروں کے لگنے کے علاوہ طرح طرح کے عوارض بھی پیدا کرتی ہے۔ اپنے گروہی ورثہ علم کی حفاظت و ترقی کے بجائے دوسری جماعتی میراثِ علم کی تنقید و تنقیص ان کا نشانِ علم، معیارِ تحقیق اور معیارِ تقویٰ بن گئی۔ ہر ایک کو اصل اسلامی علمی میراث کے تحفظ وارتقاء سے دلچسپی نہیں رہی اور رہی تو ثانوی بن گئی، صرف مسلکی تشخص اور گروہی بنیاد پرستی کی حفاظت اصل بن گئی اور اس کو دوسروں کا گھر منہدم کرنے کے مترادف سمجھا جانے لگا۔ دوسرے کے علم اور فکر کو تنقید کا نشانہ بنانا ہی اپنی ذات کی حفاظت سمجھا جانے لگا۔ اسی غلط نگاہی نے حق و ناحق کا خود ساختہ اصول بنایا اور مستحب و مسنون کو واجب و فرض بنانے کا رویہ بخشا۔ حقیقت خرافات میں کھو گئی۔

وحیِ حدیث کے معاملے پر تمام فرقوں کے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلبِ نبوی ﷺ پر اترتی تھی۔ یہ اتفاق محض ایمان بچانے کی خاطر ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کو وحی الٰہی پر مبنی نہ سمجھا جائے تو ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔ اس تنگ دائرۂ اتفاق کے بعد اختلاف کا میدان بہت وسیع ثابت ہوا جس میں تعصبات و اختلافات اور نزاعات کی آبیاری کا بڑا سامان ہے۔ مسئلہ فہمِ حدیث سے پیدا ہوا۔ خاصی بڑی گروہ بندیاں وجود میں آگئیں۔ ایک نے اپنے کو "اہل" قرار دیا اور سب دوسروں کو "نااہل" بنادیا۔ پھر "اہل" جماعت اور "نااہل" گروہ کی اپنی اپنی جماعت بندی ہوئی اور دوسروں کو حدیث سے نابلد اور اپنے کو حدیث کا عالم قرار دینے کی تعلّی پیدا ہوئی۔

عطیہ الٰہی جماعتی اہلیت کا محتاج نہیں۔ تاریخ قدیم میں یہود و نصاریٰ کو اسی کی غلط فہمی نے ان کی فکری کجروی کا دروازہ کھولا تھا۔ اسلامیانِ عالم میں بھی اسی غلط فہمی کے شاخسانے ہیں۔ اللہ کی دین کی اہلیت کے اپنے پیمانے ہیں جو خالص نیت اور خالص عمل پر اپنی

بنیادیں استوار رکھتے ہیں۔ وہ کھری جدو جہد اور خالص کوشش و سعی کرنے والوں کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔ وہ تعلّی، غرور اور دعویٰ پر عطا نہیں کرتا، اخلاص و جدو جہد پر نوازا کرتا ہے۔ وہاں کسی خاص جماعت، مخصوص ادارے، معلوم مسلک اور معروف مذہب کی شرط نہیں، صرف صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح عمل کی شرط ہے۔ افراد ہوں یا جماعتیں، اشخاص ہوں یا ادارے، ان کو عطیہ الٰہی ان کی محنتِ صحیح کے مطابق ملتا ہے اور فضلِ الٰہی پھر کسی حدو قید کا پابند بھی نہیں۔

(۲)

وحیِ حدیث کا یہ مطالعہ انسانی فکرو دانش کا کارنامہ ہے یا الہام والقاء کا عطیہ، خاکسار کے لئے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس کے شانِ نزول بیان کرنے سے شاید اس کے ذریعہ علم و آگہی کا کوئی نشان مل جائے، ہر چند کہ اس کے بیان میں خودستائی کا پہلو نظر آسکتا ہے۔ اسلامیات کا وسیع میدان بلکہ جہانِ علم خاکسار راقم کا موضوعِ مطالعہ و تحریر ہے۔ قرآن و حدیث سے طبعی مناسبت ہے اور تاریخ و سیرت سے قلبی لگاؤ۔ اپنی محدود صلاحیت اور محدود تر بساط کے مطابق مطالعہ بھی جاری رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ بھی اور ان دونوں کے لئے اپنے مہربان و کرم فرما پروردگار اور رحمان و رحیم اللہ کا مرہونِ منت ہوں، اسی کے دونوں ہاتھوں میں جان و ایمان کے علاوہ مطالعہ و نگارش کی باگ ہے جدھر چاہتا ہے، موڑ دیتا ہے۔

مطالعہ کا طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا کہ پوری کتاب کا مطالعہ مقصد رہتا ہے۔ مختلف موضوعات و مضامین جو شروع میں ذہن میں ہوتے ہیں ان سے متعلق مواد موضوع وار جمع کرتا رہتا ہوں۔ جلدی ہو تو مواد سے وابستہ اشارات لکھتا جاتا ہوں۔ مطالعہ بلا نگارش کبھی نہیں رہتا۔ دورانِ مطالعہ نئے نئے مضامین و خیالات آتے رہتے ہیں۔ فیضانِ الٰہی کہئے یا توفیقِ ربانی یا محض عادتِ انسانی، ایک سے زیادہ بار کوئی نکتہ یا معاملہ یا بات نظر کے سامنے

سے گذرے تو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور تیسری بار گذرنے پر اس سے متعلق مواد جمع کرنا، اشارے لکھ لینا معمول بن گیا ہے۔ گذشتہ برس سیرت و حدیث کے مطالعہ کے خاطر فتح الباری بالخصوص اور دوسری کتبِ حدیث و سیرت نظر سے گذریں تو "وحیِ حدیث" سے متعلق خاصا مواد جمع ہو گیا۔

تحریر و نگارش کا معاملہ بھی توفیقِ الٰہی پر منحصر مانتا ہوں۔ یہ بھی ایمان ہے کہ سعی و طلب اور جدو جہد اپنے تناسب سے توفیقِ الٰہی کھینچتی ہے۔ دوسروں کے تجربے سے واقف نہیں، اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر عرض کرتا ہوں کہ گوناگوں مواد کے جمع و حصول کے بعد اندر سے ایک داعیہ ابھرتا ہے۔ وہ کسی خاص موضوع پر لکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ تقاضا شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے۔ وہ جب چین نہیں لینے دیتا تو قلم نکال کر لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ بعض اہلِ دل کا تجربہ مطالعہ میں آیا ہے کہ انھوں نے اپنے سینے کے پھٹ جانے کے ڈر سے اپنے افکار و خیالات کو تحریر کی شکل میں کاغذ پر منتقل کیا تھا۔ خاکسار اہلِ دل نہ سہی، ان کا نام لیوا تو ہے۔ دوسرے یہ عادت بھی ہے اور کمزوری بھی کہ فرمائش پر میں شعر نہیں کہہ سکتا، دل مجبور کرتا ہے تو لکھتا ہوں۔

ادھر ایک مدت سے سیرتِ نبوی کے ایک اہم پہلو پر لکھنے کا کاروبار جاری تھا۔ اصل موضوع مکی دورِ حیات میں مسلم اقلیت کے مسائل تھے۔ دو تین برسوں کی شدید محنت و مشقت کے بعد وہ کام پورا ہوا اور تکمیل کو پہونچا۔ عنوان آخر ٹھہرا: "مسلم اقلیتوں کے مسائل اور ان کا حل - سیرت طیبہ کی روشنی میں"۔ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن کے صاحب قلم اور صاحبِ فکر و حکمت ناظم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مدظلہ العالی کی پُر اصرار توجہ و عنایت سے آٹھ خطباتِ سیرت کی صورت میں حیدر آباد کے صاحبِ دل و اہلِ علم خواص و عوام کے سامنے ایک ہفتے تک پیش کیا جاتا رہا۔ اب وہ جلد ہی کتابی شکل میں حضرت موصوف کے زیرِ اہتمام منظر عام پر آنے والا ہے۔ مگر وہ اپنے دوسرے برگ و بار کا تحفہ اس خاکسار کو پہلے ہی دے گیا۔

"مکی دور نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء" خطباتِ حیدر آباد کا آخری باب تھا مگر وہ اپنے پھیلاؤ اور وسعت کے لئے الگ کتاب کا متقاضی ہوا۔ اسے اصل سے جدا کر کے لکھنا شروع کیا تو وہ وسیع و عظیم تر کتابِ سیرت کا روپ دھار گیا۔ اس کی تکمیل کے بعد نظر ثانی کا مرحلہ در پیش تھا کہ "وحیِ حدیث" کے موضوع نے دل کی لگی بن کر اپنا اظہار کرنے پر مجبور کر دیا۔ خیال تھا کہ آخر ایک مضمون تو ہے اسے پورا کر کے نظرِ ثانی کا کام پورا کر لیا جائے گا۔ مضمون شروع ہوا تو اس نے اپنے پر پھیلائے اور وہ رفتہ رفتہ کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔ موضوع کے مواد کی وسعت، فیضانِ ربانی، توجہ و عنایت کے خاص عوامل نے اسے ایک قلم کے مزدور سے مکمل کرا لیا۔ میرا حصہ صرف حکم کی تعمیل تھی، حکم وسیع تر اور اعلیٰ تھا، تعمیل بشری ہے اور وہ بھی خاکسارانہ۔

یہاں مقطع میں ایک سخن گسترانہ بات آن پڑی ہے۔ سیرتِ شبلی کے مطالعہ کے دوران حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ایک اظہارِ تاسف نظر سے گذرا کہ استادِ گرامی "کسی بھی علمی کام کی تکمیل نہ کر سکے"۔ ایک عظیم عالم کا تبصرہ ایک عظیم تر عالم کے بارے میں تھا۔ مگر بات کچھ جچی نہیں۔ شاہوارِ فکر نے دوڑ لگانی شروع کی۔ ذاتی تجربے میں برقی رو لہرائی اور مطالعہ و تحقیق نے بات سجھائی کہ تبصرہ شخصی ہے، حقیقی نہیں۔ مؤلف و مصنف آنکھ بند کر کے سیدھی شاہراہ پر نہیں چل سکتا۔ ایک موضوع اور ایک مضمون کی صراطِ مستقیم سے بہت سی اچھی اور سچی پگڈنڈیاں پھوٹتی ہیں۔ فکر و خیال اور تحقیق کا تقاضا جب حد سے زیادہ اصرار کرتا ہے تو بے اختیار مؤلف ادھر ہو لیتا ہے۔ شبلی حزیں کے ساتھ یہی گذری اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ خود اورنگِ سلیمان بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ دراصل انسانی فکر و عمل کے بس میں نہیں اور اس کے اصل سرچشمہ اور سوتے پر اور کسی کا بس نہیں۔ اس دل بدلنے والے کی انگلیوں کے درمیان نہ صرف دل ہے بلکہ رہوارِ فکر و قلم بھی ہے، جدھر چاہتا ہے ادھر موڑ دیتا ہے۔ اسے چاہے جو کچھ ہم آپ کہیں۔

مطالعے اور مواد کی تحصیل کے دوران برابر یہ احساس رہا کہ حدیث کی وحی کے

وہی تمام ذرائع رہے تھے جو قرآنی وحی کے تھے۔ اسلامی فکر اور اسلامی علوم کی فہم نے بھی یہی تاثر قائم کیا کہ دونوں بنیادی مآخذِ اسلام کے طرق اور وسائل ایک جیسے ہی ہیں۔ منطقی طور سے عقل و تدبر نے ثابت کیا کہ وحیِ حدیث اگر وحیِ الٰہی پر مبنی ہے تو اس کا سرچشمہ ہی نہیں، نزول و تنزیل کے طریقے بھی یکساں ہوں۔ جوں جوں مواد جمع ہوتا گیا، فکر و فہم اور ادراک و شعور کی جہات وسیع ہوتی گئیں اور احساس و تاثر ایمان و یقین میں ڈھلتا ہی گیا۔ یہاں یہ جلدی سے عرض کردوں کہ حدیث کے وحیِ الٰہی ہونے میں ایمان کی کمی نہ تھی اور نہ ایقان کی، مسئلہ اس کی تنزیل کے طریقوں سے متعلق تھا۔

ایمان و ایقان رکھنا آسان ہے مگر اس کو حقائق و شواہد کی ٹھوس بنیادوں پر ثابت کرنا اور مستند بنانا مشکل ہے۔ قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت فراہم کرنا ذرا بھی دشوار نہیں کہ وہ نطقِ نبوی کے وحیِ الٰہی پر مبنی ہونے پر شاہد ہیں۔ کلامِ نبوی سے بھی حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت بھی موجود و فراہم ہے اور اس کو مزید پیش کرنے میں سوائے تحصیل حاصل کے اور کچھ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کو اصولی اثبات کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت تمام ذرائعِ وحیِ حدیث کے استناد و اثبات کی تھی اور وہ کتبِ حدیث و سیرت دونوں سے ملتا گیا۔ موجودہ مطالعہ میں اگر کوئی نئی جہت ہے تو بس یہی کہ تمام ذرائعِ تنزیل کو شواہد سے ثابت کردیا گیا ہے۔

تفصیل و تشریح تو اصل مقالے کے مختلف ابواب میں ملے گی۔ اس حرفِ آغاز میں اس کا اجمال ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ بالعموم ہمارے علماءِ کرام اور دوسرے اہلِ علم وحی کی مختلف اقسام بتاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے متبحرین نے ان کو "فنونِ وحی" بھی کہا ہے۔ خاکسار کے خیال میں وہ وحی کی تنزیل کے ذرائع اور طریقے ہیں کیونکہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان مختلف طریقوں سے وحی منجانب اللہ آتی تھی۔ لہٰذا وحیِ الٰہی کی صرف دو قسمیں ہیں: ایک قرآن مجید ہے جس کے الفاظ و معانی دونوں اللہ رب العزت کا کلام ہیں اس لئے وہ حتمی بھی ہے اور وحی متلو بھی کہ نماز اور نماز کے علاوہ اس کی تلاوت و قراءت

ایک اسلامی حکم ہے، وہ صرف پڑھی اور تلاوت کی جانے والی شئے نہیں ہے۔ دوسری قسم حدیثِ نبوی ہے اور اس کے الفاظ رسولِ اکرم ﷺ کی زبان کے ہوتے ہیں اور معانی اللہ تعالیٰ کے۔ ارشاداتِ الٰہی کی لفظی تعبیر کے زبانِ نبوی سے ہونے کے سبب وہ الفاظِ الٰہی نہیں رہ جاتے۔ اسی لئے اس کی تلاوت و قراءت کا حکم نہیں اور وہ روایت کے پس منظر میں حتمی بھی نہیں رہ جاتی لہذا وحیِ غیر متلو ہے۔

(۳)

قرآنی وحی ہو یا حدیثی وحی، دونوں کے متعدد طُرقِ تنزیل ہیں۔ وحی کا آغاز بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ رؤیا صادقہ سے ہوا۔ چھ ماہ تک رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت و نبوت کے آغاز میں وحیِ الٰہی صرف سچے خوابوں کی شکل میں آتی رہی۔ ایسے سچے خواب کہ ان کی تعبیر واقعہ بن جاتی۔ رؤیا صادقہ کا سلسلہ فرشتہ وحی کی آمد و دید سے مربوط ہوا تو ہوا، اس کے واسطہ کلامِ الٰہی بننے کے گراں قدر و گرانبار ذریعے سے بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اصولِ تدریج کے علاوہ انسانی طاقت اور بشری سہار کی رعایت بھی اس میں مقصود تھی کہ کلامِ الٰہی کا یک لخت نزول پہاڑوں کے جگر شق کر دیتا۔ فرشتہ وحی کی آمد و دید بھی اول اول انسانی روپ میں رہی کہ یکایک رجالِ غیب اور ان کی اصل صورت کی دید غارتِ گر ہوش و آگہی بن سکتی ہے۔ وحی قرآنی اور حدیثی دونوں میں مہبطِ وحی یعنی ذاتِ نبوی ﷺ پر شدید اثر ہوتا تھا اور نزولِ وحی کے وقت چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا، جسمِ اطہر پر لرزہ طاری ہو جاتا، جبینِ مبارک سے سعادتِ وحی کی وصولیابی کے موتی پسینے کے قطروں میں بہہ نکلتے اور سخت اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ سخت ترین لمحہ وہ ہوتا جب وحی "صلصلة الجرس" (گھنٹی کی آواز و جھنکار) کی صورت میں براہِ راست قلبِ نبوی میں تیر کی طرح پیوست ہوتی لیکن وہی لمحہ سعادت بھی ہوتا کہ وحی کے الفاظ و معانی فکر و ذہن اور قلب و روح میں اس طرح تحریر ہو جاتے جیسے پتھر کی تختی پر نقوش بن جاتے ہیں۔ فرشتہ انسانی

روپ میں القاء کرتا اور آپ ﷺ اسے وصول فرماتے تو وہ مرحلہ آسان ہوتا تھا کہ وہاں باہمی انس وتفاعل کا مانوس ذریعہ ہوتا، جیسے ایک انسان دوسرے انسان سے کلام، الفاظ و معانی، بات چیت اور نطق کے ذریعہ حقیقت وصول کرتا اور اپنے دل میں محفوظ کرتا ہے۔ فرشتہ وحی کے اصلی روپ میں دید وکلام کا ایک اور طریقہ وحی تھا۔ قرآن وحدیث دونوں کی وحی کے نزول میں اس کے کئی شواہد ملتے ہیں بالخصوص حدیث میں۔ بیداری میں کشف ومشاہدہ اور انکشافِ غیب کا ایک اور طریقہ بھی تھا جو خاص وحیِ حدیث کی تنزیل کے لئے اختیار کیا گیا تھا اور خاص مصالح سے۔ وہ حدیث کی وحی کا ایک طریقہ تھا مگر اس سے بالواسطہ ذاتِ نبوی کی صداقت اور وحیِ حدیث کا ثبوت واستناد بھی فراہم کرنا مقصود تھا۔ جس طرح خواب ورؤیا کی صداقت ان کی تعبیر کے واقعات بننے سے ہوتی تھی اسی طرح کشف و مشاہدہ کی تصدیق اصل واقعات کرتے تھے۔ وحیِ حدیث میں ان تمام طریقوں کو اختیار کیا گیا اور انھیں کو الگ الگ عنوان کے تحت موضوع وار روایاتِ حدیث وسیرت سے مستند کیا گیا ہے۔

اولین باب میں وحیِ حدیث کے بعض بنیادی مباحث، اصولی اقدار اور نہادی جہات سے بطورِ خاص تعرض کیا گیا ہے۔ وحیِ متلو اور وحیِ غیر متلو، ان کی تعریفات ومعانی، ان کے مشہور ومبینہ اقسام وفنون اور بعض دلائل وافکارِ علماء سے مختصر بحث کی گئی ہے۔ ایک اہم مسئلہ بعثت سے قبل کی نبوی زندگی کی دینی حیثیت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ چالیس سالہ قبلِ نبوت کی زندگی میں وحی کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ بعثت ونبوت کے منصبِ عالی پر سرفرازی کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ حکمتِ الٰہی بھی نظر آتی ہے کہ قبلِ بعثت زندگی میں بھی حفاظت وصیانت کی جاتی ہے تاکہ کردارِ شخصی اور حیاتِ ذاتی نبوت وبعثت کی ایک دلیل بن سکے۔ قرآن مجید نے اس کو بطور دلیلِ صداقت بیان کیا ہے۔

امام بخاریؒ نے بالخصوص اور بعض دوسرے ماہرین حدیث و قرآن نے بالعموم اسی حفاظت وصیانتِ شخصی کے سبب بعثت ونبوت سے قبل کے رسولِ اکرم ﷺ کے قول

وفعل سے استشہاد و استدلال کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے ایک اور اصول و حکم کی بناڈالی ہے جو غالباً بالکل نئی ہے۔ کم از کم خاکسارِ کم علم کے لئے یہ نیا اصول و قاعدہ ہے اور اس بنا پر اس سے بھی کچھ مختصر سی بحث کی گئی ہے حالانکہ وہ کامل تحقیق کا موضوع ہے۔ وحی کے نزول کے مختلف طریقوں سے بحث کو احادیثِ نبوی اور آیاتِ قرآنی کے علاوہ علماء و محدثین کے اقوال ودلائل سے بھی مستند کیا گیا ہے۔ ایک مختصر بحث نزولِ وحی کے دورانیہ سے متعلق ہے جبکہ وحیِ حدیث کی عینی شہادتوں پر، خواہ اپنوں کی ہوں یا مخالفوں کی، بھرپور کلام کیا گیا ہے۔

بقیہ ابواب کی ترتیب کا مسئلہ خاصا دشوار ثابت ہوا۔ تقدیم و تاخیر اور تعیین و ترتیب کی کئی جہات اور کئی طریقے ہو سکتے تھے۔ بہرحال موزوں یہ سمجھا گیا کہ وحیِ قرآنی کے مماثل وحیِ حدیث کے باب کو اولیت دی جائے تاکہ دونوں کی وحی کی مماثلت کا دعویٰ مدلل و ثابت کیا جائے۔ اس میں توجہ اس حقیقت پر مرکوز رکھی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر وحیِ حدیث کے نزول کے وقت وہی کیفیات طاری ہوتی تھیں جو وحیِ قرآنی کے نزول کے وقت۔ اس میں زیادہ ذکر خارجی ذریعہ کا نہیں ہے بلکہ اندرونِ نبوی کی وصولیابی اور اس کے جسم وروح پر اثرات کا ہے اور اسی میں دوسروں کا آنکھوں دیکھا حال بھی ہے۔ تیسرا باب رؤیا صادقہ کے ذریعہ تنزیلِ وحی کے لئے خاص ہے اور وہ قرآنی وحی کے اولین لمحات وکیفیات کی تصدیق بھی کرتا ہے اور توسیع بھی۔ حدیثِ اسراء و معراج کو ایک الگ مختصر چوتھے باب میں رکھا گیا ہے کہ اس میں وحیِ حدیث کے متعدد طریقے یکجا ہوگئے ہیں جو بہت اہم ہیں۔ پانچواں باب بیداری میں کشفِ نبوی کو زیرِ بحث لاتا ہے اور چھٹا باب حضرت جبریل علیہ السلام کی تنزیلِ وحی سے تعرض کرتا ہے اور ساتواں تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔

طرزِ نگارش، طریقہ تحقیق اور اندازِ پیشکش کچھ تو مؤلف و مصنف کی صوابدید پر متعین ہوتا ہے اور کچھ موضوع کے تقاضے قائم کرتے ہیں۔ خاکسار راقم کے خاصے طویل

تجربے اور کمتر صوابدید نے ایک خاص انداز و اسلوب اپنانے پر مجبور کیا ہے جس سے صاحبانِ نظر کو اختلاف کا حق ہے۔ متن میں دعویٰ اور دلیل، بیان اور ثبوت کا طریقہ مختلف رہا ہے اور خاکسار نے بھی متعدد تجربات کئے ہیں اور بعض کو مفید تر پایا ہے۔ حواشی و تعلیقات اور حوالوں کے مقام و ساخت کا معاملہ بھی سنگین رہا ہے۔ ہر طریقے کے اپنے اپنے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس مقالے میں اور دوسری تحریروں میں بھی ایک خاص طریقہ اختیار کر لیا ہے جو میرے خیال میں سب سے زیادہ مفید ہے اور غالباً سہل بھی۔

مواد کی فراہمی میں کتبِ حدیث کی روایات و مباحث کو بنیادی قرار دیا گیا ہے کہ حدیث کی وحی کتبِ حدیث سے ثابت ہو۔ ان میں صحاح بالخصوص بخاری شریف اور اس کی شرح "فتح الباری" کو کلیدی درجہ حاصل ہے کہ اولین اصح الکتب ہے تو مؤخر الذکر جامع ترین۔ وہ بخاری کی احادیث و روایات کی تکمیل و اثبات دوسری کتبِ حدیث سے تو کرتی ہے، کتبِ سیرت و تاریخ کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ امام مسلمؒ کی صحیح اور اس کی شرحِ امام نووی کو بھی ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ صحیحین سے تکمیل کی جاسکے مگر امام نووی کی شرح کو "فتح الباری" کا درجہ حاصل نہیں۔ ہم نے بھی اسی طریقہ کو جامع و مفید تر پایا اور اسی کی پیروی کی۔ روایاتِ سیرت کو صرف ثانوی اور تائیدی درجہ کے باوجود کہیں کہیں ان کی اولیت و افضلیت کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ہر فن کے تقاضے فنی تبحر کا تقاضا کرتے ہیں اور مؤلفینِ سیرت کی امامت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ قدیم ترین امامانِ سیرت — ابن اسحاق / ابن ہشام، موسیٰ بن عقبہ، ابن سعد وغیرہ — کے ساتھ بعض متاخر مؤلفینِ سیرت — ابن سید الناس، ابن کثیر وغیرہ — کو بھی صرف سیرت و تاریخ میں امام کا درجہ حاصل نہیں، حدیث میں بھی افتخار و اعتبار حاصل ہے۔

اپنے بیانیہ کے اثبات و استدلال کے لئے امامانِ حدیث و سیرت کی عبارت اسی جگہ نقل کر دی ہے۔ اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ خاکسار کے فہم و ادا میں کہیں سقم واقع ہو گیا ہو تو اہلِ علم و فکر اس سے دھوکہ نہ کھائیں اور صحیح بات کو سمجھ لیں اور خاکسار کی غلطی

پر متنبہ ہو جائیں، ساتھ ہی کتاب و مصدر کا حوالہ دے دیا گیا ہے اور اس میں تسلیم شدہ بین الاقوامی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے تاکہ سب کو قبول رہے۔ حواشی و تعلیقات کا سہارا نہیں لیا گیا اور نہ ہی ان کو الگ الگ لکھا گیا ہے کیونکہ قارئین کے لئے وہ بسا اوقات باعثِ اضطراب و خلجان بن جاتا ہے۔ ان کو متن ہی میں ضم کر دیا گیا ہے۔ بالواسطہ یا متعلقہ مسائل و امور کو چھیڑا ہی نہیں گیا کہ توجہِ قلب و نظر اصل مبحث پر مرکوز رہے۔

(۴)

آخر میں احسان شناسی کا اعتراف کرنا مؤلف و راقم کا دستور بھی ہے اور اس خاکسار راقم کا عقیدہ و عمل بھی۔ یہ بندہ ممنونِ کرم حیران ہے کہ کس کس کا شکریہ ادا کرے اور کس کس کے احسان کا ذکر و شکر کرے کہ اس کے محسنین کی فہرست طویل ہے، بلکہ سب ہی تو اس کے محسن و منعم ہیں۔ وہی اکیلا مرہونِ منت ہے، شرمندہ احسان بھی اور سب کا ممنون و مشکور و متشکر بھی۔ آغازِ شکر اس ذاتِ بے ہمتا کے انعامات بے پایاں کے اعتراف و شکر سے کیا جائے جس کے لئے اول و آخر حمد ہے۔ اسی کا یہ فیض، توفیق اور عطیہ ہے کہ کچھ لکھنے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی کے خاص فیضان سے یہ خاص تحریر وجود میں آئی۔

امتِ اسلامی پر بحیثیت مجموعی اور خاکسار راقم پر شخصی طور سے رسولِ اکرم ﷺ کا خاص احسان و کرم ہے۔ آپ ﷺ ہی کی بدولت ہم نے اللہ رب العزت کو جانا اور آپ ﷺ ہی کے واسطے سے اس کے کلام و وحی کو جانا، پڑھا اور سمجھا۔ اس لئے آپ ﷺ دوسرے محسنِ اعظم ہیں۔ دنیا اور اہلِ دنیا تسلیم کریں نہ کریں لیکن یہاں جو خیر پایا جاتا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے قدموں کی برکت و دین ہے۔ وحیِ حدیث کے حوالے سے احسانِ نبوی کا اعتراف و شکر اور بھی لازمی ٹھہرتا ہے کہ آپ ﷺ کی عنایات و الطاف اور توجہات و تصرفات نہ ہوتیں تو یہ سعادت نہ ملتی۔ آپ ﷺ کے احسان اور اس کے شکر کی بہترین صورت ہے کہ ہمہ وقت آپ ﷺ پر درود بھیجا جائے، ان گنت اور علمِ الٰہی کے مطابق اور

رسول اکرم ﷺ کے مقام و مرتبت کے موافق صلوۃ و سلام آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی خدمت میں پہونچیں۔

محدثین کرام اور امامانِ سیرت اور دیگر مؤلفینِ اسلام و علم کے احسانات کا شکریہ بھی واجب ہے کہ یہ انھیں کا عطیہ ہے۔ والدین ماجدین کے احسانات کا شکریہ کیونکر ادا ہو سکتا ہے کہ جن کی محبت بھری تربیت و تعلیم نے اس قابل بنایا کہ کتاب و قلم پکڑ سکوں۔ اساتذہ کرام کے احسانات سے بھی گرانبار ہوں کہ وہ اصل تراش و خراش کرتے ہیں اور کندۂ ناتراش کو تراش کر آب و تاب بخشتے ہیں۔ اہلِ خانہ میں اہلیہ کا شکر گذار ہونا نبوی دستور ہے اور خاکسار راقم کو اسی کے سبب طمانیتِ قلب و جسم فراہم ہے، وہ نہ ہوتی تو میں ادھورا ہوتا۔ دوسرے معاونین میں شعبہ کے رفقاء بالخصوص ادارہ کے کتاب خانے کے احباب اور ان میں بھی ان کے سربراہ جناب کبیر احمد خاں صاحب کی عنایات کے لئے شکر گذار ہوں اور قارئین کا احسان مند ہوں کہ ان سے ہی ظہور و قبول کی رونق قائم ہے۔ عزیزم ڈاکٹر جمشید احمد ندوی سلمہ کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سعادتِ دارین سے نوازے، انھوں نے بڑی محنت و محبت کے ساتھ ظاہری و معنوی تزئینِ کتاب میں بھرپور حصہ لیا۔ کتاب کے ناشر محترم جناب فراست علی صاحب مدظلہ العالی کا خصوصی شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ وہ اسلامک بک فاؤنڈیشن کے مالک ہی نہیں، ایک علم پرور شخصیت اور بندہ نواز ناشر ہیں۔ انھوں نے خاص کرم و عنایت کا ثبوت دیا کہ کتاب کے بارے میں اطلاع پاتے ہی از خود اس کو زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کی پیشکش فرمادی۔ اب ایسے صاحبِ حال اور صاحبِ خیر ناشر کہاں پائے جاتے ہیں۔

الامین، ۱۶۴ احمد نگر، علی گڑھ - ۲۰۲۰۰۲
فون: ۲۴۰۷۲۵۸

محمد یٰسین مظہر صدیقی
۱۸/۱/۲۰۰۴ء

وحیِ الٰہی

معنی و مفہوم

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ رب العالمین کی جانب سے بعثت کے بعد احکام و ہدایات اور پیغامات آتے رہے۔ اصطلاحی طور سے اس کو وحی کہتے ہیں۔ اس کے طریقے مختلف تھے۔ البتہ وحی دو قسم کی ہوتی تھی: ایک متلو اور دوسری غیر متلو۔ وحی متلو تلاوت کی جانے والی وحی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد قرآن کریم ہے جو نماز اور نماز کے باہر تلاوت کیا جاتا ہے، پڑھا جاتا ہے۔ حدیثِ افک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا وحی متلو کا یہی ادراک تھا: واللہ ماکنت اظن ان ینزل فی شانی وحی یتلی......۔

"وحیِ غیر متلو" حدیث و سنت کو کہتے ہیں جو نماز اور غیر نماز میں تلاوت نہیں کی جاتی بلکہ اس کو ماہرین فن پڑھتے اور احکام نکالنے میں استعمال کرتے ہیں۔ دونوں میں ایک فرق یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی دونوں کلامِ الٰہی ہیں، جبکہ حدیث میں معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ زبانِ نبوت کے (مسلم، کتاب التوبة، باب حدیث الافك الخ[۵۶](۲۷۷۰)؛ نووی ۶/۲۵۸ بالخصوص)

وحیِ متلو اور وحیِ غیر متلو یعنی قرآن و حدیث دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلبِ نبوی پر القا کئے جاتے تھے۔ اس پر علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ چونکہ قرآن مجید کے الفاظ اور

متن پوری طرح محفوظ و مامون ہے اس لئے اسے قطعی بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ وہ ایک ہی متن رکھتا ہے اور اس کو زبانی اور تحریری دونوں طرح سے منضبط کیا گیا ہے کہ کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ حدیث کی ترسیل و روایت اور تحریر و کتابت دونوں راویوں کے بیان و تحریر پر مبنی ہیں۔ وہ کبھی روایت باللفظ کرتے ہیں اور کبھی روایت بالمعنی کرتے ہیں۔ روایت باللفظ میں رسولِ اکرم ﷺ کے الفاظ پوری طرح محفوظ رکھے جاتے ہیں اور روایت بالمعنی میں راوی مفہومِ نبوی کی ادائیگی اپنے الفاظ میں بھی کر دیتا ہے۔

متونِ احادیث میں معنوی اختلاف سے زیادہ لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی بنا پر بعض طبقات نے حدیث کی صحت پر شک و شبہ کا اظہار کرنا اپنا وطیرہ بنالیا اور بہت سوں نے انکارِ حدیث کو اپنا مسلک قرار دے لیا۔ لفظی اختلافات کی اصل پر ان کی نگاہ نہیں تھی اس لئے یہ رویہ وجود میں آیا۔ بنفسِ نفیس رسول اکرم ﷺ ایک سے زیادہ مرتبہ ایک ہی حدیث بیان فرماتے تھے اور خود اپنے الفاظ و تعبیرات بدل دیتے تھے لہذا لفظی اختلافات در آئے۔ وہ اصلاً اختلافات سے زیادہ بیانات کے تنوعات ہیں۔ صحابہ کرام نے روایت بالمعنی میں اسی کی پیروی کی اور مختلف مواقع پر مختلف طرقِ بیان اختیار کئے جن کے سبب لفظی اختلاف و تنوع کے علاوہ بات میں کمی بیشی بھی آگئی۔ ان اضافات اور ترمیمات کو دوسرا بیان بھی کہا جاسکتا ہے اور وہ عین فطری ہے کہ آدمی ایک بیان کئی بار دے تو اس میں کمی بیشی آہی جاتی ہے۔

کتبِ تفسیر و حدیث و سیرت میں رسول اکرم ﷺ پر وحیِ الٰہی کے نزول کے مختلف طریقوں سے بحث ملتی ہے اور خام مواد بھی۔ اہلِ علم و فکر نے "اقسامِ وحی" کے وسیع الجہات اور کثیر المقاصد عنوان کے تحت ان تنزیلی طریقوں سے بحث کی ہے جو اقسامِ وحی سے زیادہ "طرقِ وحی" ہیں۔ ورنہ دراصل وحی کی دو قسمیں ہیں: ایک وحیِ متلو یعنی قرآن مجید اور دوسری غیر متلو وحی یعنی حدیث و سنت جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وحی کے تنزیلی طریقوں کے اختلاف کے سبب ان کو وحی کی اقسام قرار دیا گیا ہے اور وہ میرے خیال میں بہت زیادہ

صحیح عنوان و سرخی نہیں ہے کیونکہ اس سے غلط فہمی کا دروازہ کھلتا ہے۔ بہر حال ان مختلف طریقوں کے مطالعہ سے اور وحی کی تنزیل سے متعلق مواد کے تجزیہ سے حقیقت واضح ہو گی۔

وحی کی تعریف مختلف علماءِ اسلام نے مختلف انداز سے کی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں: خفیہ طریقے سے باخبر کرنا اور آگاہ کرنا۔ حافظ ابنِ حجر نے وحی میں کتابت، مکتوب، بعث، الہام، امر، ایماء، اشارہ اور تصویت (آواز و ندا) کو شامل کیا ہے۔ اس کے اصل معنی ''تفہیم'' ہیں اور ہر وہ شئے جو، خواہ کلام ہو، تحریر (کتابت) ہو، رسالت ہو یا اشارت ہو، وہ وحی ہے اور شرعی لحاظ سے اس کے معنی شریعت سے آگاہ کرنا ہے۔ وحی کو کبھی مطلق بولا جاتا ہے اور اسی سے مفعول (الموحیٰ) مراد لیا جاتا ہے یعنی اللہ کا کلام جو نبی ﷺ پر نازل کیا گیا ہو:

''والوحی لغة الاعلام فی خفاء، والوحی ایضا الکتابة والمکتوب و البعث والالهام والامر والایماء والاشارة والتصویت شیئا بعدشئی. وقیل: اصله التفهیم و کل مادلت به من کلام اوکتابة او رسالة او اشارة فهو وحی. وشرعا الاعلام بالشرع. وقد یطلق الوحی ویراد به اسم المفعول منه ای الموحیٰ، وهو کلام الله المنزل علی النبی ﷺ''۔ (فتح الباری، دار السلام ریاض، ۱۹۹۷ء، ۱/۱۲)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اسی خیال و تعریف کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اور اس پر اہم اضافہ فرمایا ہے: ''وحی لغتِ عرب میں اشارہ، کتابت، مکتوب، رسالت، الہام، القاء کو کہتے ہیں اور اصطلاح اور عرف میں اس کلام اور پیام کا نام ہے جو حضرت رب العزت کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو، ہر چند واسطہ کے تفاوت اور وسائط کے اختلاف سے اس کی متعدد اقسام ہوں مگر کلام الٰہی ہونے میں سب شریک ہیں...... قرآن شریف اور احادیثِ قدسیہ اور دیگر احادیث و اقوالِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سب کلامِ الٰہی اور وحی من اللہ ہیں۔ عوارضِ خاصہ اور بعض احکام میں گو ان میں باہم امتیاز ہو اور ضرور ہونا چاہیے مگر کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی خفا نہیں۔ چنانچہ جملہ اکابر کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ احادیث

رسول علیہ السلام حتی کہ ان کا خواب بھی وحی ہی سمجھا جاتا ہے" (حقیقت وحی، نقوش، رسول نمبر، لاہور، دسمبر ۱۹۸۲ء، ۲/ ۶۸۳)

معنوی لحاظ سے شیخ الہند کی تعریف و اضافہ صحیح ہے لیکن لفظی لحاظ سے کلامِ الٰہی کی دو قسمیں جملہ اکابر کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔ قرآن مجید لفظ و معنی دونوں اعتبار سے وحیِ الٰہی اور کلام اللہ ہے جبکہ حدیثِ نبوی کو معنی و مفہوم کے اعتبار سے تو وحی کہا جاتا ہے مگر اس کو کلام کہنا مشکل ہے کہ اس کے الفاظ رسول اکرم ﷺ کی زبانِ صداقت بیان کے ہوتے تھے۔ نبوی الفاظ قرآنی الفاظ کی مانند کلامِ الٰہی نہیں۔ اسی لئے وحی اور کلام میں فرق کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی اگلی تشریح بہت عمدہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "لفظ وحی میں جملہ اقسامِ مذکورہ بالا داخل ہیں، وحیِ متلو یعنی قرآن شریف ہی مقصود نہیں......" دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات ہی مبدءِ وحی ہے لہذا وہ ہمیشہ اپنی وحی ارسال فرماتا رہا۔ جب اس نے سلسلہ انبیاء قائم فرمایا تو اولین نبی سے لے کر آخری نبی یعنی خاتم المرسلین ﷺ تک وحی ارسال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ امام بخاری اور دوسرے شارحینِ حدیث کے علاوہ عام علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاءِ کرام کو ایک خاص عمر تک پہونچنے کے بعد وحی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو چالیس سال کی عمر شریف پوری کرنے کے بعد وحیِ الٰہی سے نوازا گیا۔ یہ خالص نبوی وحی کہی جاسکتی ہے۔

وحی اور عصمت

عصمتِ انبیاء کے عقیدے کا تقاضا ہے کہ بعثت و رسالت اور نبوت کے لمحہ خاص سے قبل بھی ان کی حفاظت کی جائے اور حقیقت میں کی بھی جاتی تھی۔ اسی عصمت و تحفظ کے نتیجہ میں کبھی ان کو "ہدایاتِ ربانی" سے نوازا جاتا تھا تاکہ وہ صراطِ استقامتِ نبوت پر قائم رہیں۔ بالعموم اس کو وحی سے تعبیر نہیں کیا جاتا اگرچہ وہ ہے اسی کی ایک قسم، مثال کے

طور پر لڑکپن میں رسول اکرم ﷺ کو خانہ کعبہ کی تعمیر قریش کے وقت ازار اتار کر عریاں ہونے سے بچایا گیا تھا اور ہدایت کی گئی تھی کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔ امام بخاری نے تو اس "حدیث" کی بنا پر ایک باب باندھا ہے (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، ۸ باب کراھیۃ التعری فی الصلاۃ وغیرھا، حدیث: ۳۶۴؛ فتح الباری ۱/ ۶۱۵)۔

امام موصوف نے بعثتِ نبوی سے ایک مدت قبل کے واقعہ کو "حکم" کا سرچشمہ بنایا ہے اور اسے حدیثِ نبوی اور وحیِ الٰہی قرار دے کر استنباط بھی کیا ہے اور اسے کئی دوسرے ابواب میں بھی نقل فرمایا ہے اور دوسرے احکام پر استدلال کیا ہے۔ یہ استدلالِ بخاری، اصولِ احکام کی ایک نئی جہت دکھاتا ہے۔ امام مسلمؒ بھی ان کے اس باب میں ہمنوا ہیں اور انھوں نے بھی قبلِ بعثت بعض ہدایاتِ ربانی کے سبب قول و عملِ نبوی کو حدیث کا درجہ دے کر اس سے استدلال کیا ہے (حدیث: ۳۶۴ کے دو اطراف ہیں: ۱۵۸۲ اور ۳۸۲۹: اول الذکر طرف حدیث ہے: کتاب الحج، ۴۲. باب فضل مکۃ و بنیانھا...... الخ، فتح الباری ۳/ ۵۵۴-۵۵۷؛ اور دوسری طرف حدیث ہے: کتاب مناقب الانصار، ۲۵- باب بنیان الکعبۃ؛ فتح الباری ۷/ ۱۸۵؛ مسلم، کتاب الحیض، باب الاعتناء بحفظ العورۃ؛ [۷۶] (۳۴۰)، [۷۷]؛ نووی، المنہاج، طبع دار الخیر دمشق ۱۹۹۸ء، ۴/ ۲۸-۲۹)

امام نووی اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی قبلِ بعثت حدیثِ نبوی کے ضمن میں عصمتِ انبیاء پر ایک اہم اور خاص نکتہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ بعثت کے قبل اور بعد ہمیشہ قبیح چیزوں سے محفوظ کئے گئے اور اس میں لوگوں کے سامنے عریاں ہونے سے ممانعت کا واقعہ بھی شامل ہے۔ امام ابن اسحاقؒ نے سیرت میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ بچے تھے کہ عریاں ہوگئے اور یہ واقعہ حضرت حلیمہ کے ہاں پرورش کا ابتدائی زمانہ تھا۔ جیسے ہی عریاں ہوئے کہ کسی نے ایک دھکا دیا اور پھر آپ ﷺ کبھی عریاں نہیں ہوئے: "وفیہ انہ کان مصونا یستقبح قبل البعثۃ وبعدھا. وفیہ النھی عن التعری بحضرۃ الناس...... وقد ذکر ابن اسحاق فی السیرۃ انہ ﷺ

تعری وهو صغیر عند حلیمة فلکمه لاکم فلم یعد یتعریٰ......"(فتح الباری، ۶۱۵/۱؛ موجودہ سیرتِ ابن ہشام میں یہ روایتِ ابن اسحاق نہیں ہے)

مذکورہ حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد دوسری کتبِ حدیث کی احادیث و روایات نقل کی ہیں جو صحیح اور معتبر ہیں۔ امام نووی نے مختصر تشریح میں قبل بعثت حفاظتِ نبوی اور عصمتِ انبیاء پر بحث کا حوالہ دیا ہے اور صحیحین کے علاوہ کسی اور کتاب سے لکھا ہے کہ ایک فرشتے نے ازار باندھی تھی۔ ان میں سے حافظ طبرانی اور حافظ بیہقی کی کتاب الدلائل، امام طبری کی تہذیب الآثار اور حافظ ابو نعیم کی المعرفة اور الدلائل دونوں سے جو روایت نقل کی ہے اس میں تفصیل کے علاوہ اہم بات یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ازار مانگنے کے بعد حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے عریاں چلنے سے منع کیا گیا ہے: "نهيت ان امشي عريانا"۔ اگرچہ ممانعت کے ذریعہ اور طریقے کی تصریح نہیں کی گئی ہے تاہم یہ واضح ہے کہ اشارہ، الہام، القاء یا دورانِ غشی رؤیا کا سہارا لیا گیا تھا جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے، اگرچہ امام نووی نے ایک فرشتہ کے ازار باندھنے کا ذکر کتاب الایمان میں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے پیغام رسانی کے لئے فرشتہ کا سہارا لیا گیا ہو۔ حافظ ابن حجر نے اس تشریح میں ابن اسحاق کی سیرت کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کو منتقل کرنے کا واقعہ وہاں "لكمة" (دھکے) کا باعث بھی بنا تھا اور اسی کے ساتھ کہنے والے کی آواز بھی آئی تھی کہ اپنی ازار باندھے رکھو۔ اس کا متن حسب ذیل ہے: "انی لمع غلمان هم اسنانی، قد جعلنا ازرنا علی اعناقنا لحجارة ننقلها اذ لكمنی لاكم لكمة شديدة" ثم قال: "اشدد عليك ازارك......"۔ ظاہر ہے کہ یہ آوازِ غیب کسی فرشتے ہی کے ذریعہ آئی تھی۔ قرائن بتاتے ہیں کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ بعض دوسری روایات میں قبل بعثت ان کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ بعثت کے بعد ان کا ظہور اور وحی تو ایک حقیقتِ ثابتہ ہے مگر اس سے قبل ان کی کارگذاری سے یا اس کے امکان سے انکار کرنا بھی مشکل ہے (فتح الباری، ۵۵۷/۳)

طرقِ وحی

رؤیا صادقہ، رؤیا صالحہ یا سچے خواب اولین طریقہ ہے جس کے ذریعہ انبیائے کرام کو نبوت ورسالت کے بعد وحی بھیجی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابو نعیم اصبہانی کی کتاب الدلائل میں منقول ایک حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے۔ وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انبیائے کرام کے پاس خواب میں اولین وحی بھیجی جاتی ہے تاکہ ان کے قلوب کو طمانیت ہو پھر بیداری میں وحی نازل ہوتی ہے: "......عن ابن مسعود قال: ان اول ما یؤتی به الانبیاء فی المنام حتی تهدأ قلوبهم، ثم ینزل الوحی بعد فی الیقظة" (فتح الباری ۱/ ۱۲)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اس روایت کو امام ابو نعیم اصبہانی کی کتاب الدلائل کے حوالے سے نقل کیا ہے اور آخری یا اولین راوی حضرت علقمہ بن قیسؒ ہیں (البدایۃ ۳/ ۴)۔ امام بخاریؒ نے اسی لئے کتاب بدء الوحی میں اولین باب کا عنوان یہی باندھا ہے جو نہ صرف اولین نقطہ وحی بتاتا ہے بلکہ انبیاءِ کرام پر وحیِ الٰہی کے تسلسل کی حقیقت بھی اجاگر کرتا ہے: "کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ" اور ترجمۃ الباب میں اسی تسلسلِ وحی سے متعلق آیتِ قرآنی نقل کی ہے ﴿انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعده﴾ (النساء: ۱۶۳)، (فتح الباری ۱/ ۱۰)

دوسرے بابِ بلا عنوان میں امام بخاریؒ نے رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث حضرت حارث بن ہشامؓ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کبھی وہ گھنٹیوں کے بجنے کی مانند آتی ہے اور وہ سب سے زیادہ سخت وشدید ہوتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو جو کچھ کہا مجھے یاد ہو جاتا ہے اور کبھی فرشتہ کسی انسان کی شکل میں آتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی اور سخت سردی کے دن میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی عرق آلود

ہو جاتی تھی بلکہ اس کے خاتمے پر عرقِ رسالت کے موتی بہہ نکلتے تھے، اتنی شدت کلام وحی کی ہوتی تھی۔ متنِ حدیث کے الفاظ یہ ثابت کرتے ہیں کہ گھنٹی کی جھنکار فرشتے کی آمد کا اعلان ہوتی تھی کیونکہ آپ ﷺ کو وہ سب یاد ہو جاتا تھا جو وہ کہتا تھا (فاعی ما یقول):

۲-......عن عائشه ام المومنین ؓ ان الحارث بن هشام ؓ سال رسول الله ﷺ فقال: یا رسول الله، کیف یأتیك الوحی؟فقال رسول الله ﷺ :احیانا یأتینی مثل صلصلة الجرس،وهو اشده علیّ،فیُفصَم عنی وقد وعیت عنه ماقال، واحیانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول". قالت عائشةؓ:ولقد رأیته ینزل علیه الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنه وان جبینه لیتفصّد عرقا (کتاب بدء الوحی، ۲باب بلا عنوان؛فتح الباری،۱/ ۲۲-۲۹،طرفِ حدیث:۳۲۱۵:کتاب بدء الخلق،باب ذکر الملائکة؛فتح الباری،۶/۳۶۶-۳۶۷؛ مسلم، کتاب الفضائل- باب الوحی واحواله؛نووی،۵/۸۰ ۴؛ابن کثیر ،البدایة، ۳/۲۱-۲۳:فصل فی کیفیة اتیان الوحی الی رسول الله ﷺ اور دوسری فصل میں تمام متعلقہ روایات واحادیث جمع کر دی ہیں)

امام ابن سعد کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام جب انسانی صورت میں جلوہ گر ہوتے تو جس طرح ایک انسان دوسرے انسان پر القاء کرتا ہے وہ بھی کرتے اور اس کے الفاظ کا سررشتہ پھسلنے لگتا تو آپ ﷺ تیزی سے اپنی زبانِ مبارک کو حرکت دیتے، اسی پر ہدایت آئی کہ غور سے سنیں، زحمت نہ اٹھائیں، یاد کرانا تو اللہ کا ذمہ ہے اور دوسرے طریقہ میں جب گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تو قلب رسول ﷺ میں پیوست ہو جاتی کہ پھر اس کے فراموش کرنے کا کوئی خدشہ نہ رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے تنزیلِ وحی کی اس حدیث پر مفصل و مدلل بحث میں وحی کے نزول کے مختلف طریقوں پر کلام کیا ہے اور دوسری کتبِ حدیث و سیرت سے بہت سی روایات ایک جگہ جمع کر دی ہیں۔ ان سے "متعدد طرقِ تنزیلِ وحی" کی تعیین و تفصیل کی جا سکتی ہے۔ ان دونوں طریقوں کے بیانِ نبوی سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ وحی کے آنے کے

صرف یہی دو حالات تھے۔ بقول حافظ ابنِ حجر دوسرے "حالات" بھی تھے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مانند وحی کا آنا، قلب و روح میں پھونک مار کر پیوست کر دینا، الہام، رؤیا صالحہ اور براہ راست کلام جیسا کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کا کلام براہ راست سماعت فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر ایک بیری کے عقب سے سنا تھا۔ "......واورد علی ما اقتضاه الحدیث - وھو ان الوحی منحصر فی الحالتین- حالات اخریٰ: اما من صفة الوحی کمجئیه کدوی النحل،و النفث فی الروع، والالھام،والرؤیا الصالحة،والتکلیم لیلة الاسراء بلاواسطة"

حافظ موصوف نے ان تمام حالات اور "فنون الوحی" کی اس کے بعد تشریح کی ہے اور امامانِ فن کے اقوال و آراء سے اس کو مدلل کیا ہے (فتح الباری ۱/۲۶)۔ حافظ ابن سید الناس نے حافظ سہیلی کے حوالے سے "حالاتِ متعددہ" کا ذکر کیا ہے جن میں وحی آتی تھی: اول رؤیا صادقہ کی صورت میں، دوم حضرت اسرافیل تین سال تک ہویدا ہوتے رہے اور کبھی کبھی وحی کا کلمہ بھی لاتے تھے، سوم حضرت جبریل کی آمد اور قرآن اور وحی کا نزول، چہارم آپ ﷺ کے ضمیر (روع) میں کلام کا پھونکنا جیسے حدیثِ نبوی کہ روح القدس نے میرے ضمیر و روح میں پھونکا کہ ہر نفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ اپنا رزق اور اپنی اجل پوری نہ کرلے لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو اور طلبِ رزق میں عمدہ طریقہ اپناؤ، پنجم گھنٹی کی آواز کی طرح وحی کا آنا جو سب سے زیادہ یادر ہتی، چھٹے حجاب و پردے کے پیچھے سے کلامِ الٰہی خواہ بیداری میں ہو جیسے معراج کی رات میں ہوا، خواہ نیند میں جیسے حدیثِ معاذ میں ہے کہ میرا رب میرے پاس بہترین صورت میں آیا تھا اور پوچھا ملائکہ کس چیز پر بحث کر رہے ہیں اور فرشتہ کبھی آپ ﷺ کے پاس اپنی اصل صورت میں آتا تھا جب اس کے چھ سو پر ہوتے تھے اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں آتا تھا۔ یہ متعدد حالات تھے......"

اول ما بدیء به علیه السلام من الوحی الرؤیا الصادقة،وعن الشعبی ان رسول اللهﷺ وکل به اسرافیل فکان یتراء ی له ثلاث سنین ویأتیه بالکلمة من

الوحی،ثم وکل به جبریل فجاء ہ بالقرآن والوحی فهذه حالة ثالثة لمجئی الوحی، ورابعة وهی ان ینفث فی روعه الکلام نفثا کما قال علیه السلام: ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل اجلها ورزقها فاتقوا الله واجملوا فی الطلب...... وخامسة وهی ان یأتیه الوحی فی مثل صلصلة الجرس وهو اشده علیه وقیل ان ذلك یستجمع قلبه عند تلك الصلصلة فیکون اوعیٰ لما یسمع،وسادسة وهی ان یکلمه الله من وراء حجاب،اما فی الیقظة کما فی لیلة الاسراء،واما فی النوم کما فی حدیث معاذ:اتانی ربی فی احسن صورة فقال: فیم یختصم الملاء الاعلیٰ، وکان الملك یأتیه علیه السلام تارة فی صورته له ستمائة جناح کما روی، وتارة فی صورة دحیة الکلبی،فهذه حالات متعددة ذکر معناه السهیلی(ابن سید الناس،عیون الاثر،۱/۱۲۰)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو مختصر بیان کیا ہے اور ان کا ماخذ امام احمد بن حنبل کی مسند ہے اور امام شہاب الدین ابو شامہ کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث آغازِ وحی کے ساتھ اس کی تطبیق دی ہے کہ دونوں میں کوئی منافرت و تعارض نہیں ہے (البدایۃ،۳/۴وما بعد)۔ بعض دوسرے مآخذ جیسے صحیح مسلم وغیرہ کی روایات نقل کی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ روشنی دیکھتے یا آواز سنتے تھے (یری الضوء ویسمع الصوت) یا مکہ کے اس پتھر کو پہچانتے تھے جو قبلِ بعثت آپ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا(عن جابر بن سمرة قال:قال رسول الله ﷺ:انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلّم علیّ قبل ان ابعث، انی لاعرفه الآن: بحوالہ امام مسلم ۵/۳۰؛ مسلم، کتاب الفضائل،باب فضل نسب النبی ﷺ،[۲](۲۲۷۷)؛نووی ۵/۷-۴۳۸-۴۳)

یہاں کلیم اللہ کے خطاب سے تھوڑی سی بحث کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وہ بھی وحی کے نزول و تنزیل کا ایک اہم ترین طریقہ تھا۔ بالعموم حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کہلاتے ہیں اور بلاشبہ وہ تھے بھی۔ مگر خاتم المرسلین ﷺ کو دوسرے انبیاء اور رسولوں

پر ایک گونہ فضیلت دی گئی ہے اور اس باب میں بھی حضرت محمد رسول ﷺ کو خصوصیت و افضلیت حاصل ہے کہ آپ ﷺ کے مرتبہ عالی کو دوسروں کے مراتب سے ممتاز کرنا شانِ الٰہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی خاکی سرزمین پر کلامِ الٰہی سے سرفراز کیا گیا تھا اس لئے ان کو ارضی کلیم اللہ بھی کہنا روا اور جائز ہے۔ مگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آسمان پر بلا کر سدرۃ المنتہیٰ کے پرے حضرتِ الٰہی کے عین سامنے کلام اور تکلیم الٰہی سے نوازا اور سرخرو کیا گیا، اس لئے آپ ﷺ آسمانی کلیم اللہ ہیں اور آپ ﷺ کی کلیمی خاص ہے بلکہ اس کی رو سے تو آپ ﷺ ہی خالص اور اصلی کلیم اللہ ہیں۔

صدائے جرس اور شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ میں بقول حافظ ابن حجرؒ نسبت کے لحاظ سے فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے مؤخر الذکر کو صدائے جرس کے مشابہ قرار دیا تھا۔ اس کی حافظ ابن حجر وغیرہ نے خوبصورت توجیہ کی ہے۔ سامعین و حاضرینِ مجلسِ نبوی کے لئے وہ شہد کی مکھیوں کی نغمہ سرائی تھی مگر رسولِ اکرم ﷺ کے لئے وہ صدائے جرس ہی تھی۔

دوسرے طرقِ نزولِ وحی میں نفث فی الروع (قلب وروح اور ضمیر میں پھونکنے) کی تاویل و تفسیر میں لکھا ہے کہ اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں: ایک جب فرشتہ صدائے جرس کی مثال آتا تو وہ آپ ﷺ کے قلب وروح میں پھونک مار کر وحی پیوست کر دیتا تھا۔ دوسرے وہ انسانی روپ میں آتا۔ اسے حدیث میں "تمثل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تب وہ ایک انسان کی طرح القا کرتا اور وہ بھی کبھی قلب میں جاگزیں ہو جاتا۔ الہام الفاظ و معانی کو بلاواسطہ فرشتہ و پیامبر دل و قلب اور روح و ضمیر میں پہونچا دینے اور وہاں تمکن بخش دینے کی صورت ہے اور براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کلام کی صورت کلیم اللٰہی ہے جس میں معبودِ حقیقی اور عظیم ترین عبد ورسولِ الٰہی کے درمیان سوائے حجاب کے اور کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ واجب محمد رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرما رہا تھا جیسے کبھی اس نے کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ رؤیا صالحہ ان سچے خوابوں کو کہتے ہیں جو

نبوت کاایک حصہ ہیں اور حدیثِ صحیح کے مطابق وہ چھیالیسواں جزوِ نبوت ہیں۔

سچے خواب یا رویا صادقہ ارشادِ نبوی کے مطابق ہر مومنِ صادق اور مسلمِ کامل کو دکھائے جاتے ہیں کہ وہ حصہ نبوت کا وارث ہے۔ نبی اور رسول ﷺ کو بھی ابتدائے نبوت میں ان سے سرفراز کیا جاتا ہے کہ ان کی نبوت و رسالت کا حصہ ہے اور وہ ان کے امین ہیں۔ ان دونوں میں ایک جوہری فرق بھی ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے رؤیا صادقہ پختہ وحی اور بلاریب ہوتے ہیں جبکہ مؤمنین کے خوابوں میں قطعیت لازمی نہیں ہے۔ چھیالیسواں حصہ نبوت ہونے کا بنیادی سبب نبوتِ محمدی کی زمانی مدت ہے۔ آپ ﷺ تیئیس برس تک نبی کی طرح کار فرما رہے: تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ان میں سے نبوتِ محمدی کی پہلی ششماہی خالص رؤیائے صادقہ پر مبنی و مشتمل رہی اور کلامِ الٰہی نہیں نازل ہوا۔ اس لئے وہ پہلی ششماہی بقیہ ساڑھے بائیس سال کی نبوت کا ایک جزو اور کل مدتِ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ رؤیائے صادقہ کا سلسلہ کلامِ الٰہی کی تنزیل کے بعد بھی جاری رہا اور دوسرے طرقِ وحی کا بھی، مگر مؤمنین صرف رویا ہی کے جزوِ نبوت سے حصہ پاسکے۔

تمثّل کی بحث

فرشتے کے انسان کی شکل میں ظہور کو "تمثّل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے "تمثّلِ انسانی" کی متعدد مثالیں حدیث و سیرت و تفسیر کی روایات میں ملتی ہیں اور وہ بجائے خود ایک الگ تحقیقی مقالے کا موضوع ہے لیکن وحی کے نزول کے ضمن میں اس پر مختصر بحث ضروری ہے کہ ایک فرشتہ انسانی روپ کیسے دھار لیتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے محدثین و علماء نے اس اہم موضوع پر بحث کی ہے۔ حافظ موصوف نے دوسرے محدثین اور علماء کے خیالات و تشریحات کو حسبِ معمول اپنی شرح میں نقل کیا ہے۔ لیکن اس موضوع پر اصل بحث اور شرح و تفصیل بعض صوفیہ خصوصاً شاہ

ولی اللہ دہلویؒ کے ہاں بہت عمدہ پائی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تمثل" کے لغوی معنی سے شرح کا آغاز کیا ہے کہ وہ صورت اختیار کرنے (يتصور) کے ہم معنی ہے۔ فرشتے (الملك) پر الف لام عہد ہے۔ اس سے مراد حضرت جبریل ہیں جیسا کہ امام ابن سعد کی مذکورہ بالا روایت میں گذر چکا۔ اس میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل اختیار کر سکتا ہے (وفيه دليل على ان الملك يتشكل بشكل البشر)۔ علماء متکلمین کے مطابق فرشتے علوی لطیف اجسام ہیں اور جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں جبکہ فلاسفہ کے خیال میں وہ روحانی جواہر ہیں (قال المتكلمون: الملائكة اجسام علوية لطيفة يتشكل اى شكل ارادوا. و زعم بعض الفلاسفة انها جواهر روحانية)۔ امام مسلم کی ایک حدیثِ حضرت عائشہ میں ہے کہ ملائکہ نور سے، جنات آگ کے شعلہ سے اور آدم (مٹی) سے پیدا کئے گئے: "خلقت الملائكة من نور، وخلق الجان من مارج من نار، وخلق آدم مما وصف لكم" (كتاب الزهد، باب احاديث متفرقة [٦٠] (٢٩٩٦)؛ نووی ۶/ ۲۱۵)۔ ان کے اور جنات کے "تمثل" کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کا جسم نورانی یا ناری ہونے کے سبب کوئی دوسری ٹھوس شکل (مادی) اختیار کر سکتا ہے جبکہ انسان مٹی کا پتلا ہونے کی بنا پر جسمانی تمثل اختیار کرنے سے قاصر ہے۔

امام الحرمین کے بقول حضرت جبریل علیہ السلام کے تمثلِ بشری کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خلق کے زائد حصے کو فنا کر دیا یا ان سے دور کر دیا جسے وہ بعد میں دوبارہ لوٹا دے گا:...... تمثل جبريل معناه ان الله افنى الزائد من خلقه او ازاله عنه، ثم يعيده اليه بعد. جبکہ امام ابن عبد السلام کا قطعی خیال ہے کہ صرف ازالہ ہوتا ہے فنا کا عمل نہیں ہوتا۔ انھوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس انتقالِ بشری سے ان کی موت لازم نہیں آتی بلکہ ان کا جسم باقی اور زندہ رہتا ہے۔ کیونکہ روح کی جدائی کے بعد جسم کی موت عقلی طور پر واجب نہیں بلکہ وہ عادتِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی بعض

مخلوق میں جاری ساری فرماتا ہے، جیسے شہداء کی روح سبز پرندوں کے اندرون میں ہوتی ہے اور وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کے شیخ نے یہ تشریح کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو اپنی اصل شکل میں تھے مگر اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انسان کی ہیئت میں ظاہر ہوتے تھے (فتح الباری ا/۲۸)۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت میں جلوہ گری اور انسانی شکل میں ظہور پذیری میں بہت فرق ہے۔ ہیئت و شکل کے علاوہ جسم و ساخت اور دوسری چیزوں میں واضح امتیاز پایا جاتا ہے۔ شکلِ بشری میں وہ ایک عام انسان دکھائی دیتے لیکن اپنی اصلی شکل و صورت میں آسمان وزمین کی پہنائی میں چھا جاتے۔ اس کا واضح فرق حدیثِ بخاری۔۴ میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فترۂ وحی سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کی حدیثِ شریف بلکہ عینی مشاہدہ بیان فرمایا۔ فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے کہ میں اس اثنا میں رواں دواں تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز آتی ہوئی سنی۔ میں نے اپنی نگاہ اٹھائی تو وہی فرشتہ نظر آیا جو میرے پاس حراء میں آیا تھا مگر اب وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر رونق افروز و جلوہ نشین تھا۔ "...... بينا انا امشي، اذ سمعت صوتا من السماء، فرفعت بصرى فاذا الملك الذى جاء نى بحراء جالس على كرسى بين السماء والارض"۔ ان کی اصل صورت و جسم کا پھیلاؤ اتنا تھا کہ اس نے افقِ آسمان کو گھیر لیا تھا جیسا کہ اس حدیثِ کے علاوہ متعدد دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے

(بخاری، کتاب بدء الوحی، ۳-باب بلاعنوان ؛ فتح الباری ا/۳۷-۳۸؛ نیز حدیث: ۳۲۳۸، اطراف حدیث: ۳۲۳۸، ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۲۴، ۴۹۲۵، ۴۹۲۶، ۴۹۵۴، ۶۲۱۴) کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین......؛ فتح الباری ۶/ ۳۷۷-۳۷۸؛ کتاب التفسیر، باب سورۃ المدثر؛ فتح الباری ۸/ ۸۶۳- ۸۶۶ و سورۃ الضحی، فتح الباری ۸/ ۹۱۳-۹۱۴؛ کتاب الادب، باب رفع البصر الی السماء...... فتح الباری ۱۰/ ۷۳۰-۷۳۱؛ ابن کثیر، البدایۃ ۳/ ۱۷ ومابعد؛ مسلم، کتاب الایمان، باب سدرۃ المنتھی؛ نووی، المنھاج ا/ ۳۸۷ ومابعد)

امام بخاریؒ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی اصل صورت کے متعلق ایک روایت سورۂ نجم-۹:﴿فکان قاب قوسین او ادنی﴾ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے واقعہ معراج میں ان کا دیدار کیا تو ان کے چھ سو پر تھے......:"حدثنا ابن مسعود انه رای جبریل له ستمائة جناح"(بخاری، کتاب بدء الخلق،باب اذا قال احدکم آمین......الخ، حدیث:۳۲۳۲،فتح الباری ۶/ ۳۷۶ومابعد برائے دیگر احادیث ذیل)حدیث:۴۸۵۶-۴۸۵۷ میں اس حدیث کے بعض اطراف ملتے ہیں۔وہ دونوں کتاب التفسیر کے باب سورة النجم کی احادیث ہیں اور صحابی موصوف سے مروی ہیں اور ان میں یہی وضاحت ہے کہ ان کے چھ سو پر تھے۔اسی باب وکتاب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث:۴۸۵۵ میں مزید وضاحت ملتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو بار ملاحظہ کیا:......ولکن رأی جبریل علیه السلام فی صورته مرتین۔حافظ ابن حجر اور دوسرے شارحینِ حدیث نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ اصل صورت میں انھوں نے افقِ آسمانی کو گھیر لیا تھا:"فی الصورة التی هی صورته فسدّ افق السماء"(کتاب التفسیر،باب بلا عنوان؛ فتح الباری ۸/ ۷۷۱-۷۷۵؛ مسلم، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ بحوالہ ابن حجرؒ ۳۲۳۲: عن عبدالله......قال:رأی رفرفا اخضر سدّ افق السماء؛ ۳۲۳۴:عن عائشة......ولکن رأی فی صورته و خلقه سادًا ما بین الافق، ۳۲۳۵:عن عائشة:ذاك جبریل کان یأتیه فی صورة الرجل،وانما أتی هذه المرة فی صورته التی هی صورته،فسدّ الافق"،کتاب الخلق، باب مذکورہ بالا، مسلم ،کتاب الایمان،باب سدرة المنتهیٰ،نووی ۱/ ۳۸۲-۳۸۸ ومابعد)

نزولِ وحی کا دورانیہ

بعثت و نبوت کے بعد سے رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا، کسی وقت بھی آسکتی تھی اور آتی تھی۔دن رات کی تمام ساعات اور گھڑیوں میں اس کا نزول نہ صرف ممکن تھا بلکہ درحقیقت ہوتا رہتا تھا۔اس میں رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ عالی

وحیِ الٰہی کے نزول کا مہبط و محور تھی اور اس کے وقت و زمانہ کی رعایت اللہ تعالیٰ کی مصلحت، بندوں کی رعایت اور خاص حکمتِ ربانی کے سبب ہوتی تھی۔ اسی لئے رسولِ اکرم ﷺ پر دن رات بحالتِ بیداری تو وحی کا نزول ہوتا ہی تھا بحالتِ خواب و نیند بھی آپ ﷺ پر رؤیا صادقہ کی حالت میں وحی اترتی رہتی تھی۔ رسولِ اکرم نے اسی حقیقت کے اظہار کے لئے اپنی ایک حدیثِ مبارکہ میں فرمایا ہے کہ میرے پاس آسمان کی خبر صبح و شام آتی رہتی ہے۔ وہ ایک طویل و مفصل حدیث کا حصہ ہے۔ اس کا پس منظر ہمارے مقصد کے لحاظ سے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے سامنے یہ حقیقت ظاہر کی تھی:۴۳۵۱: (عن ابی سعید الخدری)......فقال......:وانا امین من فی السماء، یأتینی خبرالسماء صباحا و مساء اً......(بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب علیہ السلام......الخ؛ فتح الباری ۸/ ۸۴-۸۶؛ نیز کتاب التوحید، ۲۳-باب قول اللہ تعالی: تعرج الملئکۃ والروح الیہ......" حدیث:۷۴۳۲؛ فتح الباری، ۱۳/ ۵۰۸-۵۱۲)

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس وحیِ الٰہی رات دن ہر وقت آتی رہتی تھی۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ متن میں چونکہ صبح و شام کا ذکر ہے لہٰذا صرف انھیں دو اوقات میں وحی آتی تھی۔ اس سے مراد اصل میں یہ ہے کہ صبح شام اور رات دن کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا بلکہ ہر وقت وحی کا نزول ہوتا رہتا تھا۔

بعض علمائے مفسرین اور قرآنی علوم کے ماہرین جیسے امام بدر الدین زرکشی اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے وحیِ الٰہی بالخصوص وحیِ قرآنی کے نزول کے اوقات سے بحث کی ہے اور ان کے مطابق بہت سی آیاتِ کریمہ کو رات دن، صبح شام، گرمی سردی وغیرہ زمانی اوقات کے مطابق تقسیم کر کے ان کو اس سے موسوم و مسمّی بھی بنایا ہے اور اسی طرح مقاماتِ نزول کے اعتبار سے بھی ان کی درجہ بندی کی ہے۔ ان کے مطالعہ سے اس حدیث کے معانی کی مزید تفہیم ہو سکتی ہے اور ہماری آئندہ بحث سے اس کا ثبوت ملتا رہے گا۔ (زرکشی، البرھان فی علوم القرآن؛ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن)

وحیِ حدیث کے طریقے

وحیِ الٰہی اور اس کے مختلف طریقوں یا بقول علماءِ کرام اس کی "اقسام" سے بالعموم قرآن مجید کی تنزیل ہی مراد لی جاتی ہے۔ حدیث و سنت کے باب میں ان تنزیلی طریقوں اور اقسام کی طرف خیال نہیں جاتا، چہ جائیکہ ان کا مطالعہ و تجزیہ کیا جائے۔ حالانکہ وحی کے لحاظ سے حدیث و سنت بھی تنزیلِ ربانی ہی ہے جیسا کہ شیخ الہند کے ایک مختصر تبصرے سے اندازہ بھی ہوتا ہے۔ کتبِ حدیث و سیرت کی روایات و احادیث سے قطعی طور سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث کی وحی کے لئے بھی یہی طریقے اختیار کئے گئے تھے۔ ان میں فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ متعدد احادیث اور ان پر مبنی احکام کی تنزیل و وحی کا پکا ثبوت اور پختہ علم ملتا ہے۔ دوسرے طرقِ وحی کے آثار و شواہد بھی پائے جاتے ہیں اگرچہ ان میں سے خاص "صلصلة الجرس" کے طریقے کی تعیین کرنی مشکل ہے کیونکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ادراک و اظہار پر مبنی ہے۔ البتہ اس کے بعض ظاہری علائم کی بنا پر گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسی پر مبنی تھی۔ ان ظاہری علائم میں نبوی پیشانی کا عرق آلود ہو جانا، ایک خاص کیفیتِ روحانی کا جسمِ نبوی پر طاری ہو جانا شامل ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض دوسری ظاہری علامات نشاندہی کر سکتی ہیں بالخصوص وحیِ حدیث کا وہ طریقہ جو وحیِ قرآنی کے مماثل و مشابہ ہو۔

اس تحقیقی مقالے کا مقصد یہی ہے کہ وحیِ حدیث کے مختلف طریقوں کا مطالعہ کیا جائے اور وحیِ قرآنی کے طریقوں سے ان کا موازنہ کیا جائے۔ ان سے اس حقیقتِ مسلمہ کے اِثبات و اظہار کے مزید شواہد ملیں گے جو قرآن و حدیث کو ایک ہی سرچشمہ کے دو دھاروں کی حیثیت سے اہلِ علم و ایمان کے سامنے پیش کریں گے اور ان سے ان کے ایمان و یقین اور علم و ادراک میں مزید پختگی آئے گی۔ بالواسطہ منکرینِ حدیث اور دشمنانِ علم و یقین کے اعتراضات اور شبہات کی تردید بھی ہو جائے گی حالانکہ اس کی اسلام و دین کو

ضرورت نہیں۔ البتہ قرآنی طریقِ مجادلہ کے مطابق ان کی ہفوات کا سدِ باب احسن طریق سے ہو جائے گا کہ اہلِ اسلام دفاعِ دین پر بھی مامور ہیں۔ اس مطالعہ حدیث کو مختلف طریقوں کے مطابق پیش کیا جارہا ہے اس لئے متعدد طرق کے لئے عناوین اور سرخیاں لگائی گئی ہیں تاکہ مطالعہ مدلل و مفصل رہے اور طرقِ وحیِ حدیث کی گوناگونی بھی نظر و قلب کے آئینے میں جھلکتی رہے۔

سب سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ وحیِ حدیث کی عینی شہادتیں جمع کر دی جائیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے: ایک یہ کہ نزولِ حدیث کی بیرونی شہادتیں اکٹھا ہو جائیں گی جو رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کا خارجی ثبوت فراہم کرتی ہیں اور ان شہادتوں میں اہلِ ایمان کے علاوہ اہلِ انکار کی شہادتیں بھی شامل ہیں جو استدلال کے نقطہ نظر سے زیادہ وقیع ہیں۔ دوسرے نزولِ حدیث کے متعدد طُرق اور ذرائع کا ثبوت اپنوں اور غیروں کی گواہیوں سے بھی ملتا ہے۔

وحیِ حدیث کی عینی شہادتیں

وحیِ قرآنی ہو یا وحیِ حدیثی، رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہوتی تھی اس لحاظ سے وہ آپ ﷺ کا ذاتی تجربہ اور شخصی ادراک تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ صادق و مصدوق تھے اور آپ ﷺ کی صداقت پر سب کو حتی کہ دشمنوں کو بھی ایمان و ایقان تھا۔ لہذا آپ ﷺ جب اظہار فرماتے کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی، یا فرشتہ وحی لے کر آیا یا وحی کے نزول کے یہ طریقے تھے تو سب بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے۔ آپ ﷺ کے بیان کی صداقت معاصرین کو شہادت دینے پر مجبور کر دیتی اور اس طرح حدیثِ نبوی کے سبب وحی ایک واقعہ بن جاتا اور یہ واقعہ اور حقیقت بہر حال صاحبِ وحی کے ادراک، اظہار اور اعلان پر ہی مبنی ہوتی تھی۔ اہلِ بصارت و بصیرت کے اپنے ادراک پر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وحی جیسے خفیہ طریقِ پیغام رسانی کو عوامی واقعہ، حاضرین و مشاہدین کی عینی شہادت بنانے کا فیصلہ بھی فرمایا۔ حیاتِ نبوی کے طویل تیئیس برسوں کو محیط زمانے میں وحی کا ارسال دیکھنے والی آنکھوں کے سامنے بھی فرمایا تاکہ کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔ وہ صرف بیانِ نبوی کی تصدیق و تائید تک محدود نہ رہ جائے بلکہ مشاہدین و حاضرین کے اپنے ذاتی تجربہ اور شخصی ادراک کا حصہ بھی بن جائے۔ حکمتِ الٰہی میں یہ بھی نکتہ موجود تھا کہ صرف اہلِ ایمان اس کے نزول کا مشاہدہ نہ کریں بلکہ اہلِ انکار بھی اس کے شاہد و گواہ بن جائیں۔ اس لئے متعدد مواقع پر وحی کا نزول سب کے سامنے، لوگوں کی موجودگی میں، گواہوں کے آگے بھی ہوا اور سب نے اس کی گواہی بھی دی۔

صحابہ کرام کا تجربہ بہت وسیع تھا بالخصوص سابقینِ اولین کا کہ وہ شروع سے وحی کے نزول کا واقعہ دیکھتے آرہے تھے۔ ابتدائی مکی دور کے مشاہد صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ متعدد آیات اور سورتوں کے نزول کے گواہ و شاہد رہے تھے۔ سورۂ مرسلات کو مثلاً انھوں نے منیٰ کے ایک غار میں رسولِ اکرم ﷺ پر اترتے، نازل ہوتے ہوئے بچشمِ خود ملاحظہ فرمایا تھا۔ امام بخاری کی روایت کا متن ہے: ۱۸۳۰: عن عبدالله: بينما نحن مع النبی ﷺ فی غار منیٰ اذ نزل عليه "والمرسلات"، وانه ليتلوها وانی لاتلقاها من فيه، وان فاه لرطب بها...... (كتاب جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب؛ فتح الباری ۴/۴۶، نیز اطرافِ حدیث ۳۳۱۷، ۴۹۳۰، ۴۹۳۱، ۴۹۳۴ و متعلقہ مجلدات و صفحات فتح الباری)۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی توقیت نہیں کی ہے مگر حافظ ابن سید الناس نے اسے مکی واقعہ قرار دے کر حضرت ابن مسعود ہذلیؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ سے جوڑ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ سورۂ مرسلات مکی سورہ ہے۔ "......قال فاتيت النبی ﷺ فبينا نحن عنده على حراء اذ نزلت عليه سورة المرسلات فاخذتها وانها لرطبة بفيه وان فاه لرطب بها" (عیون الاثر ۱/۱۳۰)

مکی صحابہ کرام میں دوسرے اہم ترین بزرگ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ وہ

فرماتے ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ سنی جاتی تھی:......سمعت عمر بن الخطاب یقول: کان اذا نزل علی رسول اللہ ﷺ الوحی یسمع عند وجه کدوی النحل......(ابن کثیر، البدایة ۳/۲۱)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے شارحینِ حدیث نے اسی طریقِ تنزیل پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ "صلصلة الجرس" کے مماثل تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کو گھنٹی کی جھنکار سنائی دیتی تھی جبکہ دوسرے حاضرینِ کرام کو شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ۔ ان دونوں میں کوئی فرق و تصادم نہیں۔ ایک ادراکِ نبوی کا ماجرا ہے اور دوسرا شاہدین و ناظرین کے شعور و سماعت کا۔

مدنی صحابہ کرام میں بھی متعدد حضرات و خواتین وحی کے نزول کے شاہد، گواہ، ناظر، واقف اور ادراک کرنے والے تھے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہؓ ایک اہم صحابی ہیں اور ان کا ایک بیان امام مسلم نے بطور اصولِ نزولِ وحی اپنی ایک حدیث میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام پر وحی آنے کا معاملہ مخفی نہیں رہتا تھا، جب بھی آپ ﷺ پر وحی ہماری موجودگی میں نازل ہوتی ہم جان جاتے تھے اور اس کے نزول کی شدت اور اہمیت اتنی ہوتی تھی کہ ہم رسولِ اکرم ﷺ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتے تھے تا آنکہ نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا: "قال ابو هريرة: وجاء الوحی، وكان اذا جاء الوحی لا يخفی علينا، فاذا جاء فليس احد يرفع طرفه الی رسول اللہ ﷺ حتی ينقضی الوحی......" (مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب فتح مكة، حدیث: ۱۷۸۰؛ نووی، المنهاج، ۱۲/۳۶۶ و مابعد؛ نیز کتاب الفضائل، باب الوحی واحواله [۸۸] (۲۳۳۴) نیز مابعد، نووی، ۵/ ۴۸۰-۴۸۱)۔ حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ کی بیان کردہ اس حدیث میں وحی کا نزول اور اس کا طریقہ اور کیفیت بیان کی گئی ہے جس کا تعلق قرآنی وحی کے طریقہ سے ہے اور اس کا مفصل ذکر اس کے اپنے مقام پر کیا گیا ہے۔

حضرت عبادہؓ بن صامت دوسرے مدنی صحابی ہیں جن کا مشاہدہ تھا کہ رسولِ

اکرم ﷺ پر وحی اترتی تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور شدید تکلیف کا احساس ہوتا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں جھپکاتے تھے اور یہ ہم جانتے تھے: **اذا نزل علیه کربه ذلك و تربد وجهه، وفی روایة وغمض عینیه، وکنا نعرف ذلك منه**" (ابن کثیر، البدایة ۳/۲۱)۔

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے وحی کی شدتِ نزول کے بارے میں ایک اہم تبصرہ کیا ہے جو دونوں قسم کی وحی پر صادق آتا ہے اور اس سے زیادہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر کی ظاہری علامات کی عکاسی کرتا ہے اور یہی ظاہری علامات تمام حاضرین وناظرین کو وقتِ نزول سے باخبر کرتی تھیں۔ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ کے قول ﴿**انا سنلقی علیك قولا ثقیلا**﴾ (آیت:۵) کی تشریح کے حوالے سے حافظ موصوف نے اور دوسرے علماءِ اسلام نے بھی لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس وحی آتی تو آپ کا روئے انور سرخ ہو جاتا اور آپ ﷺ پر ویسی ہی کپکپی طاری ہو جاتی تھی جیسی کسی نوزائیدہ یا نئے اونٹ کے بچے پر اور سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ ﷺ کی مبارک پیشانی سے پسینہ موتی بن کر پھوٹ نکلتا تھا:...... **ولهذا کان علیه الصلوٰة والسلام اذا جاء ہ الوحی یحمر وجهه ویغط کما یغط البکر من الابل، و یتفصد جبینه عرقا فی الیوم الشدید البرد**" (البدایة ۳/۷)۔ اس حدیث بلکہ بیانِ واقعہ کو مختلف ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں بھی نقل کیا ہے۔ ان میں کچھ کا ذکر تو اسی فصل میں کیا جاتا ہے اور کچھ کا ذکر قرآنی وحی کے مماثل وحیِ حدیث کی فصل میں ملے گا۔ یہاں صرف عینی شہادتوں کو جمع کرنے کے نقطہ نظر سے ان احادیث وروایات کو بیان کیا گیا ہے جن میں برسرِ عام نزولِ وحی کا ذکر ملتا ہے۔

ایک اور اہم مدنی صحابی اور اہم ترین کاتبِ نبوی حضرت زید بن ثابتؓ کا ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ صحیحین میں بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر نے شیخین کی روایت صحابی موصوف کی سند سے ہی بیان کی ہے کہ آیتِ کریمہ ﴿**لا یستوی القعدون من المؤمنین**﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابنِ امِ مکتومؓ نے اپنے نابینا ہونے کا عذر پیش کیا تو اسی

وقت آیتِ کریمہ میں توضیحی فقرے ﴿غیر اولی الضرر﴾ (النساء:۹۵) کا اضافہ نازل ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ اس وقت مجھ سے آیتِ کریمہ لکھوا رہے تھے اور آپ کے زانوئے مبارک کے نیچے یا متصل میری ران تھی کہ وحیِ زائد کا نزول ہوا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ ﷺ کا زانو میری ران توڑ کر رکھ دے گا:" وفی الصحیحین حدیث زید بن ثابت حین نزلت ﴿لا یستوی القٰعدون من المؤمنین﴾ فلما شکی ابن ام مکتوم ضرارته نزلت ﴿غیر اولی الضرر﴾ قال: وکانت فخذ رسول الله ﷺ علی فخذی وانا اکتب فلما نزل الوحی کادت فخذه ترض فخذی (ابن کثیر، البدایة ۳/۲۱؛ نیز بخاری، کتاب التفسیر، باب لا یستوی القٰعدون الخ، سورة النساء-۹۵؛ ۴۵۹۲:......ان زید بن ثابت اخبره ان رسول الله ﷺ املی علیه ﴿لا یستوی القٰعدون......﴾ فجاء ہ ابن ام مکتوم وهو یملّها علیّ. قال یا رسول الله ﷺ:والله لو استطیع الجهاد لجاهدت- وکان اعمی- فانزل الله علی رسوله ﷺ، وفخذه علی فخذی، فثقلت علیّ حتی خفت ان ترض فخذی، ثم سُرّی عنه فانزل الله ﴿غیر اولی الضرر﴾، فتح الباری ۸/ ۳۲۷-۳۳۱؛ متعدد احادیث: ۴۵۹۳-۴۵۹۵)

حافظ ابن حجر نے حضرت زید بن ثابتؓ کے تجربہ اور ادراک کی وضاحت بعض دوسری احادیث سے بھی کی ہے۔ ان میں مسلم کے علاوہ امام ترمذی، امام احمد بن حنبل، امام طبرانی، امام نسائی وغیرہ شامل ہیں۔ ایک اور صحابی حضرت براء بن عازبؓ واقعہ کے شاہد ضرور ہیں کہ حضرت زید بن ثابت کو وہی بلا کر آپ ﷺ کے پاس لائے تھے البتہ نزولِ وحی کا ان کا ادراک محض شہادتِ بصری کا تھا۔ حضرت زید کی شہادت دوہری ہے: ذاتی تجربہ کی بھی اور مشاہدہ کی بھی۔

ایک اور مشاہد حضرت فلتان بن عاصم کا بیان ہے کہ نابینا حضرت ابن ام مکتوم نے پہلے نزولِ آیت پر کہا کہ ہمارا کیا قصور ہے؟ اسی وقت نزولِ وحی شروع ہوا۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے، تو ان کو خوف ہوا کہ کہیں ان کے معاملے میں کوئی

وحی نہ آجائے تو انھوں نے توبہ کرنی شروع کی۔ تب نبی ﷺ نے کاتب سے نیا نازل شدہ حصہ لکھوایا۔ اس حدیث و قرآن کے نزول کے مشاہدین کی تعداد کافی زیادہ ہے اور ان کے راویوں کی تائیدی گواہی بھی کافی ہے۔

ایک نسبتاً غیر معروف صحابی حضرت علیان بن عاصمؓ کی روایت ہے کہ ہم خدمتِ نبوی میں موجود تھے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا اور جب بھی آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی آپ کی نگاہ جم جاتی اور آنکھیں کھلی رہ جاتیں اور آپ ﷺ کی سماعت اور قلب اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے والے پیغام کے لئے فارغ ہو جاتے: عن ...... العلیان بن عاصم، قال: کنا عند رسول اللهﷺ وانزل علیه، وکان اذا انزل علیه دام بصره وعیناه مفتوحة، وفرغ سمعه وقلبه لما یأتیه من الله عز وجل (ابن کثیر، البدایة ۳/۲۲)۔ غالباً یہ وہی صحابی ہیں جن کا ذکر حافظ ابن حجر نے فلتان بن عاصم کے نام سے کیا ہے، ان کے نام کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

صحابیہ حضرت اسماء بنت یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی عضباء کی نکیل پکڑے ہوئے تھی جب آپ ﷺ پر سورۂ مائدہ پوری کی پوری اتری اور اس کی شدتِ وحی سے اونٹنی کی پیٹھ ٹوٹی جا رہی تھی۔ یہ امام احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے: عن اسماء بنت یزید، قالت: انی لآخذة بزمام العضباء ناقة رسول اللهﷺ، اذ نزلت علیه المائدة کلها، وکادت من ثقلها تدق عضد الناقة۔ امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمیؓ سے اس کی توسیعی روایت یوں بیان کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر سورۂ مائدہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے اور وہ وحی کا تحمل نہ کر سکی تو آپ ﷺ اپنی سواری سے اتر گئے: "عن عبد الله بن عمرو قال: انزلت علی رسول اللهﷺ سورة المائدة، وهو راکب علی راحلته، فلم تستطع ان تحمله فنزل عنها......" (ابن کثیر، البدایة، ۳/۲۲)

صحیحین میں سورۂ فتح کے نزول کی روایات و احادیث نقل ہوئی ہیں کہ حدیبیہ سے

واپسی پر رسول اللہ ﷺ پر سورہ کا نزول ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنی سواری پر تھے تو حسبِ حال کبھی آپ ﷺ ادھر ہو جاتے اور کبھی ادھر، یعنی آپ پر شدتِ وحی کا اثر تھا "...... قد ثبت في الصحيحين نزول سورة الفتح على رسول الله ﷺ مرجعه من الحديبية، وهو على راحلته، فكان يكون تارة وتارة بحسب الحال" (ابن کثیر البدایۃ ۳/ ۲۲)۔ حافظ موصوف نے اپنی تفسیر میں صحابہ کی شہادتِ وحی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان میں مزید بیان کی ہے کہ صلحِ حدیبیہ کے سفر سے واپسی میں وحی کا نزول ہوا اور آپ ﷺ پر جب وحی آتی تھی تو سخت گراں ہوتی تھی اور جب وہ کیفیتِ شدت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے سورۂ فتح کے نزول کا ذکر فرمایا: "...... فبينا نسير اذ اتاه الوحي، وكان اذا اتاه الوحي، اشتد عليه، فلما سرى عنه اخبرنا انه انزل عليه ......" (تفسیر ۴/ ۴۸۳ ومابعد)

حدیثِ افک میں حضرت عائشہؓ کی عینی شہادت نقل کی گئی ہے۔ اس کی مختلف روایات و احادیث ملتی ہیں۔ صاحبانِ مغازی میں امام ابنِ اسحاق کی روایت قدیم ترین بھی ہے اور صحیح و معتبر بھی۔ اس میں حضرت عائشہ کا مشاہدہ اس طرح نقل ہوا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے اور ان کو اس واقعہ کے سلسلے میں تسلی و تشفی دے رہے تھے کہ اسی مجلس میں رسولِ اکرم ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر ایسے نزولِ وحی کے مواقع پر طاری ہوا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کو آپ کے لباس سے ڈھانک دیا گیا اور آپ ﷺ کے سرِ اقدس کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ رکھ دیا گیا...... پھر رسول اللہ ﷺ کی وہ کیفیت دور ہو گئی اور آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے موتی کی مانند پسینے کے قطرے بہہ رہے تھے حالانکہ وہ سخت سردی کا ایک دن تھا اور آپ ﷺ اپنے مبارک چہرے سے پسینہ پوچھنے لگے......

"......قالت: فوالله ما برح رسول الله ﷺ مجلسه حتى تغشاه من الله ما كان تغشاه، فسجي بثوبه و وضعت وسادة من ادم تحت رأسه......قالت: ثم سرى عن رسول الله ﷺ فجلس وانه ليتحدر من وجهه مثل الجمان في يوم

شات فجعل یمسح العرق عن وجهه......" (ابن کثیر، البدایۃ ۴/ ۱۶۲)

امام ابن اسحاق کی روایت وحدیثِ افک کو حافظ ابن کثیر نے نقل کرنے کے بعد یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیحین میں امام زہری سے مروی ہے لیکن اس روایت میں بہت سے فوائد (فوائد جمة) ہیں اور امام ابوداوٗد نے اپنی سنن میں بھی اس کو اپنی سند سے نقل کیا ہے۔ حافظ موصوف نے حدیث کی کتابوں سے روایاتِ واقعہ نہیں نقل کی ہیں جیسا کہ ان کا عام دستور ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ابن اسحاق کی حدیثِ افک کو کافی شافی سمجھتے ہیں اور اس کی تائید واثبات یا استناد کے لئے احادیثِ بخاری ومسلم ومحدثین نقل کرنا ضروری نہیں جانتے۔ بہر حال صحیح بخاری میں متعلقہ حدیث کا متن ہے: "فو الله ما رام رسول الله ﷺ مجلسه ولا خرج احد من اهل البيت حتى انزل عليه، فأخذه ما كان يأخذه من البرحاء، حتى انه ليتحدر منه العرق مثل الجمان—وهو فى يوم شات—من ثقل القول الذى انزل عليه، قالت: فسرى عن رسول الله وهو يضحك...... (بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافک؛ حدیث: ۴۱۴۱؛ فتح الباری ۷/ بالخصوص ۵۴۱، شرح ابن حجر، کتاب التفسیر، سورۃ النور ۸/ ۶۰۵ ومابعد)۔

امام مسلم نے سورۂ کوثر کی تنزیل کی دو احادیث حضرت انس بن مالکؓ کی سند سے مفصل اور مختصر نقل کی ہیں۔ ان دونوں میں رسول اکرم ﷺ پر نیند جیسی کیفیت طاری ہونے کا ذکر ہے اور اس سے زیادہ صحابہ کرام کے درمیان اس کے نزول اور ان کی عینی شہادت کا۔ آیاتِ کریمہ یا سورۂ مقدسہ کے ساتھ اس کی تفسیر بشکلِ حدیثِ نبوی بھی بیان کی گئی۔ اس میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ کوثر ایک نہر جنت ہے جس کا وعدہ اللہ عزوجل نے رسولِ اکرم ﷺ سے کیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہونے کا ذکر کرنے کے علاوہ یہ بھی ذکر ہے کہ وہی حوضِ نبوی بھی ہے اور اس سے امتِ محمدیہ کے ان گنت لوگوں کی پیاس بجھائی جائے گی سوائے بعد کے بدعتی لوگوں کے۔

[۵۳] (۴۰۰)......عن انس قال: رسول الله ﷺ ذات يوم بين اظهرنا اذ

اغفی اغفاء ة ثم رفع رأسه متبسما فقلنا:ما اضحکک یا رسول الله؟قال: انزلت علی آنفا سورة،فقرأ:﴿بسم الله الرحمن الرحیم،انا اعطینك الکوثر فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر﴾ ثم قال: أ تدرون ما الکوثر؟ فقلنا: الله و رسوله اعلم.قال:فانه نهر وعدنیه ربی عزوجل ، علیه خیر کثیر ، هو حوض ترد علیه امتی یوم القیامة،آنیة عدد النجوم فیختلج العبد منهم فاقول: رب، انه من امتی،فیقول:ما تدری ما احدثت بعدك......(مسلم، کتاب الصلاة،باب البسملة آیة من کل سورة سوی براء ة،نووی،المنهاج ۲/۸۵-۸۷)۔حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری میں سورۂ کوثر سے متعلق احادیث پر بحث کرتے ہوئے صحیح مسلم کی اس روایت کو بھی نقل کیا ہے اور مختصر بحث بھی کی ہے(کتاب التفسیر،سورة الکوثر،۸/۹۳۶)۔

حضرت ابنِ عباسؓ نزولِ وحی کی کیفیت اور صحابہ کرام کی آنکھوں دیکھی رویت و روایت کو ایک اور حدیث میں بیان کرتے ہیں جو امام مسلم نے نقل کی ہے۔اتفاق سے یہ روایت حضرت عائشہؓ اور حضرت ابنِ عباس کی مشترکہ سند سے بیان کی گئی اور ظاہر ہے کہ ان دونوں صحابی راویوں نے الگ الگ بیان کی تھی۔ان کے مطابق جب رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی ہوتا تو آپ ﷺ اپنی چادر یا کپڑے کو اپنے چہرۂ انور پر ڈالنے لگتے تھے اور جب نزول پورا ہو جاتا تو چہرہ کھول لیا کرتے تھے۔ایک بار یہی کیفیت طاری ہوئی اور اسی حال میں آپ ﷺ نے فرمایا:"اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے،انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا"،آپ ﷺ اس بیان سے ان جیسی حرکت کرنے سے احتراز کرنے کی تاکید فرماتے تھے تاکہ مسلمان بھی سابق قوموں کی مانند قبروں کی پوجا نہ کرنے لگیں۔

[۲۲](۵۳۱)......ان عائشة وعبدالله بن عباس قالا: لما نزلت برسول الله ﷺ طفق یطرح خمیصة له علی وجهه،فاذا اغتم کشفها عن وجهه، فقال وهو کذلك:"لعنة الله علی الیهود والنصاریٰ، اتخذوا قبور انبیائهم مساجد "، یحذّر مثل ما صنعوا.(مسلم ،کتاب المساجد و مواضع الصلاة،باب النهی عن اتخاذ

القبور مساجد؛نووی، ۲/ ۱۸۴-۱۸۵)۔

عام وحیِ حدیث اور وحیِ قرآن سے متعلق صحابہ کرام کی شہادتوں کا معاملہ ایک واقعہ تو ہے ہی، روایات تواتر کی حد تک پہونچی ہیں۔ قرآن مجید سے متعلق وحیِ حدیث کا رشتہ اور بھی مستحکم و عزیز نظر آتا ہے۔اس میں مرکزی نکتہ یہ ہے کہ وحی کا تعلق آیاتِ قرآنی سے نہیں، بلکہ ان کے فضائل اور ان کے زندگی پر اثراتِ غیبی سے ہے۔ان میں امتِ اسلامی کی سہولت اور عوام مسلمین کی رعائت بھی مقصود ہے کیونکہ پورے قرآن مجید کی قراءت و تلاوت تو خواص پر بھاری ہے لہذا اس کی فیضابی محدود سے محدود تر ہو جاتی ہے۔ بہر حال وہ خاص فضلِ الٰہی ہے۔ لیکن اللہ رب العالمین تو رحمتِ عام اور فضلِ عوام ہے، وہ اپنے اکثر بندوں کو فضل وانعام سے کیسے محروم کر سکتا ہے لہذا وہ سہولیات عطا فرماتا ہے۔

اسی مقصودِ الٰہی کے مطابق بعض آیاتِ کریمہ کو اسمِ اعظم اور عظیم ترین کہا گیا تو بعض مختصر سورتوں کو قرآن مجید کا عطر اور ثلث قرار دیا گیا۔ سورۂ اخلاص کو ایک تہائی قرآن مجید ثابت کیا گیا اور اسے وحیِ حدیث کے ذریعہ بتایا گیا تاکہ بندوں کو اپنے ربِ کریم کی رحمتِ خاص پر ایقان مزید ہو، ایسے اعلانات کو بر سر عام پیش کیا گیا۔ان میں سے ایک سورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن قرار دینے کا اعلانِ نبوی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تیار ہو جاؤ میں عنقریب تمہارے سامنے ایک تہائی قرآن پڑھنے والا ہوں۔ تیار ہونے والے کمر کس کر بیٹھ گئے۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ گھر سے تشریف لائے اور ﴿قل هو الله احد﴾ کی تلاوت کی اور پھر گھر کے اندر چلے گئے۔ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ میرے خیال میں یہ خبر آپ ﷺ کے پاس آسمان سے آئی ہے جس نے آپ ﷺ کو گھر کے اندر داخل ہونے مجبور کر دیا۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم پر ایک تہائی قرآن پڑھوں گا، جان لو کہ یہ سورۂ اخلاص ثلثِ قرآن ہے۔امام مسلم کا متنِ حدیث ہے: [۲۶۱]

(۸۱۲)۔۔۔۔۔عن ابی هريرة قال: قال رسول اللهﷺ: احشدوا فانی ساقرأ عليكم ثلث

القرآن فحشد من حشد، ثم خرج نبی ﷺ فقرأ ﴿قل هو الله احد﴾ ثم دخل فقال بعضنا لبعض: انی اری هذا خبر جاءه من السماء فذاك الذی ادخله، ثم خرج نبی الله ﷺ فقال: انی قلت لکم: ساقرأ علیکم ثلث القرآن، الا انها تعدل ثلث القرآن (نیز [۲۶۲])

شارحینِ حدیث نے اس کے ثُلثِ قرآن ہونے کے معانی و مفاہیم سے بحث کی ہے۔ ایک عملی تفسیر یہ ہے کہ اس کی تلاوت کرنے سے ایک تہائی قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ امام مازری (محمد بن علی بن عمر التمیمی، ۴۵۳-۵۳۶/ ۱۰۶۱-۱۱۴۱) کے مطابق قرآن مجید کے علوم سہ گانہ ہیں: قصے، احکام اور صفاتِ الٰہی اور سورۂ اخلاص صفاتِ الٰہی پر مشتمل ہے۔ اس لئے ایک ثُلثِ قرآن کے برابر ہے۔ امامانِ حدیث نے اس کی فضیلت کے بیان میں اور دوسری احادیث بھی نقل کی ہیں۔ لیکن اصل نکتہ بحث یہ ہے کہ وحیِ الٰہی نے سورۂ اخلاص کو ثُلثِ قرآن کے برابر قرار دیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بیان فرمایا اور صحابہ کرام نے وحیِ آسمانی کو اپنی فہم سے سمجھا۔

روح کا مسئلہ مشکل ہی نہیں انسانی عقل و فہم کے پرے ہے۔ انسان اس کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ محض اندازے پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ دشمنانِ حق بالخصوص یہود و نصاریٰ اس سے پوری طرح واقف تھے اس لئے وہ رسول اکرم ﷺ کا امتحان لینے کے لئے اسی قسم کے سوالات کیا کرتے تھے مگر ان کا مقصد قبول و شہادتِ حق نہیں تھا، بلکہ صرف شک و شبہ پیدا کرنا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایک خرابے یا زرعی علاقے میں تھے کہ یہودیوں کے ایک گروہ پر آپ ﷺ کا گذر ہوا۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ سے سوال کرو اور سوال بھی روح کی بابت کرو۔ بعض نے آپس میں کہا کہ بہتر ہے کہ نہ پوچھا جائے ورنہ آپ ایسی بات کریں گے جو تم کو پسند نہ آئے گی۔ بہر حال ان میں سے کسی نے روح کی بابت سوال کر ہی لیا۔ رسولِ اکرم ﷺ خاموش رہے اور جواب نہیں دیا۔ راوی صادق کا بیان ہے کہ میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے لہذا

میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی ﴿ویسئلونک عن الروح،قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا﴾ (بخاری، کتاب العلم، باب وما اوتیتم من العلم الاقلیلا، حدیث:۱۲۵نیز اطراف متعددہ، فتح الباری، ۱/۲۹۵-۲۹۶ ومابعد؛ مسلم، کتاب صفات المنافقین و احکامھم، باب یسألونک عن الروح[۳۲] (۲۷۹۴) نیز مابعد؛ نووی، ۶/۲۷۷-۲۷۸)

عن عبدالله قال: بینما انا امشی مع النبی ﷺ فی حرث، وھو متکئی علی عسیب اذ مر بنفر من الیھود، فقال بعضھم لبعض: سلوہ عن الروح؟ فقالوا: ما رابکم الیه لا یستقبلکم بشئی تکرھونه، فقالوا: سلوہ، فقام الیه بعضھم فسأله عن الروح؟ قال: فاسکت النبی ﷺ، فلم یرد علیه شیئا. فعلمت انه یوحیٰ الیه. قال: فقمت مکانی، فلما نزل الوحی قال ﴿ ویسئلونک عن الروح...... الخ﴾

شیخین کی اس روایت میں بعض فرق پائے جاتے ہیں۔ متنی اختلافات سے زیادہ اہم چیز اس کی مکانی / زمانی توقیت کا معاملہ ہے۔ سورۂ کریمہ مکی ہے مگر روایت و حدیث میں بالخصوص جہاں لفظ حرث/زرع آیا ہے اس سے اور یہود کے ایک گروہ کے سوال کرنے کے سبب بالعموم سمجھا جاتا ہے کہ وہ مدنی واقعہ ہے۔ بعض روایات میں بطور موقعِ حدیث مدینہ کا واضح نام مذکور ہے۔ بہر حال اس پر علمائے حدیث نے بہت وقیع اور مفصل کلام کیا ہے۔ وحیِ حدیث کے لحاظ سے بہر حال یہ ایک اور عینی شہادت ہے جو صحابہ کرام کے ایک جلیل القدر فرد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خود ملاحظہ کی تھی۔ تطبیق دینے والوں نے یوں تطبیق بھی دی کہ جس حدیث میں اس واقعہ کے ایک خرابے میں رونما ہونے کا ذکر ہے وہ مکی واقعہ ہے اور زرعی علاقے میں یہی واقعہ دوبارہ مدینہ میں پیش آیا۔ گویا کہ رسولِ اکرم ﷺ سے روح کے بارے میں دو بار سوال کیا گیا اور آپ ﷺ نے دونوں بار جواب وحی کے نزول کے بعد دیا جس کا مشاہدہ صحابہ کرام کے علاوہ دشمنوں کو بھی ہوا۔ ابن اسحاق / ابن ہشام وغیرہ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ اکابرِ قریش نے رسولِ اکرم ﷺ کا امتحان لینے کی خاطر یثرب / مدینہ کے

علمائے یہود سے جو مشکل سوالات معلوم کئے تھے ان میں سے ایک روح کے بارے میں بھی تھا۔ سورۂ اسراء کی متعلقہ آیتِ کریمہ اسی موقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ مدینہ میں آپ نے اسی مکی آیت کو وحی کی ہدایت کے مطابق دوبارہ پڑھا تھا۔

عام روایاتِ سیرت میں ہے کہ سورۂ لہب کے نزول کے بعد ابو لہب ہاشمی کی بیوی ام جمیل اموی مسجدِ حرام میں رسولِ اکرم ﷺ کی طرف چڑھ دوڑی۔ اس وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تھے مگر وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکی حالانکہ سامنے تشریف فرماتھے۔ اس نے حضرت ابو بکرؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا کہ کہاں ہیں اور انھوں نے میری ہجو کیوں کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ تو شعر نہیں کہتے اور وہ ان کو سچا جان کر لوٹ گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حیرت ہوئی کہ وہ آپ ﷺ کو سامنے پاکر بھی نہ دیکھ سکی۔ حافظ ابن سید الناس کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ نے برابر مجھے اپنے پروں سے چھپائے رکھا۔ ام جمیل کو اس پر حیرت تھی (......قال: لم یزل ملك یسترنی منها بجناحه......عیون الاثر ۱/۱۳۶)

مشرکین کی شہادتِ وحی

حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت اور وحی کے نزول کی کیفیت کا عینی مشاہدہ مسلمانوں کے علاوہ مشرکین کو بھی ہوتا رہا اور یہ کوئی ایک دو افراد کا واقعہ نہیں ہے بلکہ متعدد اکابرِ قریش اور افرادِ عرب کو وقتاً فوقتاً ان کی رویت و مشاہدے کے تجربے ہوتے رہے تھے۔ مکی دور میں ابو جہل مخزومی جیسے عظیم ترین دشمن کو اس کی عداوتِ رسول اللہ ﷺ کے سبب اور دشمنی اسلام کی بنا پر بھی کئی بار اس کا تلخ تجربہ ہوا۔ حافظ ابن سید الناس نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ ایک بار بالکل ابتدائی مکی عہد میں ابو جہل نے رسولِ

اکرم ﷺ کو زک پہونچانے کا ارادہ کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے سورۂ اقراء کی تلاوت فرمائی اور جب ان آیاتِ کریمہ تک پہونچے جن میں ابو جہل کی حالت کا ذکر تھا تو کسی "انسان" نے ابو جہل سے کہا: "اے ابوالحکم، یہ محمد ہیں (ﷺ)۔ ابو جہل نے لوگوں سے کہا: "کیا تم بھی وہی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم اس نے افقِ آسمان کو ڈھانپ رکھا ہے (......فقال انسان لابی جهل: یا ابا الحکم! هذا محمد. فقال ابو جهل: الا ترون ما اریٰ، والله لقد سدّ افق السماء علیّ...... عیون الاثر ۱/۱۳۵ نیز ۱۴۰؛ ابن کثیر، البدایۃ ۳/۴۳ بحوالہ بیہقی)۔ امام طبری کی ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ ابو جہل مخزومی نے ایک تجربہ یہ بھی بیان کیا تھا کہ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان "فوجیں" حائل ہو گئی تھیں۔ یہ افقِ آسمان کو چھا جانے کا اشارہ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف تھا جیسا کہ بعد میں متعدد احادیثِ نبوی میں ذکر آتا ہے اور فوجیں چھا جانے کا اشارہ صاف ملائکہ کی طرف ہے: قد اسود ما بینی و بینه من الکتائب (ابن کثیر، البدایۃ ۳/۴۴)

امام بخاری کی حدیث میں الفاظِ نبوی ہیں کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اسے ملائکہ پکڑ لیتے: "لوفعله لاخذته الملائکة"۔ حافظ ابن حجر نے اپنی تشریح میں بلاذری کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق مقامِ زبانیہ سے بارہ فرشتے نازل ہوئے جن کے سر آسمان میں تھے اور پیر زمین میں: "نزل اثنا عشر ملکا من الزبانية رؤوسهم فی السماء وارجلهم فی الارض"۔ اس میں امام نسائی وغیرہ کی روایات کا بھی ذکر ہے (فتح الباری ۸/۹۲۵)

فرعونِ امت ابو جہل کا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے ایک رات مجلس میں اعلان کیا کہ وہ کل محمد ﷺ کا سرِ اقدس پتھر سے کچل دے گا۔ اس ارادہ سے وہ دوسری صبح ایک پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ حسبِ معمول مسجدِ حرام میں آئے اور آپ ﷺ نے سجدہ کیا ہی تھا کہ ابو جہل پتھر لے کر آگے بڑھا اور قریب پہونچا ہی تھا کہ تیز رفتاری سے پیچھے ہٹا

اور اس کے چہرہ کا رنگ فق تھا اور اس پر رعب وخوف کی ایک کیفیت واضح طور سے طاری نظر آرہی تھی اور اسی حالتِ غیر میں اس کے ہاتھ سے پتھر گر پڑا۔ اکابرِ قریش نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو اس نے بیان کیا کہ جیسے ہی میں آپ ﷺ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ کے سامنے ایک زبردست اونٹ نظر آیا، میں نے اس کے جیسا سر نہیں دیکھا اور نہ اس کے جیسا جبڑا اور دانت، اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ مجھے کھا جائے گا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی تعبیر فرمائی کہ وہ حضرت جبریل تھے، اور اگر ابو جہل اور آگے بڑھتا تو وہ اسے پکڑ لیتے یا کھا جاتے: "......فذکرلی ان رسول اللہ ﷺ قال: ذلک جبریل، لو دنا، لاخذہ......"

(عیون الاثر ۱/ ۱۴۲؛ ابن کثیر، البدایۃ ۳/ ۴۳ بحوالہ ابن اسحاق)

اسی دشمنِ اسلام کا ایک اور تجربہ روایاتِ سیرت میں نقل کیا گیا ہے اور اس کا تعلق بھی حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت سے ہے۔ ایک اراشی تاجر سے ابو جہل مخزومی نے ایک اونٹ مع ساز وسامان خریدا مگر اس کی قیمت نہیں ادا کی۔ اکابرِ قریش نے اراشی کو مشورہ دیا کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ سے درخواست کرے کہ وہ اس کی رقم اس سردارِ مکہ سے دلوادیں۔ اس وقت آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ بہر حال آپ ﷺ فوراً ابو جہل مخزومی کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی، دشمنِ ایمان و آگہی باہر آیا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے اور رنگ متغیر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس اراشی کا حق ادا کردو اور اس نے اسی وقت اس کی رقم ادا کردی۔ اراشی تاجر نے آکر اکابرِ قریش سے سارا ماجرا بیان کیا۔ ابو جہل مخزومی کچھ دیر بعد مجلسِ قریش میں پہونچا تو لوگوں نے سبب پوچھا۔ اس نے بیان کیا کہ جیسے ہی میں نے آپ ﷺ کی آواز سنی میرے دل میں رعب بھر گیا اور دروازے کے باہر آیا تو آپ ﷺ کے سر اقدس کے اوپر ایک بھیانک اونٹ دیکھا جس کے مثل میں نے نہ دیکھا تھا۔ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔ "......ثم خرجت الیہ، وان فوق راسہ لفحلا من الابل ما رأیت مثل ھامتہ ولا قصرتہ ولا انیابہ لفحل قط، واللہ لو ابیت لاکلنی......" (ابن سید الناس، عیون الاثر ۱/ ۱۴۶-۱۴۷؛

ابن کثیر، البدایۃ ۳/۴۵: قصۃ الاراشی)

حافظ ابن سید الناس نے امام واقدی کی ایک روایت حضرت یزید بن رومان کی سند پر ایک تجارتی معاملہ سے متعلق نقل کی ہے جو کافی طویل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجدِ حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک زبیدی تاجر نے آکر شکایت کی کہ ایک شخص نے اس پر ظلم کر کے اس کے اونٹ لے لئے۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کے اونٹ کہاں ہیں؟ زبیدی تاجر نے بتایا کہ وہ حزورہ نامی منڈی میں موجود ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس زبیدی تاجر سے ان اونٹوں کا سودا کر لیا اور قیمت ادا کر دی۔ ابو جہل مخزومی، جس نے پہلے سودا کیا تھا، بازار کے کونے میں بیٹھا دیکھتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ رسولِ اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر اس نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو اسے خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ابو جہل بار بار کہتا رہا: اے محمد، میں دوبارہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ رسول اکرم ﷺ کے واپس چلے جانے کے بعد امیہ بن خلف اور دوسرے اکابرِ قریش ابو جہل پر چڑھ دوڑے کہ تم نے محمد ﷺ کے ہاتھوں ذلیل کرادیا۔ لگتا ہے کہ تم کو آپ ﷺ نے مرعوب کر دیا ہے، ورنہ ابھی جاؤ اور سودا منسوخ کر ڈالو۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز ان کے پیچھے نہ جاؤں گا۔ تم لوگوں نے میرا جو رویہ دیکھا دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے دائیں بائیں کچھ مردانِ کار دیکھے جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور وہ ان کو خطرناک طریقے سے چلا رہے تھے اور مجھے دھمکا رہے تھے کہ اگر میں نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو وہ ان نیزوں سے میری سرکوبی کر دیں گے: "...... ان الذی رأیتم منی لما رأیت معه لقد رأیت رجالا عن یمینه وشماله، معهم رماح یشرعونها الیّ لو خالفته، لکانت ایاها، ای لاتوا علی نفسی......" (عیون الاثر ۱/۱۴۷)

ابو جہل مخزومی کی "شہاداتِ وحی" کی تعداد روایات میں بہت زیادہ ملتی ہیں اور ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کی مختلف تعبیرات ہوں۔ وہ مختلف مواقع پر اس کے

اپنے شخصی اور سماجی تجربات بھی تھے کیونکہ اس کی عداوتِ نبوی کسی حد کی پابند نہیں تھی۔ وہ اسلام کی عدوات اور رسولِ اکرم ﷺ کی دشمنی میں ہر حد پار کر چکا تھا اور بار بار رسولِ اکرم ﷺ کو زک دینا چاہتا تھا اور ہر بار اس کو ناکامی، خفت، ذلت، پسپائی، شرمساری، پشیمانی اٹھانی پڑتی تھی لیکن وہ کسی طرح باز نہیں آتا تھا اور نہ مانتا تھا۔ اسی لئے وہ بار بار یہ حرکتیں کرتا تھا اور بار بار اسے فرشتوں یا غیبی چیزوں کی طرف سے سرزنش، دھمکی اور ٹھوکریں ملتی تھیں۔

خانہ کعبہ کے پاس رسولِ اکرم ﷺ کے نماز پڑھنے کا معمول روزانہ کا تھا، بلکہ بعد میں تو ایک دن میں مختلف اوقات کا تھا۔ دشمنِ اسلام کو رسولِ اکرم ﷺ سے ایسی کد تھی کہ وہ ہر بار آپ ﷺ کو اذیت دینے کی ٹھان لیتا اور ہر ناکامی اسے اور آمادۂ شر کرتی، اس لئے روایات واحادیث میں اس کے مختلف عینی تجربات حاصل کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ مذکورہ بالا کے علاوہ بعض دوسری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے:

ا- ایک بار اس نے رسولِ اکرم ﷺ کی گردن دبانے کا ارادہ کیا تو ایڑیوں کے بل پیچھے پلٹا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرتا جاتا تھا۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک آگ کی خندق اور بھیانک منظر اور بہت سے پر نظر آئے: "قال :ان بینی وبینہ خندقا من نار وھولا واجنحۃ"۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تعبیر فرمائی کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو ملائکہ اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے (ابن کثیر، البدایۃ ۳/۴۴)۔ امام مسلم کی حدیثِ حضرت ابوہریرہ میں اس کی کافی تفصیل ملتی ہے اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وحیِ حدیث سے متعلق کلماتِ ابوجہل لفظ و معنی میں حافظ ابنِ کثیر کی روایت سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں: فقال:"ان بینی وبینہ لخندقا من نار، وھولا، واجنحۃ"۔ رسولِ اکرم ﷺ کے تعبیری الفاظ ہیں:"لو دنا منی لاختطفتہ الملائکۃ عضوا عضوا"۔ امام مسلم نے اس کے بعد لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد سورۂ اقراء کی آخری آیاتِ کریمہ ﴿کلا ان الانسان لیطغی...... الخ﴾ نازل فرمائیں۔ معلوم نہیں کہ وہ ابوہریرہؓ کی حدیث کا حصہ ہیں یا ان کو کسی دوسرے ذریعہ سے خبر پہونچی (مسلم، کتاب

صفات المنافقین واحکامھم،باب "ان الانسان لیطغی......" [۳۸](۲۷۹۷)؛ نووی، ۶/ ۲۸۰-۲۸۱؛فتح الباری، ۸/۹۲۵)۔امام نووی نے اپنی تشریح میں اختصار کے باوجود ایک اہم بات یہ کہی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی شیاطینِ قریش سے حفاظتِ الٰہی کے متعلق بہت سی احادیث ملتی ہیں:"ولھذا الحدیث امثلة کثیرة فی عصمته ﷺ من ابی جھل وغیرہ ممن اراد به ضرراً".

مادی اشیاء کے ذریعہ وحی

آغازِ نبوت کے زمانے سے متعلق تمام کتبِ حدیث وسیرت میں روایات ملتی ہیں کہ شجر وحجر آپ ﷺ کو سلام کیا کرتے تھے اور نہ صرف وہ تسلیم کے خوگر وعادی تھے بلکہ اپنی تسلیم وسلام میں آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق وشہادت بھی سمودیتے تھے۔ روایات واحادیث کا دروبست بتاتا ہے کہ "السلام علیك یا رسول الله" میں محض معجزاتی عنصر کا اظہار مقصود نہیں تھا اور نہ ہی جمادات ونباتات کا سلام کرنا بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق کرنا مقصود اور آپ ﷺ کو اپنی نبوت کا یقین دلانا مطلوب تھا (ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/۳۵۹-۳۶۲: معجزات نبوی پر ایک خاص فصل بعنوان:ذکر نبذة من معجزاته علیه السلام؛نیز ابن ہشام، ۱/۲۳۴-۲۳۵)

اللہ رب العزت اور ملائکہ کی آسمانی شہادت کو کائنات میں نباتات وجمادات کی گواہی کے ساتھ نبوتِ محمدی کو آفاقی وکائناتی بنانا مقصود تھا۔ان مادی اشیاء کی شہادتوں کی تصدیق کلامِ نبوت سے کی گئی اور وہ حدیث کا درجہ اختیار کر گئی۔وحیِ حدیث کا ایک اور طریقہ دریافت ہوا اور وہ کوئی خوش اعتقادی یا مذہبی عقیدت کی دین نہیں، قرآن مجید میں کلامِ الٰہی کا بیان ہے، وہی بیان جس کے مطابق انسان کے جوارح واعضاء کلام کرتے ہیں اور کائنات کی دوسری مادی چیزیں گواہی دیتی ہیں۔بقولِ الٰہی ان کی گواہی کو سمجھنے کے لئے عقل کی دراکی اور جذبہ کی فراوانی چاہئے جو انسان ذرا کم رکھتا ہے۔امام سہیلی نے شجر وحجر کے

سلام کرنے پر عمدہ بحث کی ہے جو مرتبین سیرتِ ابن ہشام نے اپنے حاشیہ میں نقل کر دی ہے۔اس کا ماحصل یہی ہے کہ کلام کرنا جوہر نہیں، عرض ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مادی اشیاء کی تصدیقِ رسالت اور ان کے واقعات کے ذریعہ وحیِ حدیث کی مثالیں بہت سی ہیں۔ان میں سے ایک بہت مشہور واقعہ غزوۂ خیبر کے زمانے سے متعلق ہے۔فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ پیش کیا۔بعض روایات کے مطابق وہ حضرت صفیہ بنت حی نضریؓ کی رسولِ اکرم ﷺ سے شادی کی خوشی میں دلہن کے گھر میں لایا گیا تھا۔رسولِ اکرم ﷺ اپنے بعض صحابہ کرام بالخصوص حضرت بشر بن البراء خزرجیؓ کے ساتھ گھر تشریف لائے تو ہدیہ لایا گیا اور آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ تناول کرنا شروع کیا ہی تھا کہ ہاتھ روک لیا اور صحابہ کو بھی کھانے سے منع کیا کہ بکری زہر آلود ہے۔یہودی عورت کو بلایا گیا اور اس کی حرکت کا سبب پوچھا گیا۔اس نے برملا کہا کہ ہمارا ارادہ تھا کہ اگر آپ ﷺ جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ) تو ہم سب کو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو آپ کو کوئی بھی گزند نہ پہونچے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے مطلع کر دے گا (ان کنت نبیا فان اللہ سیطلعك علیه)۔یہودیہ کو "خبر کے ذریعہ" کی کھوج ہوئی اور اس نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو بتایا کس نے؟ فرمایا: میرے ہاتھ میں جو یہ دست ہے اس نے مجھے خبر دی اخبرتنی هذه التی فی یدی وهی الذراع۔رسولِ اکرم ﷺ کو خبر کرنے والی شئے اور کوئی دوسری نہ تھی، وہی مسموم اور زہر آلود گوشت تھا جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں تھا۔روایات میں اس "ذریعہ اخبار" کی بعض اور تعبیرات بھی ملتی ہیں: "یہ ہڈی جو بکری کے دست کے ساتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی:"هذا العظم"لساقها وهو فی یده"۔آپ ﷺ نے شریکِ طعام صحابہ سے کہا کہ اپنے ہاتھ روک لیں کیونکہ اس بکری کی دست مجھے بتا رہی ہے کہ اس میں میرا سامانِ موت موجود ہے:"فقال رسول اللہ ﷺ: ارفعوا ایدیکم، فان کتف هذه

الشاۃ یخبرنی انی نعیت فیھا"۔ یہ ہڈی مجھے باخبر کر رہی ہے کہ وہ زہر آلود کر دی گئی ہے: "ان ھذا العظم یخبرنی انہ مسموم"۔ لوگو! رک جاؤ کیونکہ اس کے اعضاء میں سے ایک عضو مجھے بتا رہا ہے کہ وہ زہر آلود ہے: امسکوا، فان عضوا من اعضائھا یخبرنی انھا مسمومۃ"۔ ان تمام تعبیرات میں لفظی اختلافات ضرور ہیں جو راوی / راویوں کے بیان کی وجہ سے آئے ہیں مگر سب میں معنوی اتفاق پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے یہ تمام روایات امامانِ سیرت و حدیث - ابن اسحاق، ابو داؤد، بیہقی، موسیٰ بن عقبہ وغیرہ - سے اس ذریعہ وحی کے ساتھ نقل کی ہیں (البدایۃ ۴/۲۰۹-۱۱)۔

وحیِ قرآنی کے مماثل وحیِ حدیث

قرآن مجید پر مشتمل وحیِ الٰہی کے نزول کے کئی واقعات رسول اللہ ﷺ کے علاوہ بعض صحابہ کرام کی عینی شہادت پر بھی مروی ہیں۔ان میں سے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث صلصلة الجرس (صدائے جرس) کے طریقے اور اس کی شدت کے ضمن میں اوپر بیان ہو چکی ہے۔واقعہ افک سے متعلق ام المؤمنینؓ کی براءت وعصمت کی آیاتِ کریمہ، ان کے گھر میں،ان کے اور دیگر اہلِ خانہ کے سامنے اتری تھیں اور ان کا طریقہ بھی ان سے منقول ہے۔دراصل ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بالخصوص اور دوسری امہات المؤمنین بالعموم آیاتِ قرآنی کے نزول اور ان کے مختلف طریقوں کی شاہد وراوی ہیں کہ تنزیل و تلاوتِ قرآنِ کریم ان کا "گھریلو معاملہ" تھا جیسا کہ قرآن مجید اور حدیثِ نبوی میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے صحابہ کرام کو قرآن مجید کی مختلف آیات اور متعدد سورتوں کے نزول اور اس کے احوال وحالات کا ذاتی تجربہ ہوتا رہا تھا۔خاص طور سے قریبی اور ماہرینِ فن صحابہ کرام کو جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سورۂ مرسلات کے مکہ مکرمہ کے منیٰ کے غار میں مشاہدہ ہوا تھا(بخاری،کتاب جزاء الصید،۷-باب ما یقتل المحرم من الدواب، حدیث:۱۸۳۰؛فتح الباری ۴/۴۶ ومابعد مع اطراف حدیث)۔جن صحابہ کرام کو وحی کی کیفیتِ نزول کا ذاتی مشاہدہ نہیں ہوا تھا وہ مشتاق رہتے تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ پر وحی کی تنزیل

کے حال کو اپنی آنکھ سے دیکھیں اور ان میں سے بعض صحابہ کرام نے تجسس و جستجو کے بعد اس عظیم روحانی نبوی تجربے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر اسے بیان بھی کیا۔

ان میں سے ایک اہم صحابی حضرت صفوان بن یعلی بن امیہ تمیمیؓ کے والد حضرت یعلی تمیمی ہیں اور اتفاق سے انھوں نے وحیِ حدیث کی حالت کا مشاہدہ کیا اس کا ذکر ذرا دیر بعد کیا جائے گا۔ یہاں حوالہ اس لئے دینا مناسب معلوم ہوا کہ وحیِ قرآنی اور وحیِ حدیثی کے نزول کی کیفیت یکساں تھی اور اس سے زیادہ یہ حقیقت بھی اجاگر کرنی تھی کہ صحابہ کرام نے وحیِ قرآنی اور وحیِ حدیث میں "حکم" و "اصول" کے لحاظ سے کبھی کوئی تفریق روا نہیں رکھی تھی۔ حضرت عائشہ کی حدیثِ افک میں نزولِ قرآن کی کیفیت کا بیان یوں ہے:......

حتی انزل علیه، فأخذه ما كان يأخذه من البرحاء، حتی انه ليتحدر منه العرق مثل الجمان– وهو في يوم شات–من ثقل القول الذی انزل عليه......فسرّی عن رسول الله ﷺ......(بخاری، کتاب المغازی، ۳۴–باب حديث الافك، حدیث: ۴۱۴۱؛ فتح الباری، ۷/۵۴۱ ومابعد؛ کتاب التفسیر، سورۃ النور، ۸/۶۰۵ ومابعد؛ ابن کثیر، البدایۃ، ۳/۲۱ نیز ۴/۱۶۲؛ مزید بحث کے لئے ملاحظہ ہو: وحیِ حدیث- صحابہ کرام کی عینی شہادتیں)

اس کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی حالت طاری ہوئی اور آپ پر وہی کپکپی طاری ہو گئی جو ہوا کرتی تھی حتی کہ پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ٹپکنے لگے حالانکہ وہ ایک سرد دن تھا اور یہ کیفیت اس قول کے سبب تھی جو آپ ﷺ پر نازل کیا جا رہا تھا، پھر رسول اکرم ﷺ کی یہ کیفیت دور ہو گئی......

قرآن مجید کی وحی کے نزول اور اس کے احوال سے یہاں براہِ راست بحث نہیں ہے بلکہ وہ تو بطور پس منظر اور بطور آئینہ وحی بیان کئے گئے ہیں۔ اصل مقصود یہ دکھانا ہے کہ حدیثِ نبوی بھی قرآن مجید کی مانند اللہ تعالیٰ کی جانب سے اترتی تھی اور اس کی تنزیل کی حالت بھی قرآنی وحی کی مانند ہوتی تھی۔ اس پر خاصی سیر حاصل بحث صحابہ کرام کی عینی شہادتوں اور مشرکین کی شہادتِ حق کے باب میں آ چکی ہے اور بعد کے دوسرے ابواب و

مباحث جیسے رؤیا، کشف، حضرت جبریل اور صلصلة الجرس کے سلسلے میں اس کا ذکر مفصل آئے گا اور وہ دونوں طرقِ وحی اور دونوں اقسامِ وحی کی مماثلت کے ساتھ ان کے طریقہ و حالتِ نزول کو بھی واضح کرتا ہے۔ مگر ابھی تک خاص وحیِ قرآنی کے حالِ تنزیل کے مطابق وحیِ حدیث کے حال کی مطابقت دکھانی باقی ہے۔ کتبِ حدیث وسیرت میں اس کی بھی بعض روایات واحادیث ملتی ہیں اور وہ نہ صرف مماثلت و مطابقت اجاگر کرتی ہیں بلکہ بعض اہم جہات کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ اس خاص بحث میں بطور خاص یہ نکتہ اجاگر کرنا مقصود ہے کہ حدیث کی وحی کے وہی تمام طریقے تھے جو قرآن مجید کی وحی کے طریقے تھے اور بعض احادیث سے ان کو مستند بنانا بھی مطلوب ہے۔

حضرت صفوان بن یعلی بن امیہ تمیمی کی حدیثِ بخاری کا لبِ لباب یہ ہے کہ ان کے والد حضرت یعلی بن امیہ تمیمی کو رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی دیکھنے کا اشتیاق تھا اور رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ، جب وہ جعرانہ میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ ایک شامیانہ نما کپڑے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، یہ اشتیاق پورا ہوا۔ ایک اعرابی ایک خوشبو میں بسا ہوا جبہ پہنے ہوئے آیا اور اس نے رسولِ اکرم ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ خوشبو سے معطر جبہ میں احرامِ عمرہ باندھنا کیسا ہے؟ حضرت عمرؓ نے، جو حضرت یعلی کی آرزو سے واقف تھے، ان کو اس موقعہ پر رسولِ اکرم ﷺ کے قریب بلایا اور وہ جیسے ہی داخل ہوئے دیکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو رہا ہے اور آپ ﷺ گہری گہری سانسیں لے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر آپ ﷺ کی یہی حالت رہی اور پھر دور ہو گئی اور آپ ﷺ نے سوالی کو بلایا جو اس وقت اِدھر اُدھر ہو گیا تھا، وہ ڈھونڈ کر لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”خوشبو کو تین بار دھو ڈالو اور جبہ اتار ڈالو اور اپنے عمرہ میں بھی وہی کرو جو تم اپنے حج میں کیا کرتے ہو۔ یعنی احرام عمرہ کا ہو یا حج کا دونوں کے احکام یکساں ہیں اور ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

۴۳۲۹: ”...... ان صفوان بن یعلیٰ بن امیة اخبره "ان یعلیٰ کان یقول:

لیتنی اری رسول اللهﷺ حین ینزل علیه. قال: فبینا النبیﷺ بالجعرانة —وعلیه ثوب قد اظل به، معه فیه ناس من اصحابه—اذ جاء ه اعرابی علیه جبة متضمخ بطیب فقال: یا رسول الله،کیف تری فی رجل احرم بعمرة فی جبة بعد ما تضمخ بالطیب؟ فاشار عمر الی یعلیٰ بیده ان تعال،فجاء یعلیٰ،فادخل راسه، فاذا النبیﷺ محمر الوجه یَغِطّ کذلک ساعة،ثم سُرِّی عنه، فقال: این الذی یسألنی عن العمرة آنفا. فالتمس الرجل فاتی به، فقال: اما الطیب الذی بك فاغسله ثلاث مرات،واما الجبة فانزعها،ثم اصنع فی عمرتك کما تصنع فی حجك"(بخاری،کتاب المغازی،باب غزوة الطائف؛فتح الباری،۸/۵۹ نیز کتاب فضائل القرآن، ۲—باب نزل القرآن بلسان قریش و العرب حدیث:۴۹۸۵؛فتح الباری،۹/ ۱۲-۱۴؛نیز کتاب الحج، ۱۷—باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب، حدیث:۱۵۳۶؛ فتح الباری،۳/۳۹۵-۳۹۸ نیز دوسرے اطرافِ حدیث:۱۷۸۹،۱۸۴۷ مع صفحاتِ فتح الباری؛ ابن کثیر،البدایة،۳/۲۱-۲۲؛ مسلم ، کتاب الحج،باب تحریم الطیب فی الحج والعمرة، حدیث:[۸][۱۰]؛نووی،۳/۲۵۷-۲۵۸ ومابعد)

حافظ ابن حجر عسقلانی" نے کتاب الحج میں مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں تنزیلِ وحی کے وقت حالتِ نبوی کے بیان میں لکھا ہے کہ آپﷺ تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ "غطیط" دراصل سونے والے یا بیہوش شخص کی آنے جانے والی سانس کی آواز کو کہتے ہیں اور ایسا وحی کے بوجھ کے سبب ہوا تھا (یغط.ای ینفخ،والغطیط صوت النفس المتردد من النائم او المغمی،سبب ذلك شدة ثقل الوحی......فتح الباری،۳/۳۹۷؛نیز ابن کثیر،البدایة،۳/۲۱-۲۲؛ مسلم،کتاب الحج، باب من لم یجد نعلین......الخ؛نووی،۳/۲۵۵-۲۵۶:...... وانزل علی النبیﷺ الوحی فستر بثوب، وکان یعلیٰ یقول:وددت انی اری النبیﷺ، وقد نزل علیه الوحی. قال:فقال: أ یسرك ان تنظر الی النبیﷺ وقد انزل علیه الوحی،قال: فرفع عمر طرف الثوب فنظرت الیه، له غطیط...... کغطیط البکر،فلما سری عنه......")

حضرت عائشہؓ کی حدیثِ افک سے موازنے پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں کے نزول کے وقت رسولِ اکرم ﷺ پر شدتِ وحی سے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ چہرۂ انور سرخ ہو جاتا، سانسیں تیز تیز آنے جانے لگتیں، بدنِ اطہر پر تھرتھراہٹ طاری ہو جاتی اور صلصلة الجرس کی صورت میں کیفیت شدید تر ہوتی۔ مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے چہرۂ مبارک پر کپڑا ڈال لیتے لگتے تھے اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے چہرے اور جسمِ اطہر کو کبھی کبھی چادر سے حاضرین کرام ڈھانک دیتے تھے اور سرِ اقدس کے نیچے تکیہ بھی رکھ دیتے تھے جیسا کہ حدیثِ افک میں ذکر ملتا ہے۔

امام مسلمؒ نے تنزیلِ وحی کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کی حالت غیر ہو جانے کے ضمن میں بطور ایک مستقل واقعہ ایک حدیث نقل کی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ نبی اللہ ﷺ پر جب بھی وحی نازل ہوتی آپ ﷺ پر ایک خاص کرب کی کیفیت طاری ہو جاتی اور چہرۂ انور متغیر ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن آپ ﷺ پر نزولِ وحی ہوا اور اسی کیفیت سے آپ ﷺ دوچار ہوئے۔ جب وہ حالتِ غیر دور ہو گئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے سیکھ لو۔ ان عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک سبیل نکال دی ہے: شادی شدہ شادی شدہ کے بدلے، کنواری کنواری کے بدلے؛ شادی شدہ عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں پھر سنگسار کر دیا جائے اور کنواری کو ایک سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے اسے جلاوطن کر دیا جائے۔

۱۳۔"......عن عبادة بن الصامت قال: كان نبی الله ﷺ اذا انزل عليه كرب لذلك، وتربد له وجهه، قال: فانزل عليه ذات يوم فلقی كذلك، فلما سری عنه قال: خذوا عنی، فقد جعل الله لهن سبيلا، الثيب بالثيب، والبكر بالبكر، الثيب جلد مائة ثم رجم بالحجارة، والبكر جلد مائة ثم نفی سنة" (مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا؛ نووی، المنهاج، ۴/۳۳۷-۳۳۹ ومابعد)

امام نووی نے نزولِ وحی کی حالت کی تشریح بہت مختصر کی ہے: "تربد وجهه ای علته غبرة، والربد تغير البياض الى السواد، وانما حصل له لعظم موقع الوحی، قال الله تعالیٰ ﴿انا سنلقی علیك قولا ثقیلا﴾ (ابن کثیر، البدایۃ ۳/۲۱-۲۲)

اسی معنی و مفہوم کی ایک حدیث امام ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ کا پورا جسمِ اطہر کانپ جاتا اور آپ کا چہرہ بھی متغیر ہو جاتا اور آپ صحابہؓ سے اور صحابہؓ آپ سے اس وقت کلام نہ کرتے: "كان رسول الله ﷺ اذا انزل عليه الوحی تربد لذلك جسده ووجهه وامسك عن اصحابه ولم يكلمه احد منهم" (ابن کثیر، البدایۃ ۳/۲۲)

اگرچہ ایک حدیثِ نبوی کے باب میں کسی قدر متن کا اور اس سے زیادہ شارحینِ متن کا اختلاف ہے تاہم وہ کیفیتِ نزول کو خوب بیان کرتی ہے اور مختلف متونِ حدیث اور ان کے درایتی مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ وحیِ حدیث کا معاملہ ہے، نہ کہ وحیِ قرآنی کا۔ لہذا پہلے مختلف متونِ حدیث بالخصوص ان متون سے آغاز کیا جاتا ہے جن میں نزولِ وحی کی کیفیت کا بیان پایا جاتا ہے۔ حسبِ دستور امام بخاریؒ نے اس حدیث کو مختلف کتب وابواب میں بیان کیا ہے اور ان میں اسناد کے علاوہ متن کا اختلاف بھی ہے بالخصوص ہمارے مطلب کے حصہ میں۔ امام بخاری نے کل پانچ احادیث / متون بیان کئے ہیں: ۱۴۶، ۱۴۷، ۴۷۹۵، ۵۲۳۷، ۶۲۴۰۔ ان میں سے اول الذکر دو میں کیفیتِ نزول والا حصہ نہیں ہے، تیسری حدیث یا اس کے متن میں وہ حصہ ہے اور وہ درج ذیل ہے:

۴۷۹۵: "......عن عائشةؓ قالت: خرجت سودة -بعد ضرب الحجاب- لحاجتها، وكانت امراة جسيمة لا تخفى على من يعرفها، فرآها عمر بن الخطاب فقال: يا سودة، اما والله ما تخفين علينا، فانظری كيف تخرجين؟ قال: فانكفأت راجعة، ورسول الله ﷺ فی بيتی، وانه ليتعشیٰ، وفی يده عرق، ودخلت فقالت: يا رسول الله، انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر كذا

وکذا،قالت: فاوحی اللہ الیہ،ثم رفع عنہ، وان العرق فی یدہ ما وضعہ، فقال: انہ قد اذن لکنّ ان تخرجن لحاجتکن"۔

(بخاری، کتاب التفسیر ،باب سورۃ الاحزاب؛فتح الباری۸/۶۷۰-۶۷۴؛ابن کثیر ،البدایۃ۳/۲۲؛مسلم ،کتاب السلام،باب اباحۃ الخروج للنساء الخ[۱۷](۲۱۷۰)؛نووی ۵/۳۲۶ومابعد)

بالعموم شارحینِ حدیث اس روایت کو بھی آیتِ حجاب کے نزول کے سبب اور پردہ کے حکم کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں لیکن اس متن سے دوسرا ہی مطلب نکلتا ہے۔حدیثِ مذکورہ بالا میں واضح بیان ہے کہ حجاب وپردہ کے حکم کے بعد حضرت سودہؓ کا واقعہ پیش آیا تھا۔لہذا وہ پردے یا آیتِ حجاب کا واقعہ نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق آیتِ قرآنی کے نزول سے ہے بلکہ وہ حجاب کے احکام کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔حضرت ام المومنین سودہؓ کسی ضرورت سے باہر نکلی تھیں۔حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو پہچان کر انھیں جتادیا اور وہ سیدھے حضرت عائشہؓ کے گھر پہونچیں جہاں رسولِ اکرم ﷺ کا قیام تھا۔آپ ﷺ اس وقت رات کا کھانا تناول فرمارہے تھے اور آپ کے دستِ مبارک میں شوربہ موجود تھا۔اسی حالت میں حضرت سودہؓ نے حضرت عمرؓ کے تبصرہ کا ذکر آکر کیا اور اسی وقت وحیِ الٰہی نازل ہونی شروع ہوئی اور جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ہوئی اور شوربہ بدستور ہاتھ میں موجود رہ گیا کہ آپ ﷺ نے اسے رکھا بھی نہ تھا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (عورتوں کو) اپنی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت عطا فرمادی"۔

امام بخاری کی حدیث:۵۲۳۷ میں یہ واقعہ مختصر ہے مگر وحیِ حدیث کے نزول کا حال اور خواتین کے لئے ضرورت سے نکلنے کی اجازت کا حوالہ موجود ہے "......فانزل علیہ فرفع عنہ وھو یقول:قد اذن اللہ لکنّ ان تخرجن لحوائجکن"(بخاری، کتاب النکاح،۱۱۵- باب خروج النساء لحوائجھن؛فتح الباری۹/۴۱۸-۴۱۹؛ابن کثیر ،البدایۃ ۳/۲۲)

آخری حدیث: ۶۲۴۰ میں اسے آیتِ حجاب کے نزول سے قبل کا واقعہ اور آیتِ حجاب کے نزول کا سبب بتایا گیا ہے جیسا کہ اولین حدیثِ بخاری میں ہے۔ اس کی توجیہ تو یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ حضرت سودہؓ کے سلسلہ میں کم از کم دو واقعات پیش آئے تھے اور ان سے زیادہ کا بھی امکان ہے کیونکہ حدیث کے مختلف متون یہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ حجاب کے حکم کے اجراء کا اصرار کرتے ہی رہتے تھے مگر رسولِ اکرم ﷺ اپنی جانب سے حکم دینے کے حق میں نہ تھے اور وحیِ الٰہی کے منتظر تھے اور جب حضرت سودہؓ سے متعلق واقعات پیش آچکے اور ان کے علاوہ حضرت زینب بنت جحشؓ وغیرہ کے معاملات میں بھی حجاب کا تقاضا شدید ہوتا گیا تو حجاب کی قرآنی آیت و حکم کو نازل کیا گیا (سورۂ احزاب)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بعض ناقدینِ بخاری کے اس نقد کا بھی خوب دفاع کیا ہے کہ حدیث: ۴۷۹۵ کا بابِ حجاب میں بیان کرنا موضوعِ بحث کے خلاف ہے کیونکہ وہ حدیث تو حجاب کے حکم کے خلاف خواتین کو ضرورت سے نکلنے کی اجازت دیتی ہے لہذا اس کا ذکر یہاں بے محل ہے۔ حافظ موصوف نے اس کا جواب بھی دیا ہے لیکن ہماری بحث کا نقطہ یہ بھی ہے کہ حجاب کے بعد بھی خواتین کو نکلنے کی اجازت دی گئی اور حدیث کی وحی کے ذریعہ دی گئی۔ حجاب کا مطلب اور اس کے حکم کے نفاذ کا قاعدہ یہ نہیں ہے کہ خواتین کو گھروں سے نکلنے کی اجازت ہی سرے سے نہ دی جائے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ یہاں حدیث کی وحی کے ذریعہ ایک حکمِ حجاب کے دائرۂ اثر کو وسیع کیا گیا کہ وہ جسمانی حجاب کے ساتھ گھروں سے باہر جاسکتی ہیں بشرطیکہ ضرورت ہو۔ دوسرے حدیث کی وحی نے وحیِ قرآنی کی تعریف و تشریح کی جو اس کا ایک مقصد اور جہت بھی ہے۔ حدیث قرآن کی شارح و مفسر بھی ہے اور سب سے اہم جہت یہ کہ اس میں وحیِ حدیث کی تنزیل کی اسی کیفیت کا بیان ملتا ہے جو تنزیلِ قرآنی کے ضمن میں ملتا ہے اور دونوں کو مماثل وحی بناتا ہے۔

وحیِ حدیث کی تنزیل کی کیفیت اور اس کی قرآنی وحی کی کیفیت سے مماثلت سے متعلق ایک اور حدیثِ بخاری ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ مجھے تمہارے

بارے میں سب سے زیادہ خوف یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم پر زمین کی برکتوں کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ دریافت کیا گیا کہ زمین کی برکات کیا ہیں؟ فرمایا: دنیا کی نعمت۔ ایک شخص نے عرض کیا: کیا خیر شر کو لائے گا؟ رسولِ اکرم ﷺ خاموش رہے۔ راوی حضرت ابو سعید خدریؓ کا کہنا ہے کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ ﷺ پر نزولِ وحی ہو رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ اپنی پیشانی پونچھتے ہوئے گویا ہوئے: سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کے آنے پر اس کی تعریف و تحسین کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خیر تو خیر ہی لاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مال سرسبز و میٹھا ہے.........

٦٤٢٧: ".....عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول اللهﷺ: ان اکثر ما اخاف علیکم ما یخرج الله لکم من برکات الارض؟ قیل: وما برکات الارض؟قال: زهرة الدنیا. فقال له رجل: هل یأتی الخیر بالشر؟ فصمت النبی ﷺ حتی ظننت انه ینزل علیه ثم جعل یمسح عن جبینه. فقال: این السائل؟ قال: انا. قال ابو سعید: لقد حمدناه حین طلع لذلك، قال: لا یأتی الخیر الا بالخیر، ان هذا المال خضرة حلوة، وان کل ما انبتت الربیع یقتل حبطا او یلم، الا آکلة الخضرة، اکلت حتی امتدت خاصرتاها استقبلت الشمس فاجترت وثلطت وبالت، ثم عادت فاکلت. وان هذا المال حلوة: من اخذه بحقه، ووضعه فی حقه، فنعم المعونة هو، وان اخذه بغیر حقه کان کالذی یاکل ولا یشبع"

(بخاری، کتاب الرقاق، ٧-باب ما یحذر من زهرة الدنیا، والتنافس فیها؛ فتح الباری ١١/ ٢٩٣-٣٠٠؛ مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین؛ ٥٢-(١٨٤٧ب)؛ نووی، المنهاج، ٤/ ٥٤٧-٥٤٨؛ مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل القناعة...... الخ، نووی ٣/ ١١٧-١١٨)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کے معانی و مفاہیم کو واضح کرنے کے لئے کافی مفصل و مدلل بحث کی ہے جو کئی صفحات کو محیط ہے لیکن اس میں "وحیِ حدیث" کی

کیفیتِ نزول پر ذرا بھی کلام نہیں ہے۔ یہی حال امام نووی کی تشریح کا ہے۔ بہر حال اس کے لئے متنِ حدیث کافی ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ خیر کے شر لانے کے سوال کے بعد رسولِ اکرم ﷺ پر وحی کا نزول ہوا اور وہ حدیث پر مشتمل ہے جس کا متن رسولِ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے الفاظِ نبوی بن کر وارد و ظاہر ہوا۔ اس میں حضرت ابو سعید کا مشاہدہ بھی شامل ہے کہ آپ پر نزولِ وحی ہوا جس کے بعد آپ ﷺ نے پیشانی مبارک پونچھی کہ وہ عرق آلود ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کا ظاہر ذکر نہیں تاہم اسی کی طرف اشارہ ہے کہ پیشانی کے قطروں کو آپ ﷺ نے پونچھا تھا جو شدتِ وحی سے موتی بن کر آگئے تھے۔ شیخین کی حدیث کے متن میں یہ وضاحت پائی جاتی ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ کی خاموشی اور کلام نہ کرنے کا سبب تھا کہ آپ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور افاقہ کے بعد آپ ﷺ نے سوال کا جواب دیا۔ حدیثِ مسلم میں زیادہ وضاحت ہے: ’’قال: ورئينا انه ينزل عليه فافاق يمسح عنه الرحضاء......

قرآنی وحی کے نزول کے طریقہ کے مطابق یا اس سے مشابہ وحیِ حدیث کا ایک واقعہ غزوۂ حنین و فتحِ مکہ کے بیان میں امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔ فتحِ مکہ سے متعلق حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ نے بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا اسلامی جیش مختلف سمتوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ حضرت ابو سفیان امویؓ کو شہر اور قریش کی بربادی کا خدشہ پیدا ہوا تو وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آج قریش کا علاقہ مباح کر دیا گیا تو قریش آج کے بعد باقی نہیں ہوں گے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہ سن کر حکم نافذ فرمایا: جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ محفوظ ہے: ’’فجاء ابو سفيان فقال: يارسول الله: ابيحت خضراء قريش، لا قريش بعد اليوم، ثم قال: من دخل دار ابي سفيان فهو آمن......‘‘ (كتاب الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: ۱۷۸۰)۔

اس سے قبل نبوی لشکر (كتيبة) میں صرف انصاری مجاہدین کو جمع کرنے کا حکم رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ دوسی کو دیا تھا اور وہ آپ کے گرد و پیش موجود

تھے۔انصاری دستہ نے رسولِ اکرم ﷺ کے حضرت ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامان بنانے کا حکم سنا تو بعض لوگوں نے تبصرہ کیا کہ آپ کو اپنے گاؤں کی محبت اور قبیلہ کی الفت نے مغلوب کرلیا ہے(فقالت الانصار بعضهم لبعض:اما الرجل فادركته رغبته فی قریته،ورافة بعشیرته......)۔حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ اس موقع پر وحی آئی اور وحی جب بھی آتی تھی تو وہ ہم پر مخفی نہ رہتی تھی،وہ جب آتی تو کوئی بھی اپنی نظر رسولِ اکرم ﷺ کی طرف نہیں اٹھاتا تھا تا آنکہ اس وحی کا سلسلہ پورا ہو جاتا۔لہذا جب وحی تمام ہو گئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے انصار کے دستہ کو پکارا اور فرمایا کہ تم نے یہ بات کہی کہ آدمی کو اس کے گاؤں کی رغبت نے مغلوب کرلیا۔انھوں نے اس کا اعتراف کیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:"ہرگز نہیں،بلا ریب میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے اور اب زندگی تمہارے ساتھ ہے اور موت بھی تمہارے ساتھ ہے"۔حضرات انصارؓ یہ سن کر آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:"اللہ کی قسم ہم نے جو کچھ کہا وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کہا"۔رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:"بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں"۔راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد لوگ حضرت ابوسفیانؓ کے گھر کی طرف دوڑے اور بعضوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے۔"قال ابوهريرة:وجاء الوحی،وكان اذا جاء الوحی لا يخفى علينا،فاذا جاء فليس احد يرفع طرفه الى رسول اللهﷺ حتى ينقضی الوحی،فلما انقضى الوحی قال رسول اللهﷺ:يا معشر الانصار!قالوا:لبيك يا رسول الله.قال:قلتم:"اما الرجل فادركته رغبة فی قريته"قالوا:قد كان ذاك قال:"كلا انی عبدالله ورسوله، هاجرت الى الله واليكم،والمحيا محياكم، و الممات مماتكم". فاقبلوا اليه يبكون ويقولون:والله ما قلنا الذی قلنا الاالضن بالله ورسوله.فقال رسول اللهﷺ: ان الله ورسوله يصدقانكم ويعذرانكم . قال:فاقبل الناس الى دار

ابی سفیان، واغلق الناس ابوابھم......" (مسلم، مذکورہ بالا؛ نووی، المنہاج ۱۲/ ۴۶۴ ومابعد نیز دوسری حدیث وامام نووی کی تشریح؛ نیز حدیث: ۸۶، ۱۲/ ۴۶۸-۴۶۹)۔ اس حدیث میں وحیِ الٰہی نے انصار کے تبصرہ سے رسولِ اکرم ﷺ کو باخبر کیا تھا اور یہ موضوع ایک مستقل باب کا ہے کہ آپ ﷺ کو مختلف مواقع پر واقعات سے وحی کے ذریعہ آگاہ کیا گیا۔ ان کا ذکر کتبِ تفسیر وحدیث کے علاوہ کتبِ سیرت میں بھی ملتا ہے اور ان میں سے بیشتر میں وحی کا ذکر ضرور ہوتا ہے خواہ طریقہ وحی کا حوالہ نہ ہو۔ (ابن کثیر، ۴/ ۳۰۶، بحوالہ ابن ہشام، احمد بن حنبل، مسلم، نسائی وغیرہ؛ ابن سید الناس، عیون الاثر ۲/ ۱۹۴ ومابعد)

اس مختصر بحث سے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ پر وحی کا نزول ایک خاص کیفیت طاری کر دیتا تھا، خواہ وہ قرآن کریم کی وحی ہو یا حدیثِ شریف کی۔ جس طرح قرآنی وحی کے نزول کے وقت آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو جاتا، سانس تیز ہو جاتی، بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی، اور سارے وجود کو ایک اضطرابی کیفیت ڈھانپ لیتی بالکل ایسی ہی حالت حدیثِ شریف کے نزول کے وقت ہو جاتی تھی۔ احادیثِ نبوی میں ان دونوں اقسامِ وحی کی تنزیل کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے بالکل یکساں الفاظ اور مماثل تعبیرات استعمال کی گئی ہیں۔ ان سے بھی مماثلت کی تائید ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کی شہادات اور بیانات سے بھی دونوں قسم کی وحی کے نزول کا یکساں طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ معاصرین ومشاہدین کا یہ تبصرہ کہ رسولِ اکرم ﷺ پر جب بھی وحی کا نزول ہوتا تو ہم سمجھ جاتے تھے اور اس کا معاملہ ہم پر مخفی نہیں رہتا تھا لہذا ہم اس کی رعایت کرتے تھے کہ نہ آپ ﷺ کی طرف دیکھتے اور نہ آپ ﷺ سے کلام کرتے تھے۔ یہ بیان وحیِ قرآنی سے زیادہ وحیِ حدیث کے نزول کے ضمن میں ملتا ہے۔ منطقی طور سے بھی دونوں اقسامِ وحی کی تنزیل کا یکساں طریقہ ہونا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی سرچشمے سے اترا کرتی تھیں لہذا ان کی کیفیتِ تنزیل اور طریقِ نزول میں کسی جوہری تفاوت کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

رویائے صادقہ کے ذریعہ وحیِ حدیث

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں وحی کا آغاز سچے خوابوں کے واسطے اور وسیلے سے ہوا تھا۔امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سند سے نقل کیا ہے کہ وحی میں جو شئے سب سے پہلے عطا کی گئی وہ سچے خواب (الرؤیا الصالحة) تھے۔ سوتے میں آپ ﷺ جو کچھ دیکھتے، سنتے اور وصول فرماتے وہ بیدار ہوتے ہی حقیقتِ واقعہ بن کر سامنے آجاتا اور خوابِ صادق کی تصدیق کر جاتا۔

۳-...... **عن عائشة ام المؤمنين انها قالت:اول ما بدی به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤيا الصالحة فی النوم،فكان لا يری رؤيا الا جا ء ت مثل فلق الصبح**......(اطرافه فی: ۳۳۹۲، ۴۹۵۳،۴۹۵۵،۴۹۵۶،۴۹۵۷، ۶۹۸۲، بخاری، کتاب بدء الوحی، ۳-باب (بلا عنوان)؛فتح الباری۱/۲۹-۳۲ ومابعد؛ نیز ابن اسحاق / ابن ہشام،السیرة النبویة،۱/۲۳۴:ان اول ما بدی به رسول الله ﷺ من النبوة ......الرؤيا الصادقة)۔حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے شارحینِ حدیث نے تشریح کی ہے کہ بیداری میں اس کی صورت گری کبھی روشنی کی رویت میں ہوتی، کبھی آواز وندا کی سماعت میں، کبھی پتھروں کی تسلیم وسلام میں۔ دراصل بیداری میں ان جیسی صورتوں سے خواب کا ثبوت فراہم کیا جاتا تھا (ابن ہشام۱/ ۲۳۴:......**فلا يمر رسول الله ﷺ بحجر الا قال: السلام عليك يارسول الله...... فيلتفت رسول الله ﷺ...... فلا يری الا الشجر والحجارة**)۔

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جیسا خواب دیکھا اس کی ویسی ہی ظاہری، ٹھوس، واقعی اور حقیقی صورت بیداری میں دکھائی جاتی جو تعبیر خواب بن جاتی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پہلے پہل حضرت جبریل علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا پھر بیداری میں وہ سچ مچ غارِ حراء میں آئے، بعد میں اجیاد نامی پہاڑی پر ہویدا ہوئے اور انھوں نے آپ ﷺ کو خطاب کیا اور آپ ﷺ نے ان کی آواز سن کر اِدھر اُدھر، دائیں بائیں نظر دوڑائی تو کچھ نہ دیکھا لیکن آپ ﷺ نے جب نگاہ اوپر اٹھائی تو حضرت جبریل علیہ السلام افقِ آسمان پر چھائے ہوئے نظر آئے۔ انھوں نے اپنا تعارف کرایا: "اے محمد! میں جبریل ہوں، جبریل"۔ (یا محمد! جبریل، جبریل)۔ آپ ﷺ تیزی سے روانہ ہوئے اور لوگوں میں جا ملے تو کچھ نظر نہیں آیا۔ مجمع سے نکلے تو حضرت جبریل پھر ہویدا ہو گئے، پھر آپ ﷺ برق رفتار ہوئے، پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے حراء کی جانب سے ظاہر ہوئے۔ یہ ظاہری اور واقعی ملاقات اسی خواب کی بیداری کی صورت گری تھی۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی اولین رویت میں انسانی تقاضوں سے دہشت فطری تھی۔ مانوس ہو جانے کے بعد نہ صرف ثبات قدمی کا مظاہرہ فرماتے بلکہ ان کی ملاقات و زیارت کے مشتاق رہتے تھے کہ ان کی آمد وحیِ الٰہی کی تسکین آمیز اور روح پرور تنزیل کا سبب بنا کرتی تھی (بخاری، کتاب التعبیر، باب اول ما بدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ؛ حدیث: ۶۹۸۲؛ فتح الباری، ۱۲/ ۴۴۰-۴۵۲؛ نیز ابن ہشام، مذکورہ بالا؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/ ۱۱۲-۱۱۳: ورایتہ فی المنام فانہ جبریل...... ۱/۱۱۵)

وحیِ قرآن وحدیث کا رویا

محدثینِ کرام اور اہلِ سیر دونوں نے بالعموم غارِ حراء میں قرآنِ مجید کی اولین تنزیل کو بطور ایک ظاہری واقعہ کے بیان کیا ہے۔ مگر امامِ سیرت ابن اسحاق نے اپنی روایت میں خوابِ صادق اور اس کی جاگتے کی تعبیر دونوں کے حوالے سے بیان کیا ہے جو زیادہ

مربوط ہے اور اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مغازی موسیٰ بن عقبہ اور تاریخ طبری میں ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا پھر وہی فرشتہ بیداری میں آیا: ” انه رای ذلك فی المنام ثم جاء ہ الملك فی الیقظة“۔

غارِ حراء میں حضرت جبریل کے خواب و بیداری میں دکھائی دینے اور سورۂ اقراء کی اولین پانچ آیاتِ کریمہ کی تعلیم دینے کا واقعہ زبانِ رسالت سے مروی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا اور خواب دیکھ رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس دیباج کے ایک جزدان میں ایک کتاب لپیٹے ہوئے لائے اور فرمایا: پڑھو! میں نے عرض کیا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ انھوں نے مجھے اس طرح بھینچا کہ مجھے موت آتی دکھائی دی...... تین بار کے بعد میں نے پڑھ دیا تو وہ چلے گئے اور میں خواب و نیند سے جاگا تو وہ آیاتِ کریمہ گویا میرے دل میں ایک تحریر کی طرح ثبت کر دی گئی تھیں اور باقاعدہ لکھی ہوئی تھیں۔ طبری کی روایت کا متن ہے: ”فجاء نی، وانا نائم، بنمط من دیباج، فیه کتاب فقال: اقرأ، فقلت: ما اقرأ، فغتّنی، حتی ظننت انه الموت، ثم ارسلنی فقال: اقرأ، فقلت ماذا اقرأ؟...... قال: ﴿اقرأ باسم ربك الذی خلق...... الی قوله: علم الانسان ما لم یعلم﴾ قال: فقرأته، قال: ثم انتهی، ثم انصرف عنی، وهببت من نومی، وکانما کتب فی قلبی کتابا“ (۲/۳۰۱ بحوالہ ابن اسحاق و بروایت حضرت عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی)۔ پھر وہ بیداری میں مجھے اس وقت نظر آئے جب میں غارِ حراء میں ہی تھا اور خواب میں قرآن پڑھانے کا واقعہ پیش آچکا تھا جس کا ذکر کتبِ حدیث میں ہے۔

ابن ہشام نے روایتِ ابن اسحاق کا صرف وہ حصہ نقل کیا ہے جو خواب و نیند میں تنزیلِ قرآن سے متعلق ہے لیکن ابنِ اسحاق کی یونس بن بکیر کی روایت اور مغازی موسیٰ بن عقبہ میں امام زہری اور طبری میں حضرت عبید بن عمیر بن قتادہ لیثی کی روایات میں دونوں واقعاتِ خواب و بیداری کی صراحت ملتی ہے۔ مزید یہ کہ شارحِ ابن ہشام امام سہیلی نے ان دونوں واقعات میں تطبیق بھی دی ہے۔ حافظ ابن سید الناس اور امام ابن کثیر نے

خوب لکھا ہے کہ حضرت جبریل کا خواب میں پہلے آنا دراصل بیداری میں آمد کے لئے تیاری کا معاملہ تھا: **ویکون الاتیان فی النوم توطئة للاتیان فی الیقظة**(ابن ہشام، ۱/۲۳۶-۲۳۷ حاشیہ مرتبین ۲ درباب تطبیق سہیلی؛ سہیلی، ابن سحاق، سیرتِ ابن اسحاق، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، نقوش، رسول نمبر، جلد یازدہم ۱۱/۱۲۱-۱۲۲، بخاری، فتح الباری مذکورہ بالا ۱/۲۹-۳۲ ومابعد؛ نیز کتاب التعبیر، مذکورہ بالا؛ فتح الباری ۱۲/۴۴۰-۴۵۱ ومابعد؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/۱۱۳: **وکان اول شئی اراہ ایاہ من النبوۃ رؤیا فی النوم**...... نیز ۱/۱۱۴-۱۲۰؛ ابن کثیر، البدایۃ ۳/۲-۴ ومابعد)

سر دست بحث وحیِ قرآن کریم سے نہیں بلکہ وحیِ حدیث سے ہے۔ مذکورہ بالا روایاتِ حدیث وسیرت اسی مقصد سے نقل کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری جیسی کتبِ حدیث کی مذکورہ بالا حدیث ہو یا ابن اسحاق وابن ہشام کی مانند کتبِ سیرت کی روایت، دونوں مذکورہ حدیث کے بارے میں ثابت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی اولین تنزیل کے بارے میں جو حدیث ارشاد فرمائی وہ آپ ﷺ کے رویا صادقہ پر مبنی تھی اور اسی پر حدیثِ مذکورہ بالا کی وحی مبنی ہے اور صرف یہی حدیث نہیں بلکہ بہت سی احادیثِ نبویہ رویائے صادقہ پر ہی مبنی ہیں اور وہ اسلامی احکام کی بنیاد بھی ہیں۔ دراصل انبیائے کرام کو جن مختلف طریقوں سے وحی بھیجی جاتی ہے ان میں رویا صادقہ بہت اہم ذریعہ وطریقہ ہے اور امام بخاری وغیرہ محدثین نے اس موضوع پر باب باندھے ہیں (بخاری، کتاب التعبیر، ۶-باب رؤیا یوسف؛ ۷-باب رؤیا ابراھیم؛ فتح الباری ۱۲/۴۷۰-۴۷۴ وغیرہ، دوسرے اصحابِ رویا پر بھی ابواب ہیں)

رویا نبوی وحی ہے

نبوی رویائے صادقہ کا باب بہت طویل اور مفصل ہے۔ اس سے متعلق بعض احادیث وروایات کا ذکر آگے بھی آئے گا۔ مگر اسی جگہ یہ بات مدلل ومستند کردینی ضروری

ہے کہ انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ اگرچہ علمائے اسلام کا اس مسئلہ پر اجماع ہے تاہم رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ارشاداتِ عالیہ اور احادیثِ نبویہ سے اس کو مستند کرنے سے دلالت و استناد کا درجہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے رسولِ اکرم ﷺ کی نمازِ شب (صلوٰۃ اللیل) کی ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے جو اس کے شاہد بھی ہیں۔ نماز ادا فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے استراحت فرمائی اور باقاعدہ سو گئے۔ مؤذن نے آکر جگایا تو بیدار ہوئے اور نماز پڑھائی مگر دوسرا وضو نہیں فرمایا۔ صحابی راوی نے وضاحت کی اور رسولِ اکرم ﷺ کی واضح حدیث بھی ملتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھ سوتی ہے مگر قلب نہیں سوتا: تنام عینه ولا ینام قلبه۔ امام خطابی کا قول ہے کہ دل کو نیند لینے سے اس لئے منع کیا گیا کہ جو وحی خواب میں آتی ہے وہ یاد کرلے:...... وانما منع قلبه النوم لیعی الوحی الذی یأتیه فی منامه۔

حضرت عبید بن عمیر تابعیؒ کا قول ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں (رویا الانبیاء وحی) اور پھر انھوں نے بطور سند سورۂ صٰفٰت: ۱۰۲ پڑھی۔ تابعی موصوف کبار تابعین میں سے تھے، ان کے والد ماجد حضرت عمیر بن قتادہؓ صحابی تھے اور انھوں نے یہ حدیث رسولِ اکرم ﷺ سے سنی تھی جسے ابن حجرؒ نے موقوف بیان کیا ہے اور مزید کہا ہے کہ آیتِ کریمہ ﴿انی اری فی المنام انی اذبحک......﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس خواب کی طرف تلمیح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو راہِ الٰہی میں ذبح و قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے وحیِ الٰہی جان کر تعمیلِ ارشادِ الٰہی کر ڈالی تھی (بخاری، کتاب الوضوء، ۵-باب التخفیف فی الوضوء حدیث: ۱۳۸؛ فتح الباری، ۱/ ۳۱۴-۳۱۵)۔ کیونکہ اگر خوابِ براہیمی وحی نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا کسی طور سے جائز نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرحِ حدیث میں مزید صراحت کی ہے کہ امام مسلم

نے اپنی صحیح میں حدیث: "رؤیا الانبیاء وحی" کو مرفوع روایت کیا ہے۔ حضرت عبید بن عمیر تابعی کا قول روایتِ بخاری میں غیر مرفوع نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا نبوی ارشاد ہے جیسا کہ امام بخاری نے خود بھی کتاب التوحید میں حضرت انس کی روایتِ شریک میں اسے مرفوع حدیث کے بطور بیان کیا ہے۔ وہ اصلاً حدیثِ نبوی ہے۔

صحابہ کا فہمِ رویا۔وحی

فہمِ صحابہ کرام سے متعلق روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے معاصرین رویائے نبوی کو وحی قرار دیتے تھے۔ اسی لئے ان کا معمول تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو کوئی بھی براہ راست بیدار نہیں کرتا تھا کہ خواب میں وحی کے نزول کا سلسلہ جاری ہو اور وہ جگانے والے کی دخل در معقولات سے ٹوٹ جائے۔ مؤذنِ نبوی نمازِ صبح / فجر کے وقت اور دوسرے صحابہ کرام آپ ﷺ کو ضرورت کے وقت جگانے کے لئے تسبیح و تہلیل سے کام لیتے تھے، براہِ راست بیدار کرنے سے کلی اجتناب کرتے تھے اور تسبیح و تہلیل وغیرہ بھی بدرجہ مجبوری اختیار کرتے تھے۔ احادیث وروایات میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے۔

امام بخاری نے ایک طویل حدیث حضرت عمرانؓ سے روایت کی ہے۔ اس کا متعلقہ حصہ یہ ہے کہ ایک سفر کے دوران نمازِ فجر کے وقت سب ہی سوتے رہ گئے۔ اول اول بیدار ہونے والے سورج کی تمازت سے جاگے۔ ان میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے مگر رسولِ اکرم ﷺ اس وقت بھی محوِ خواب تھے۔ حضرت عمرانؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سوتے تھے تو آپ ﷺ کو جگایا نہیں جاتا تھا حتی کہ آپ ﷺ بنفس نفیس بیدار ہوتے تھے، کیونکہ ہمیں یہ علم نہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے خواب میں کیا پیش آرہا ہے: "وکان النبی ﷺ اذا نام لم یوقظ، حتی یکون هو یستیقظ لانا لا ندری ما

یحدث له فی نومه......"۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تشریح میں فرمایا کہ پیش آنے سے مراد وحی ہے۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کو جگانے سے اس لئے ڈرتے تھے کہ مبادا اس حرکت سے آپ ﷺ پر وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہو جائے:"...... ای من الوحی، کانوا یخافون من ایقاظه قطع الوحی فلا یوقظونه لاحتمال ذلک......"(بخاری، کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیه من الماء، حدیث: ۳۴۴، طرفاه فی: ۳۴۸، ۳۵۷؛ فتح الباری، ۱/ ۵۸۰-۵۸۳ و ما بعد)

نکاحِ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رویا

رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتی زندگی اور نبوی زندگی میں بعض جہات سے فرق کیا جاسکتا ہے جو دوسری جہات سے مٹ جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے بہت سے واقعاتِ حیات اور اعمالِ زندگی بظاہر دنیاوی معلوم ہوتے ہیں حالانکہ ان میں بھی دینی جہات موجود ہیں۔ صرف ان اعمال و سنن اور واقعات کو خالص "دنیاوی" قرار دیا جاسکتا ہے جو عاداتِ عرب اور غیر تعبدی سنتوں پر مشتمل ہوں۔ شادی بیاہ اور نکاح جیسے معمولاتِ زندگی کا تعلق بظاہر رسولِ اکرم ﷺ کی دنیاوی حیات اور دنیاوی عمل سے معلوم ہوتا ہے لیکن بسا اوقات وہ بھی دینی جہات اور اسلامی احکام کی اہمیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے خالص دینی بن جاتے ہیں۔

ان خانگی اعمال میں سے ایک رسولِ اکرم ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کا معاملہ ہے۔ بنیادی طور سے ازواجِ مطہرات کا زریں سلسلہ دنیاوی اعمال کا سلسلہ لگتا ہے لیکن وہ خالص دینی مصالح و ضروریات پر مبنی تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاحِ نبوی کی اہمیت یہ ہے کہ وہ نہ صرف ایک دینی معاملہ بن گیا ہے بلکہ اس سے متعدد اسلامی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ بعد میں حضرت زینب بنت جحش اسدی خزیمیؓ سے نکاحِ نبوی بھی ایک اسلامی جہت اور دینی حکم کے سبب ہوا تھا مگر وہ ذرا مختلف ہے۔ حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح وحیِ حدیث پر مبنی ہے جو آپ ﷺ کو رویا صادقہ کے ذریعہ دوبار دی گئی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تم مجھے دوبار خواب میں دکھلائی گئیں۔ تم ایک ریشم کے کپڑے میں مستور تھیں اور فرشتہ کہتا تھا کہ یہ آپ ﷺ کی بیوی ہیں، آپ ﷺ کھول کر دیکھیں، میں نے کپڑا اٹھایا تو وہ تم نکلیں، میرا خیال تھا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے صحیح و نافذ فرمادے گا:

۳۸۹۵:عن عائشةؓ :ان النبی ﷺ قال لها: اریتك فی المنام مرتین،اری انك فی سرقة من حریر، ویقول:هذه امرأتك فاكشف،فاذا هی انت،ان یك هذا من عند الله یمضه (بخاری،كتاب مناقب الانصار،باب تزویج النبی ﷺ عائشة ، و قدومها بالمدینة،وبنائه بها؛فتح الباری۷/۲۷۹-۲۸۱،اطراف حدیث: ۵۰۷۸، ۵۱۲۵، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲؛ كتاب النكاح، باب نكاح الابكار؛فتح الباری، ۹/۱۵۱-۱۵۲؛ باب النظر الی المرأة قبل التزویج؛ فتح الباری،۹/۲۲۶؛ كتاب التعبیر،باب كشف المرأة فی المنام؛فتح الباری، ۱۲/۳۹۹؛ مسلم،كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشةؓ [۷۹] (۲۴۳۸)؛ نووی،۵/۵۷۲ ومابعد)

اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرے احکام و جہات پر زیادہ توجہ کی ہے اور دوسرے محدثین و شارحین نے بھی مگر وحیِ حدیث کا معاملہ ان کے مباحث میں پوری طرح مضمر و موجود ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے شادی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور وحی کے سبب کی تھی (نیز ابن کثیر،البدایة، ۳/۱۳۰ بحوالہ بخاری، ترمذی)۔ مؤخر الذکر میں ہے:ان جبریل جاء ہ بصورتها فی خرقة من حریر خضراء فقال: هذه زوجتك فی الدنیا والآخرة (حضرت جبریل علیہ السلام ایک سبز ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر حضرت عائشہ کی تصویر آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں)۔ حضرت عائشہؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کی شادی کی بشارت آپ ﷺ کو رویا صادقہ میں ہی دی گئی تھی اور دوبار دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہی ام المومنین سے نکاحِ نبوی کا واقعہ پیش آیا جو وحیِ حدیث کے علاوہ تعبیر خواب کو بھی ثابت کرتا ہے۔

دارِ ہجرت کا رویا

رؤیا صادقہ، خوابِ نبوی اور منامِ مصطفوی میں وحیِ حدیث کا ایک اور اہم واقعہ دارِ ہجرت سے تعلق رکھتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں دکھایا گیا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی قوم- مسلمینِ مکہ- کو ایک نخلستان کی طرف ہجرت کرنی ہو گی۔ آپ ﷺ کا دار الہجرۃ دو پہاڑیوں، حروں، لاوے کے بنا کردہ ٹیلوں کے درمیان واقع ہو گا۔ یہ وحیِ حدیث بہت ابتدائی مکی دور میں بھیجی گئی تھی۔ کتبِ حدیث و سیرت میں متعلقہ حدیث کا متن مختلف انداز سے اور مختلف اسناد کے ساتھ ملتا ہے مگر مفہوم و معنی ایک ہے۔ امام بخاری نے حسبِ معمول مختلف کتبِ صحیح اور ان کے ابواب میں اسے روایت کیا ہے۔ اس کا اولین متن حسبِ ذیل ہے:

۳۶۲۲: عن ابی موسیٰ اراہ عن النبی ﷺ قال: رأیت فی المنام انی اھاجر من مکۃ الی ارض بھا نخل،...... ورأیت فی رؤیای ھذہ انی ھزرت سیفا فانقطع صدرہ...... ثم ھزرتہ اخری فعاد احسن ما کان،...... ورأیت فیھا بقراً واللہ خیر...... (بخاری، کتاب المناقب، ۲۵-باب علامات النبوۃ فی الاسلام؛ فتح الباری ۶/۷۶۶-۷۷۰ اطرافہ: ۳۹۸۷، ۴۰۸۱، ۷۰۳۵، ۷۰۴۱؛ مسلم، کتاب الرؤیا، باب الرؤیا ...... الخ؛ نووی، ۵/۴۳۲ ومابعد، حدیث: ۷۰۳۵: کتاب التعبیر، باب اذا رأی بقرا تنحر؛ فتح الباری، ۱۲/۵۲۶-۵۲۸؛ ابن کثیر، البدایۃ، ۴/۱۱-۱۲ بحوالہ بخاری و مسلم نیز ۳/۱۶۸-۱۶۹)

اس حدیثِ نبوی میں تین واقعات ایک ساتھ منکشف فرمائے گئے تھے اور تینوں رویا کی وحی پر مبنی ہیں: اول مکہ مکرمہ سے کسی نخلستان کی طرف ہجرتِ نبوی، دوم تلوارِ نبوی کے مرکزی حصہ کا منقطع ہونا اور گائے کا ذبح کیا جانا، سوم تلوار کا دوبارہ بہتر حالت میں ہو جانا۔ آخری دو خوابوں کا تعلق غزواتِ احد و فتحِ مکہ سے ہے جن کا ذکر سلسلہ غزوات میں ہو گا۔ اولین حصہ کا تعلق دار الہجرۃ کے مقام اور ہجرتِ نبوی کے واقعہ سے ہے۔ تاویلات و تعبیرات کا حصہ متن میں بوجوہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اسی حدیث

ہجرتِ نبوی اور دار الہجرۃ کو امام بخاری نے ہجرتِ نبوی و ہجرتِ صحابہ کے باب کے ترجمہ میں نقل کیا ہے (کتاب مناقب الانصار، باب ھجرۃ النبی ﷺ واصحابه الی المدینة؛ فتح الباری، ۷/ ۲۸۱: رأیت فی المنام الخ)۔ موصوف کی دارِ ہجرت کے خواب پر بحث ۲۸۴-۲۸۵ پر ملتی ہے۔ اس میں دوسری کتبِ حدیث جیسے بیہقی، ترمذی وغیرہ کی روایات بھی شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر کی حدیثِ ہجرت کی شرح کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو خواب کے بعد گمان گذرا کہ شاید ہجر یا یمامہ دار الہجرۃ ہوگا لیکن در حقیقت وہ مدینہ نکلا اور اس کی تعیین بھی دوسرے رویائے نبوی کے ذریعہ بعد میں کی گئی تھی۔ ان دونوں خوابوں کے درمیان زیادہ زمانی فاصلہ غالباً نہیں تھا جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام سے متعلق حدیث میں اشارہ اور قرینہ ملتا ہے۔ بہر حال اہم حقیقت یہ ہے کہ رویا کی وحی نے تعبیر بھی دکھائی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کی دارِ ہجرت کی روایات پر بحث کرتے ہوئے ایک اہم توقیت بھی کی ہے اور وہ ہے رسولِ اکرم ﷺ کے خوابِ دارِ ہجرت کی توقیت، جو انھوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کے باب میں کی ہے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن صامتؓ کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابی موصوف کو اس سے باخبر کیا تھا کہ مجھے ایک نخلستان کی طرف جانے کا حکم دیا جا چکا ہے لہٰذا تم اپنی قوم کو میری جانب سے باخبر کروگے، شاید اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ذریعہ نفع پہونچائے: "وفی روایة عبدالله بن الصامت انه قد وجهت لی ارض ذات نخل، فهل انت مبلغ عن قومك، عسى الله ان ينفعهم بك......"۔ اس کی تعمیل میں حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنی قوم میں تبلیغ کی اور ان کے بھائی انیس اور والدہ کے علاوہ بنو غفار کے نصف حصہ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابن صامت کی حدیث اس پورے قصہ پر ختم ہوتی ہے جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے۔ بعض دوسری روایات میں وضاحت سے مدینہ منورہ (یثرب) کا نام لیا گیا ہے کہ مجھے یثرب کی جانب ہجرت کا حکم دیا گیا ہے تب تک تم اپنی

قوم میں رہو۔ مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو ہدایتِ نبوی میں اس کی وضاحت ملتی ہے:......انی قد وجهت لی ارض ذات نخل لا اراها الا یثرب فهل انت مبلغ عنی قومك عسی الله ان ینفعهم بك ویاجرك فیهم......(فتح الباری، ۷/۲۲۱: نیز امام نووی، المنهاج، ۵/۴۳۱-۴۳۲ ومابعد؛ مسلم، کتاب الصحابة، فضائل ابی ذر الغفاریؓ؛ نووی، ۶/۲۶ ومابعد[۱۳۲] (۲۴۷۳)

اس توقیت سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو دارِ ہجرت سے متعلق خواب ابتدائی مکی عہد میں دکھادیا گیا تھا کیونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اولین مکی دور کا ہے اور متعدد اہلِ سیر و حدیث نے اسے خفیہ تبلیغ کے زمانے کا بتایا ہے۔ بخاری کی متنِ حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے جوشِ ایمانی میں اکابرِ قریش کے سامنے ایمان واسلام کا اعلان کیا تھا جس کے سبب وہ ان پر پل پڑے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ نے، جو اس وقت تک اسلام سے مشرف نہ تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو بچایا تھا اور اکابرِ قریش کو سمجھایا تھا کہ تم لوگ ایسے شخص کو زدوکوب کر رہے ہو جس کا علاقہ تمہاری شامی تجارت کے راستے پر پڑتا ہے۔ یہ خاص مدینہ منورہ کے راستے کی طرف اشارہ ہے اور اکابرِ قریش نے اسی خطرہ کے سبب تمام غصہ و ناراضی کے باوجود اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ حافظ ابن حجر کا دارِ ہجرت کے خواب سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسلام لانا ہجرت کے قریب کے زمانے کا تھا، بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ واضح روایات ان کے قبولِ اسلام کو بالکل ابتدائی مکی دور کے واقعہ کی حیثیت سے ثابت کرتی ہیں۔ لہذا خوابِ ہجرت اسی دور کا تھا۔ البتہ مدینہ کی تعیین کچھ مدت بعد کی گئی تھی مگر وہ بھی مکی عہد کے شروع میں ہو چکی تھی۔ صحیح مسلم کی روایت واضح و ثابت کرتی ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کے وقت رسولِ اکرم ﷺ پر کم از کم واضح تھا کہ یثرب ہی دارِ ہجرت بننے والا ہے اور ظاہر ہے کہ مخصوص صحابہ کرامؓ کو بالخصوص حضرت ابوذر غفاریؓ کو بھی اس کا یقین تھا۔

وبائے مدینہ کی دربدری کا رویا

مدینہ منورہ کے واقعی دارِ ہجرت بن جانے کے بعد اور رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے نقلِ وطن کے بعد مہاجرین میں سے کافی لوگ بیمار ہو گئے کیونکہ یثرب اس زمانے میں وبائی امراض کا ایک گڑھ تھا اور اکثر لوگ بالخصوص باہر سے آنے والے اس کی آب و ہوا برداشت نہ کر پاتے تھے۔ مہاجرینِ مکہ بھی یثرب / مدینہ کی بیماری کا شکار ہوئے۔ ان میں حضرات ابو بکر صدیق، بلال حبشی اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ذکر متعدد احادیث میں آتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بارگاہِ رب العزت میں مدینہ سے بیماری دور کرنے کی دعا فرمائی اور بقولِ اصحابِ سیرت وحدیث وہ دعا مستجاب ہوئی۔ دعائے نبوی کی مقبولیت اور مدینہ منورہ سے وبا اور بیماری کے دور ہو جانے کو ایک استعارہ کی شکل میں خواب ورویائے نبوی میں دکھایا گیا۔ امام بخاری نے اس ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں نے ایک خواب میں ایک پراگندہ بال و حال، بدہیئت بوڑھی عورت کو دیکھا جس کو مدینہ سے جحفہ نامی علاقے کی طرف شہر بدر کر دیا گیا"۔

اپنے خوابِ حقیقت نما کی تعبیر آپ ﷺ نے خود فرمائی کہ اس بدہیئت عورت سے مراد وبائے مدینہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شہر نبوی سے دور کر کے جحفہ نامی جگہ منتقل فرما دیا اور اصحاب رسولِ اکرم ﷺ کو اس سے تحفظ عطا فرما دیا ہے:

۷۰۳۹: "......عن عبداللہ بن عمرؓ فی رؤیا النبی ﷺ فی المدینہ رأیت امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتی نزلت بمھیعۃ، فتأولتھا ان وباء المدینۃ نقل الی مھیعۃ، وھی الجحفۃ."

(بخاری، کتاب التعبیر، ۴۲- باب المرأۃ السوداء؛ نیز حدیث: ۷۰۴۰: باب المرأۃ الثائرۃ الرأس؛ فتح الباری، ۱۲/ ۵۳۲-۵۳۳، نیز حدیث: ۷۰۳۸: باب اذا رأی انہ اخرج الشئی من کوۃ واسکنہ موضعا آخر؛ فتح الباری، ۱۲/ ۵۳۱-۵۳۲ وغیرہ دوسرے ابواب)

امامِ سیرت ابن اسحاق نے صحابہ کرامؓ کی وبائے مدینہ سے بیماری و علالت پر ایک

مختصر فصل باندھی ہے۔اس میں ان صحابہ کرامؓ کا بطور خاص ذکر ہے جو اس سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔اس میں بھی اس دعائے نبوی کا ذکر ملتا ہے اگرچہ اس میں رویا کے ذریعہ وباء کے منتقل ہونے کی خبر نہیں دی گئی ہے، تاہم وہ اس میں بھی مضمر ہے۔وبائے مدینہ کا ایک کالی بدہیئت عورت کی صورت میں دکھایا جانا اور اس کا شہر بدر کیا جانا رویا صادقہ کی وحی پر مبنی ہے۔دارِ ہجرت کے خواب سے بھی اس کا تعلق ہے۔دونوں میں استعارات و علائم کا سہارا لیا گیا ہے جس پر بحث بعد میں آتی ہے (ابن ہشام ۱/ ۵۸۸-۵۹۰: ذکر من اعتل من اصحاب رسول اللہ ﷺ؛ ابن کثیر، البدایۃ ۳/ ۲۲۳)

مناقبِ فاروقی و خاندانِ فاروقی کے رویا نبوی

علم کی فضیلت سے متعلق ایک حدیثِ نبوی میں خواب کے اندر وحی آنے کا ذکر ملتا ہے۔وہ بہت مشہور حدیث و روایت ہے۔امام بخاری نے اس کو متعدد ابواب میں نقل کیا ہے۔رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ میں محوِ خواب تھا کہ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا میں نے اس سے پیا اور خوب سیراب ہو گیا پھر وہ پیالہ عمر بن خطاب کو دے دیا۔رسولِ اکرم ﷺ کے اس خواب کی تعبیر صحابہؓ نے پوچھی تو آپ ﷺ نے اس سے علم کو مراد لیا۔

۸۲-عن ابن عمر قال: سمعت رسول اللہ ﷺ قال: بینا انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لاری الریّ یخرج فی اظفاری، ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب، قالوا فما اوّلتہ یارسول اللہ؟ قال: العلم (بخاری، کتاب العلم، باب فضل العلم، اطرافہ فی: ۳۶۸۱، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۲؛ فتح الباری، ۱/ ۲۳۶-۲۳۷ وغیرہ، بخاری، کتاب التعبیر، باب اللبن، حدیث: ۷۰۰۶؛ فتح الباری، ۱۲/ ۲۹۱-۲۹۳ نیز حدیث: ۷۰۰۷، باب اذا جری اللبن فی اطرافہ او اظافیرہ؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمرؓ [۱۶] (۲۳۹۱)؛ نووی ۵/ ۵۳۸)

حضرت عمرؓ کی فضیلت و منقبت میں بعض دوسری احادیثِ نبویہ وارد ہوئی ہیں اور ان کا تعلق بھی رویائے نبوی سے ہی ہے۔ امام بخاریؒ نے ایک ہی معنی کی دو احادیث مختلف سند اور مختلف متن کے ساتھ ایک ہی جگہ نقل فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ایک قصرِ جنت دکھایا گیا اور آپ ﷺ کے استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرؓ کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے اس میں داخل ہونا چاہا مگر حضرت عمرؓ کی غیرت یاد کر کے اندر تشریف نہیں لے گئے۔ دوسرے خواب میں یہ وضاحتِ مزید ہے کہ ایک عورت قصرِ جنت کے ایک جانب وضو کر رہی تھی...... حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کا بیان سنا تو رو پڑے کہ آپ ﷺ پر میں غیرت کروں گا!

۵۲۲۶: "عن جابر بن عبداللہؓ عن النبی ﷺ قال: دخلت الجنة او اتیت الجنة فابصرت قصرا، فقلت، لمن هذا؟ قالوا: لعمر بن الخطاب. فاردت ان ادخله، فلم یمنعنی الا علمی بغیرتك. قال عمر بن الخطاب: یا رسول الله، بابی انت وامی یا نبی الله، اَوَ علیك اغار؟" (مسلم، مذکورہ بالا [۲۰] (۲۳۹۴) نیز مابعد؛ نووی، ۵/ ۵۴۱-۵۴۲)

۵۲۲۷: "عن ابی هریرة قال: بیننا نحن عند رسول الله ﷺ جلوس، فقال رسول الله: بینما انا نائم رأیتنی فی الجنة، فاذا امرأة تتوضأ الی جانب قصر، فقلت: لمن هذا؟ قال: هذا لعمر، فذکرت غیرته فولیت مدبرا، فبکی عمر وهو فی المجلس ثم قال: اَوَ علیك، یا رسول الله، اغار؟" (بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرة؛ فتح الباری، ۹/ ۳۹۷ متن کے لئے؛ ۴۰۳-۴۰۴ شرحِ ابن حجر کے لئے)

دونوں روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ کو جنت میں ملنے والے قصر کا دیدار رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں کرایا گیا۔ اس دیدار کی کیفیت وحیِ حدیث یعنی رویائے نبوی پر مبنی ہے اور باقی مجلسی تعبیر بعد کا واقعہ ہے۔ حافظ ابنِ حجر نے بھی اپنی تشریح میں لکھا ہے کہ پہلی حدیث سے نہیں معلوم ہوتا کہ دیدارِ نبوی بیداری میں تھا یا خواب

میں مگر دوسری روایت نے وضاحت کردی کہ وہ خواب کا واقعہ ہے۔امام بخاریؒ نے اس روایت کو خاتونِ جنت کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے۔ویسے غیرتِ فاروقی اور اس کے ادراک کا حوالہ دونوں جگہ موجود ہے۔ لیکن نکاح کے باب میں خاتون جنت کا حوالہ بہت ہی معنی خیز ہے۔

منقبت و فضیلتِ فاروقی میں رسولِ اکرم ﷺ کے کئی اور رویائے صادقہ کا ذکر امام بخاری نے کتاب التعبیر کے مختلف ابواب میں کیا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خواب میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کی قمیص صرف سینے تک پہونچتی ہے یعنی بہت ہی چھوٹی ہے اور بعض کی اس سے بھی زیادہ چھوٹی ہیں لیکن عمر بن خطاب میرے پاس سے گذرے تو ان کی قمیص زمین پر گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔لوگوں کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر دین ہے۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسری روایات بھی اس حدیث کی تائید میں نقل کی ہیں جو قمیصوں کی دوسری اقسام اور ان کی لمبائی چھوٹائی بیان کرتی ہیں۔ان میں معانی کی ترسیل بھی ہے۔

۷۰۰۸:"...... سمع ابا سعید الخدری یقول:قال رسول اللہ ﷺ:بینما انا نائم رأیت الناس یعرضون علیّ وعلیهم قمص، منها ما یبلغ الثدی، ومنها مایبلغ دون ذلك ،ومر علیّ عمر بن الخطاب،وعلیه قمیص یجرّہ، قالو:ما اولته یا رسول الله؟قال:الدین"(بخاری، کتاب التعبیر، ۱۷-باب القمیص فی المنام،حدیث: ۷۰۰۹،باب جر القمیص فی المنام؛فتح الباری، ۱۲/ ۴۹۳-۴۹۶؛ مسلم،کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمرؓ[۱۵] (۲۳۹۰)وغیرہ؛نووی،۵/۵۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرزندِ صالح حضرت عمر بن خطابؓ کے خوابوں کا ذکر تصدیق نبوی کے ذیل میں کرنا موزوں تھا مگر یہاں سلسلہ پدری کی مناسبت سے ذکر کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔انھوں نے کئی خواب دیکھے اور ان کی تعبیر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمائی اور ان کی بنا پر ان کو مردِ صالح قرار دیا جیسا کہ حدیث:۷۰۱۶اور ۷۰۳۰ میں ہے۔

حدیث:۷۰۲۸ میں ان کو یہ بشارت ایک فرشتے نے سنائی تھی اور کثرتِ نماز کا مشورہ دیا تھا۔ لہذا یہ خوابِ صالحین کے مقام سے اٹھ کر رویا صادقہ بن گئے اور رسولِ اکرم ﷺ کی تصدیق کے سبب ان کو وحیِ حدیث کا اعزاز بھی مل گیا۔وحیِ حدیث میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ایک خواب میں فرشتہ نے حضرت ابن عمر کو رجل صالح کہا اور زیادہ نماز پڑھنے کا مشورہ دیا اور دوسری حدیث میں اسے رسول اکرم ﷺ کا قول کہا گیا ہے۔

۷۰۱۵:"عن ابن عمرؓ :رأیت فی المنام کأن فی یدی سرقة من حریر لااھوی بھا الی مکان فی الجنة الا طارت بی الیه،فقصصتھا علی حفصة"۔

۷۰۱۶:"فقصتھا حفصة علی النبیﷺ فقال: ان اخاك رجل صالح، او قال: ان عبدالله رجل صالح"(بخاری،کتاب التعبیر،۲۵-باب الاستبرق ودخول الجنة فی المنام؛ فتح الباری، ۱۲/ ۵۰۴-۵۰۵؛ مسلم،کتاب فضائل الصحابة،باب من فضائل ابن عمرؓ[۱۳۹](۲۴۷۸)ومابعد احادیث؛نووی ۶/ ۳۲-۳۳ومابعد)

۷۰۲۸:...... ان ابن عمر قال: ان رجالا من اصحاب رسول اللهﷺ کانوا یرون الرؤیا علی عھد رسول اللهﷺ فیقصونھا علی رسول اللهﷺ فیقول فیھا رسول اللهﷺ ما شاء الله وانا غلام حدیث السن وبیتی المسجد قبل ان انکح،فقلت فی نفسی:لو کان فیك خیر لرأیت مثل ما یری ھولاء.فلما اضطجعت لیلة،قلت:اللھم ان کنت تعلم فیّ خیرا فارنی رؤیا.فبینما انا کذلك اذ جاء نی ملکان، فی ید کل واحد منھما مقمعة من حدید یقبلان بی الی جھنم وانا بینھما ادعوالله:اللھم اعوذ بك من جھنم،ثم ارانی لقینی ملك فی یده مقمعة من حدید فقال:لن تُراعَ، نعم الرجل انت لو تکثر الصلاة. فانطلقوا بی حتی وقفوا بی علی شفیر جھنم،فاذا ھی مطویة کطی البئر،له قرون کقرون البئر،بین کل قرنین ملك بیده مقمعة من حدید، واری فیھا رجالا معلقین بالسلاسل، رؤوسھم اسفلھم، عرفت فیھا رجالا من قریش،فانصرفوا عن ذات

الیمین/۷۰۲۹ فقصصتها علی حفصة...... (مثل ۷۰۱۶: کتاب التعبیر، باب الامن و ذهاب الروع فی المنام؛ فتح الباری، ۱۲/۵۲۱-۵۲۳ نیز حدیث: ۷۰۳۰ : مثل ۷۰۲۸ مع اختلافات، باب الاخذ علی الیمین فی النوم؛ فتح الباری، ۱۲/ ۵۲۳-۵۲۴)

آئندہ واقعات کے رویا نبوی

آئندہ واقعات سے متعلق رویائے نبوی میں وحیِ حدیث کا ایک نمونہ رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں ملتا ہے جو عہدِ نبوی کے دو جھوٹے نبیوں-اسود عنسی اور مسیلمہ حنفی- کے بارے میں ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ خواب میں رسولِ اکرم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔مجھے ان کی شان نے فکر مندی میں مبتلا ہی کیا تھا کہ خواب ہی میں وحی کی گئی کہ میں ان میں پھونک ماروں۔میں نے پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے۔میں نے ان دونوں کی تعبیر یا تاویل یہ کی کہ میرے بعد دو کذاب (جھوٹے) خروج کریں گے۔ان میں سے ایک عنسی ہو گا اور دوسرا مسیلمہ۔اس کے معا بعد دوسری حدیث میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی مضمون لایا گیا ہے:

۴۳۷۴:......فاخبرنی ابوهریرة "ان رسول اللهﷺ قال:بینا انا نائم رأیت فی یدی سِوارین من ذهب،فاهمنی شانهما،فاوحی الیّ فی المنام ان انفخهما،فنفختهما فطارا، فاولتهما کذّابین یخرجان بعدی:احدهما العنسی و الآخر مسیلمة".

۴۳۷۵:......ابا هریرةؓ یقول:"قال رسول اللهﷺ:بینا انا نائم اتیت بخزائن الارض، فوضع فی کفی سواران من ذهب،فکبرا علیّ،فاوحی الیّ ان انفخهما،فنفختهما فذهبا،فاولتهما الکذّابین اللذین انا بینهما: صاحب صنعاء، وصاحب الیمامة".

(بخاری، کتاب المغازی،باب وفد بنی حنیفة،وحدیث ثمامة بن اثال؛ فتح

الباری، ۸/۱۱۱-۱۱۳ نیز حدیث:۷۰۴۳؛ نیز کتاب التعبیر، ۳۸-باب اذا طار الشی فی المنام؛ حدیث: ۷۰۳۳ اور حدیث:۷۰۳۴؛فتح الباری، ۱۲/ ۵۲۵- ۵۲۶؛حدیث ۷۰۳۷، کتاب التعبیر، باب النفخ فی المنام؛فتح الباری، ۱۲/۵۲۸-۵۳۰؛ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ؛نووی، ۲/۱۷۹-۱۸۰[۶-۷] (۵۲۳)؛ کتاب الرؤیا، باب الرؤیا:نووی، ۵/۴۳۳ ومابعد)

ان دونوں احادیث میں اگرچہ متن مختلف ہے تاہم مفہوم یکساں ہے۔ شاید یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بالمعنی ہے اور عین ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دو بار اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہو اور ہر بار تعبیر و انداز کو بدل دیا ہو۔ بہر حال ان دونوں میں نہ صرف رویا کا ذکر ہے بلکہ خواب میں وحی کئے جانے کا واضح بیان ملتا ہے جو وحیِ حدیث کا قاطع ثبوت ہے۔ اگلے باب میں "قصة الاسود العنسی" کے تحت امام بخاری نے یہی حدیث حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے اور اس میں لفظ وحی کی جگہ "اُذِنَ" ہے اور وہ بھی ارشادِ الٰہی اور وحیِ الٰہی کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے (حدیث:۴۳۷۹؛فتح الباری ۸/۱۱۵-۱۱۷)

فتنوں سے متعلق رویا

رویائے نبوی میں رسولِ اکرم ﷺ کو بعد کے زمانے میں بارش کی طرح برسنے والے فتنوں کا علم دیا گیا اور مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ کتاب الفتن میں امام بخاری اور دوسرے محدثینِ کرام نے اس موضوع پر بہت سی احادیث نقل کی ہیں اور ان میں سے بعض میں رویا کا حوالہ پایا جاتا ہے۔ بعض دوسرے ابواب و کتب میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مختلف موضوعاتی مناسبت اور فقہی بصیرت کے سبب سے کیا گیا ہے۔ لیکن بعض احادیثِ فتن میں رویا اور خواب کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ ان کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ وہ وحی کے ہی کسی ذریعہ سے آپ ﷺ کے علم میں لائے گئے تھے صحیح ہوگا۔ ان میں سے بعض فتنوں کا مشاہدہ رسولِ اکرم ﷺ کو جاگتی آنکھوں سے بیداری کے عالم میں کرایا گیا جسے کشف و بیداری کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال فتن (فتنوں) سے متعلق ایک حدیث امامانِ

حدیث نے بیان کی ہے اور اس میں رویا سے جاگنے کا واضح ذکر پایا جاتا ہے اور فتنوں کا بھی:
آپ ﷺ نے خواب سے جاگ کر ایک رات فرمایا: سبحان اللہ: آج رات کتنے فتنے نازل کئے گئے اور کتنے خزانے فتح کئے گئے، حجرے والیو! جاگو......

۱۱۵-عن ام سلمة قالت: استیقظ النبی ﷺ ذات لیلة فقال: سبحان الله ماذا انزل اللیلة من الفتن وماذا فتح من الخزائن. ایقظوا صواحبات الحجر، فرب کاسیة فی الدنیا عاریة فی الآخرة.

(بخاری، کتاب العلم، باب العلم والعظة باللیل؛ فتح الباری، ۱/ ۲۷۷-۲۸۹-
اطرافِ حدیث: ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹؛ فتح الباری کی مختلف و متعلق جلدیں اور صفحات؛ کتاب الفتن، ۶-باب لا یأتی زمان الا الذی بعده شر؛ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب اقتراب ظهور الفتن[۱] (۲۸۸۰)؛ نووی، ۶/ ۳۳۳-۳۳۴ ومابعد)

فتنوں کی رویتِ خواب کے علاوہ اس حدیثِ نبوی میں فتوحات اور فتوحِ خزائن کا ذکر بھی ہے اور بہت اہم ہے۔ ان کے تعلق سے الگ بحث کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن فتنوں کے خواب میں یا بیداری میں مشاہدہ و رویت کا ذکر یہاں مزید کرنا ٹھیک ہے۔
حضرت ام سلمہؓ کی ایک اور حدیث دوسرے متن کے ساتھ امام بخاری نے حسبِ معمول دوسری کتاب و باب میں نقل کی ہے۔ اس کا متن حسبِ ذیل ہے:

۷۰۵۹:......عن زینب ابنة جحشؓ انها قالت: استیقظ النبی ﷺ من النوم محمرا وجهه وهو یقول: لا اله الا الله، ویل للعرب من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم ماجوج مثل هذه-وعقد سفیان تسعین اومائة-قیل: أ نهلك وفینا الصالحون، قال: نعم، اذا کثر الخبث.

(مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب اقتراب ظهور الفتن[۱] (۲۸۸۰)؛ نووی، ۶/ ۳۳۳ ومابعد؛ بخاری، کتاب الفتن، ۴-باب قول النبی ﷺ: ویل للعرب من شر قد اقترب؛ فتح الباری، ۱۳/ ۱۵-۱۶؛ نیز کتاب الفتن، ۲۸-باب یاجوج و ماجوج، حدیث: ۷۱۳۵؛

۱۳۶/۷؛ فتح الباری، ۱۳/ ۱۳۲-۷ ۱۳)

اول الذکر حدیث سے دوسری حدیثِ ام المؤمنین مختلف ہے اور وہ دو واقعات کے بارے میں دو الگ الگ پیش گوئیاں بیان کرتی ہے۔ دوسری حدیث بھی رویا صادقہ پر مبنی ہے اور اس میں ایک فقرہ طریقہ وحی کی شدت بھی بتاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ خواب سے جاگے تو چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا۔ پھر فرمایا "اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، عربوں کی خرابی آگئی اس شر کی بنا پر جو قریب آگیا۔ آج اس قدر حصہ یاجوج ماجوج کے بند سے کھل گیا۔ سوال کیا گیا کہ ہم اس وقت بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جب ہم میں نیک لوگ ہوں گے، فرمایا: ہاں، جب خباثت کی کثرت ہو جائے گی"۔

رویا صالحہ جزءِ نبوت

رویا صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے اور اس کی مختلف تعبیرات حدیثِ نبوی میں آئی ہیں اور امام بخاری نے ان کو مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ سچے خوابوں کے جزءِ نبوت ہونے کا ایک پہلو اور ایک جہت تو رسول اکرم ﷺ کے رویائے صالحہ کی ہے اور وہ سمجھ میں آتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو اولین چھ ماہ کے زمانے میں رویا صالحہ ہی دکھائے گئے اور پھر وحی کلامی کا آغاز ہوا۔ اس لئے وہ نبوت کا جزء ہے اور اس میں کسی قسم کا کلام نہیں اور وہ وحیِ حدیث میں ہے۔ دوسری جہت یہ ہے کہ صالحین مؤمنین کے رویا صالحہ کو بھی جزءِ نبوت قرار دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے صالح اور نیک بندوں کو بطور انعام عطا فرماتا رہے گا۔ لیکن یہ صحابہ کرامؓ کے ان رویا صالحہ کو مقامِ بلند حاصل ہے جن کو انھوں نے عہدِ نبوی میں دیکھا اور رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے بیان کیا اور آپ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمادی، اب وہ ان کے خواب نہیں رہ گئے تھے بلکہ نبوی رویا صالحہ بن گئے تھے کیونکہ اگر آپ ﷺ ان کی تصدیق نہ فرماتے تو وہ ان کے خواب رہتے اور آپ ﷺ کی تصدیق سے وہ جزءِ نبوت بن گئے۔ اس اعتبار سے ان کا بیان اور ان کی تفسیر بھی وحیِ حدیث بن گئی کہ ان پر نبوی مہر

تصدیق ثبت ہو گئی تھی۔ صحابہ کرامؓ کے متعدد خوابوں کی تائید و توثیق نبوی پر مشتمل احادیث ملتی ہیں۔ ان کا مختصر ترین ذکر کیا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے چھیالیسویں جزءِ نبوت ہونے کی احادیث:

۶۹۸۳-عن انس:...... الرؤیا الحسنة من الرجل الصالح جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة:طرف حدیث:۶۹۹۴

۶۹۸۶:عن ابی قتادة:......الرؤیا الصالحة من الله......

۶۹۸۷:عن عبادة بن الصامت:......رؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة.

۶۹۸۸:عن ابی هریرة:......رؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة.

۶۹۸۹:عن ابی سعید الخدری:......الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة.

۶۹۹۴:عن انس:...... ورؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة.

۷۰۱۷:عن ابی هریرة:رؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة،وما کان من النبوة فانه لا یکذب(بعد کے مومن کا رویا بھی جزءِ نبوت)

(بخاری، کتاب التعبیرات، ۲-باب رؤیا الصالحین، ۴-باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعین جزءا من النبوة؛فتح الباری، ۱۲/ ۴۵۳-۴۸۰ ومابعد، نیز ۱۰-باب من رأی النبی ﷺ فی المنام؛ ۲۶-باب القید فی المنام؛فتح الباری، ۱۲/۵۰۵-۵۱۲(مفصل بحث حافظ ابن حجر)؛ مسلم ،کتاب الرؤیا،باب الرؤیاالصالحة ورؤیا السوء؛[۶](۲۲۶۳)وغیرہ؛ نووی،۵/۴۲۳-۴۲۵ ومابعد)

ان تمام روایات سے مومن کے سچے خوابوں کا چھیالیسواں جزءِ نبوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بعض دوسری احادیث میں ان کو صرف مبشرات کا درجہ دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے سچے خوابوں کی تصدیقِ نبوی پر مشتمل احادیث

۷۰۱۰:عن قیس بن عباد: رسول اکرم ﷺ نے صحابی کے خواب کی تصدیق کی اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو اہلِ جنت قرار دیا (بخاری، کتاب التعبیر، ۱۹-باب الخضر فی المنام، والروضة الخضراء؛ فتح الباری، ۱۲/۴۹۶-۴۹۹؛۵۰۱: حدیث ۷۰۱۴؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، فضائل عبدالله بن سلام؛ نووی، ۶/۳۵ ومابعد)

۶۹۹۱:عن ابن عمرؓ: لیلة القدر کے بارے میں متعدد صحابہ کا خواب: آخری ہفتہ یا عشرہ رمضان میں (۸-باب التواطؤ علی الرؤیا، فتح الباری، ۱۲/۴۷۴-۴۷۵)

۷۰۰۳: حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ کے بارے میں حضرت ام العلاءؓ کا خواب:

۷۰۰۴: حضرت عثمانؓ کے مذکورہ عمل کی تعبیر نبوی (۱۳-باب رؤیا النساء؛ فتح الباری، ۱۲/۴۹۰-۴۹۱؛ باب العین الجاریة فی المنام؛ فتح الباری، ۱۲/۵۱۴)

بعد کے صالحین کے سچے خوابوں کی سچائی جانچنے کا کوئی پیمانہ یا معیار نہیں رہا لہذا وہ مبشراتِ نبوت ہیں جیسا کہ حدیث میں صراحت کی گئی ہے:

۶۹۹۰:عن ابی هريرة: ......لم يبق من النبوة الا المبشرات، قالوا: وما المبشرات: قال: الرؤيا الصالحة (۵-باب المبشرات؛ فتح الباری، ۱۲/ ۴۶۹-۴۷۰)

البتہ رسولِ اکرم ﷺ کے خواب میں دیدار کو جزءِ نبوت قرار دیا جا سکتا ہے (حدیث: ۶۹۹۳-۶۹۹۷؛ ۱۰-باب من رأی النبی ﷺ فی المنام؛ فتح الباری، ۱۲/۴۷۸-۴۸۸)

بعض اوقات رسولِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں بعض صحابہ کرامؓ نے تعبیر خواب بیان کی جیسے حدیث: ۷۰۴۶ کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے ایک دوسرے صحابی کے خواب کی تعبیر بتائی تھی (کتاب التعبیر، باب من لم یر الرؤیا الخ؛ فتح الباری، ۱۲/۵۳۹-۵۴۷)۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کی موجودگی میں خواب کی تعبیر بتائی تھی اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق بھی فرمادی تھی اس لئے وہ باقاعدہ حدیث اور وحیِ حدیث کے زمرے میں آگیا۔ صرف سکوتِ نبوی کی صورت میں وہ تقریر کی بنا پر حدیث بن جاتی۔

اذان کا رویا صالحہ

صحابہ کرام کے رویا صادقہ کے ذریعہ وحی حدیث اور رسولِ اکرم ﷺ کی تقریر کے سبب اس کے حدیث اور وحی بننے کا سب سے بڑا واقعہ اذان کی مشروعیت کا ہے۔ روایات واحادیث کا اتفاق ہے کہ اذان رویا کے ذریعہ مشروع اور قائم وجاری ہوئی اور اہم بات ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا رویا صادقہ نہ تھا بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کے دو صحابہ کرام۔ حضرات عبداللہ بن زید حارثی خزرجی انصاریؓ اور حضرت عمر بن خطاب عدوی قریشیؓ۔ کے مماثل رویا صادقہ کے واقعات تھے اور وہ دونوں صحابہ کرام کو بیک وقت دکھائے گئے تھے۔ ان میں سے ایک حسنِ اتفاق سے مدنی صحابی تھے اور دوسرے مکی صحابی۔ ان دونوں کے رویائے اذان کی روایات بہت دلچسپ اور اہم ہیں: (بخاری، کتاب الاذان، باب بدء الاذان، حدیث ۶۰۴-؛فتح الباری، ۲/ ۱۰۳-۱۰۹نیز مابعد: بحثِ حافظ ابن حجر عسقلانی)

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے اذان کی مشروعیت پر تمام روایات واحادیث کو جمع کر کے ان پر بحث بھی کی ہے جس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

۱- حضرت عبداللہ بن زید حارثی خزرجیؓ کا خواب ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ رات میں انھوں نے ایک شخص کو ناقوس لے کر جاتے ہوئے دیکھا تو اس کو خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے مصرف پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ اس کو بجا کر ہم نماز کے لئے لوگوں کو بلایا کریں گے۔ اس شخص (طائف) نے کہا کہ میں اس سے بہتر چیز بتاتا ہوں اور اس نے اذان کے کلمات سکھائے۔ صبح کو انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے اور حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا کہ وہ بلند ترین آواز کے مالک تھے۔

(ابن ہشام ۱/ ۵۰۸-۵۰۹:...... اذ رؤی عبداللہ بن زید...... النداء...... فلما اخبر بها رسول اللہ ﷺ قال: انها لرؤیا حق، ان شاء اللہ، فقم مع بلال فالقها علیه......)

۲- حضرت عمر بن خطاب قریشیؓ نے اپنے گھر میں اذانِ بلال سنی تو اپنی چادر گھسیٹتے

ہوئے تیزی سے حاضرِ خدمت ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ انھوں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا: **فلما اذن بها بلال سمعها عمر بن الخطاب وهو فی بیته، فخرج الی رسول الله ﷺ وهو یجر رداء ه، وهو یقول: یانبی الله، والذی بعثك بالحق لقد رأیت مثل الذی رأی......**

۳-اس حدیث کو امامانِ حدیث میں سے امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابنِ ماجہ اور امام ابنِ خزیمہ نے ابنِ اسحاق سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور امام ابنِ خزیمہ وغیرہ نے اس کو حدیثِ صحیح قرار دیا ہے۔

۴-امام ابو داؤد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خواب کے سفیر نے حضرت عبداللہؓ کو اقامت کے مختلف الفاظ بھی سکھائے تھے اور امام ابنِ ماجہ نے اس حدیث کو بھی امام ابن اسحاق کی سند سے بیان کیا ہے۔

۵-امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند سے ابنِ اسحاق کی روایت کے مانند روایت نقل کی ہے۔

۶-امام ابنِ ہشام کی روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ پر وحی اتری تھی جس نے اذان کے کلمات بتائے تھے اور وہ وحی حضرت عمرؓ کے رویا سے قبل آئی تھی۔

"......**فذهب عمر الی النبی ﷺ لیخبره بالذی رأی، وقد جاء النبی ﷺ الوحی بذلك، فما راع عمر الا بلال یؤذن، قال رسول الله: حین اخبره بذلك، قد سبقك بذلك الوحی**" (ابن کثیر، البدایۃ، ۳/۲۳۱-۲۳۳؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/۲۶۹-۲۷۲؛ ابن ہشام ۱/۵۰۸-۵۰۹)

اذان سے متعلق تین طرح کی روایات ملتی ہیں: حضرت عبداللہ بن زید کا خواب، حضرت عمر فاروق کا خواب، اور رسولِ اکرم ﷺ کے پاس وحی کے آنے کی خبر۔ آخری روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رویا کے علاوہ کوئی اور وحی تھی جو آپ ﷺ کے پاس آئی تھی۔ درایت یہ کہتی ہے کہ اس سے حضرت عبداللہؓ کا ہی خواب مراد ہے کہ وہ پہلے بیان ہو چکا تھا۔

رویائے صحابہ اور شبِ قدر

صحابہ کرام کے رویا صادقہ کا ایک اہم معاملہ شبِ قدر (لیلۃ القدر) کی تاریخ کے تعین سے متعلق و مربوط ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ شبِ قدر سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ نے بھی رویا صادقہ دیکھا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ رویا میں اس کی تاریخ قطعی طور سے متعین کر دی گئی تھی لیکن اہلِ بیت کے ناوقت جگانے سے وہ آپ ﷺ کو بھلا دی گئی۔ دوسری احادیث کے مطابق آپ ﷺ نے رویائے صحابہ کی تعبیر یوں فرمائی کہ آخری سات دنوں میں یا آخری عشرۂ رمضان کی طاق راتوں میں اس کو تلاش کیا جائے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے اس کو اول سات دنوں میں ہونے کا خواب دیکھا اور بعض نے آخر کے سات دنوں میں۔ ایک شخص نے صرف ستائیسویں شب میں۔ لیکن اس کی تعبیرِ نبوی مختلف ہے۔ ان احادیث و روایات میں پہلے صحابہ کرامؓ کے ان خوابوں کا ذکر جن میں شبِ قدر کی تعیین ملتی ہے پھر وہ روایات جن میں تعیین نہیں ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رویا دیکھا کہ لیلۃ القدر ستائیسویں کی رات ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے رویا آخری دس دن سے متعلق ہیں لہٰذا ان کو طاق راتوں میں تلاش کرو: [۲۰۷]: عن سالم عن ابیہؓ قال: رأی رجل ان لیلۃ القدر لیلۃ سبع و عشرین فقال النبی: اری رؤیا کم فی العشر الاواخر فاطلبوھا فی الوترمنھا.

حدیث [۲۲۰] (۷۶۲) کے مطابق حضرت ابی بن کعبؓ ستائیسویں شب کو ہی لیلۃ القدر مانتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی علم و عمل تھا: عن زر بن حبیش سألت ابی بن کعبؓ فقلت: ان اخاك ابن مسعود یقول: من یقم الحول یصب لیلۃ القدر، فقال: رحم اللہ ارادان لا یتکل الناس، اما انہ قد علم انھا فی رمضان، وانھا فی العشر الاواخر، وانھا لیلۃ سبع و عشرین، ثم حلف لا یستثنی

انها ليلة سبع و عشرين. فقلت: بأى شئى تقول ذلك يا ابالمنذر؟قال: بالعلامة او بالآية التى اخبرنا رسول اللهﷺ انها تطلع يومئذ لاشعاع لها.

[۲۲۱]......واكبر علمى هى الليلة التى امرنا رسول الله ﷺبقيامها هى ليلة سبع عشرين.

۲-حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ میں کچھ لوگوں کو خواب میں لیلۃ القدر دکھائی گئی کہ وہ آخری سات دنوں میں ہوتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خواب اس امر پر متفق ہیں کہ وہ آخری سات دنوں میں ہوتی ہے لہذا جو تلاش کرنا چاہے وہ ان دنوں میں تلاش کرے:[۲۰۵](۱۱۶۵):......عن ابن عمرؓ ان رجالا من اصحاب النبیﷺ اروا ليلة القدر فى المنام فى السبع الاواخر، فقال رسول اللهﷺ:ارى رؤياكم قد تواطات فى السبع الاواخر، فمن كان متحريها فليتحرها فى السبع الاواخر.

۳-حضرت ابن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو لیلۃ القدر کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگوں میں سے کچھ کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اول سات دنوں میں ہوتی ہے اور کچھ دوسروں کو دکھایا گیا کہ وہ آخری سات دنوں میں ہوتی ہے لہذا اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو:[۲۰۸]:......عن سالم بن عبدالله بن عمر ان اباهؓ انه قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول لليلة القدر:ان ناسا منكم قد اروا انها فى السبع الاول،وارى ناس منكم انها فى السبع الغوابر،فالتمسوها فى العشر الغوابر.

۴-رسولِ اکرم ﷺ کو لیلۃ القدر دکھائی گئی لیکن آپ ﷺ کے بعض گھر والوں نے آپ ﷺ کو جگادیا لہذا وہ آپ ﷺ کو بھلادی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے آخری دس دنوں /راتوں میں تلاش کرو:[۲۱۲](۱۱۶۶):عن ابى هريرةؓ ان رسول اللهﷺ قال: اريت ليلة القدر، ثم ايقظنى بعض اهلى فنسيتها،فالتمسوها فى العشر الغوابر......(مسلم، كتاب الصيام،باب ليلة القدر فى وتر العشر الاواخر من رمضان؛ نووی،المنہاج،۳/۲۳۹-۲۴۱ ومابعد)

رویاء نبوی۔سلسلہ غزوات

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرتِ نبوی اور یثرب کو دارِ ہجرت بنائے جانے سے متعلق رویائے نبوی میں غزواتِ نبوی کی بشارات بھی ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے یہ رویا صالحہ اور رویا صادقہ بالکل ابتدائی مکی دور میں دیکھا تھا۔اس لحاظ سے اس خواب میں غزواتِ مدنی کا انکشاف بہت اہم ہے۔حدیث و قرآن اور سیرت و تاریخ سے یہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو اولین روزِ نبوت سے اپنی کامیابی اور غلبہ کا یقین تھا۔ حضرت ورقہؓ بن نوفل اسدی نے اولین آیاتِ سورۂ اقراء کے نزول کے بعد رسولِ اکرم ﷺ سے سارا واقعہ سن کر ہجرتِ نبوی اور غلبہ نبوی دونوں کی پیشگوئی بھی کی تھی جیسا کہ وحیِ قرآنی کے آغاز میں وارد حدیث میں حضرت ورقہؓ بن نوفل اسدی کی پیشگوئی بھی موجود ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ہجرت کرنی پڑے گی۔ہجرتِ نبوی کی حتمی پیشگوئی سنتِ انبیاء کرام کے سبب تھی کہ بقولِ حضرت ورقہؓ جو شخص بھی ایسا پیغام لایا اس کو اپنے وطن سے ضرور نکالا گیا۔رسولِ اکرم ﷺ کے غلبہ اور کامیابی اور غزوات کی پیشگوئی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ نبی آخر الزمان ہیں لہذا اسلام کا غلبہ ایک منطقی لازمی امر ہے جو بہر حال پورا ہو کر رہے گا اس لئے ہجرت کی پیشگوئی پر سب کو یقین تھا۔

ایک عالمِ کتابِ الٰہی اور مومنِ صادق اور موحدِ مسلم کی پیشگوئی کو قرآنِ مجید کی بعد کی نازل شدہ آیاتِ کریمہ نے بالکل مدلل کر دیا۔رسولِ اکرم ﷺ نے وحیِ الٰہی سے پکا یقین حاصل کر لیا کہ جس طرح انبیائے سابقین۔حضرات ابراہیم و اسمٰعیل و یوسف و موسیٰ علیہم السلام۔کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا آپ ﷺ کو بھی اسی نبوی سنت یا الٰہی قانون کے تحت اپنا وطن چھوڑ کر ایک دوسرے دیار جانا پڑے گا مگر پہلے خواب میں دارِ ہجرت کی قطعی تعیین نہیں کی گئی۔نزولِ قرآن کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آپ ﷺ کو اولین رویا صادقہ کے ذریعہ وحی بھیجی گئی کہ وہ دارِ ہجرت نخلستان ہوگا،ایک ارضِ نخیل،ایک ہرا بھرا علاقہ

ابھی اس کی حتمی تعیین نہیں کی گئی تھی کہ مصلحتِ الٰہی اور تدریجی ارتقاء کا اصولِ ربانی تھوڑے انتظار کا بھی مطالبہ و تقاضا کر رہا تھا۔

اسی دارِ ہجرت کے خواب میں آئندہ کے واقعات کو بھی ذاتِ نبوی بلکہ روحِ نبوی پر منعکس و منکشف کر دیا گیا جو ایک مزید اشارہ تھا؛ اشارہ اس بات کا کہ دارِ ہجرت میں چند واقعات ایسے پیش آئیں گے جو خوشگوار بھی ہوں گے اور ناگوار بھی، پسندِ خاطر بھی ہوں گے اور ناپسندیدہ بھی۔ اللہ تعالیٰ ایسے کشفی اشارات کو علائم کی صورت میں دکھاتا ہے۔ وہ علامات دراصل واقعات کے عناوین ہوتے ہیں، حقائق کے تمثیلی اور اشاراتی نشانات ہوتے ہیں۔ اسی خوابِ دار الہجرۃ میں تلوار کے صدر مقام سے ٹوٹنے کا اشارہ شکست و ریخت کی طرف تھا۔ تلوار کے دوبارہ ٹھیک ہو جانے بلکہ بہتر صورت میں ہو جانے کا نشان فتح و کامرانی پر دلالت کرتا تھا اور گائے کے ذبح ہونے کا اشارہ مخصوص چیزوں کے قربان ہو جانے کا نشان تھا۔ یہ علاماتِ فتح و شکست تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ کشفی اشارات و علائم تھے اور ان کو ایسا ہی ہونا تھا مگر ان کی تعبیر نکلنی باقی تھی اور تعبیر نے ہی واقعہ کی صورت اختیار کی اور خواب کو معانی عطا کئے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی جیسے شارحینِ حدیث اور دوسرے سیرت نگاروں نے غزواتِ نبوی سے متعلق رویا صادقہ کی تعبیر لکھی ہے۔ مگر ان کے اشارے خود متنِ حدیث میں موجود ہیں۔ محدثینِ کرام اور سیرت نگاروں نے انھیں کی بنیاد پر تشریح کی ہے اور دوسری روایات سے ان کو مدلل کیا ہے۔ تلوار کے مرکزی حصے کے ٹوٹنے سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی مصیبت و آزمائش مراد ہے: "......فاذا هوما اصيب من المؤمنين يوم احد......"۔ لیکن یہ بیان و اشارۂ حدیث تفصیل نہیں دیتا۔ دیگر روایاتِ حدیث و سیرت سے معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کو غزوۂ احد میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی طرح گائے کے خواب میں دیکھنے یا اس کے ذبح ہونے کی رویت سے مراد مسلمان غازیوں کی شہادت ہے: "فاذا هم المؤمنون يوم احد"۔ شارحینِ حدیث نے ان رویا کی تعبیر نکلنے کے بعد

قطعی تاریخی واقعات کے بعد ان کو سمجھا اور سمجھایا مگر رسولِ اکرم ﷺ کو تعبیر نکلنے سے قبل ہی ان واقعات کا علم تھا۔ اس غزوہ میں ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔ ان میں بڑے بڑے اکابر بالخصوص رسولِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہاشمیؓ شامل تھے اور تلوار کے بہتر صورت اختیار کرنے سے مراد مسلمانوں کی فتح اور اجتماعیت تھی: "فاذا هو ما جاء الله به من الفتح و اجتماع المؤمنين......"۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر: "والله خير" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو ثواب و خیر سے بہرہ مند فرمایا تھا۔

شارحینِ بخاری نے بالعموم اور حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے بالخصوص اس حدیث کی شرح اس مقام پر نہیں کی ہے بلکہ غزوۂ احد، غزوۂ بدر اور مدینہ کی ہجرت کے ابواب میں اس اسناد اور دیگر اسناد کے ساتھ مروی احادیث و روایات کے تحت کی ہے۔ غزوۂ بدر کے بابِ بلا عنوان میں حافظ ابنِ حجر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیثِ مذکورہ بالا کا متعلقہ حصہ پھر نقل کیا ہے (حدیث: ۳۹۸۷: واذا الخير ما جاء الله به من الخير بعد، وثواب الصدق الذى آتانا بعد يوم بدر، ۱ -باب كتاب المغازى؛ فتح البارى، ۷/ ۳۸۳-۳۸۴، نیز كتاب التعبير، باب اذا رأى بقرا تنحر؛ فتح البارى، ۱۲/ ۵۲۶-۵۲۸؛ باب اذا هز سيفا فى المنام؛ فتح البارى، ۱۲/ ۵۳۳-۵۳۴)۔

دوسرے اہلِ علم نے بالخصوص سیرت نگاروں نے رسولِ اکرم ﷺ کے اس رویا کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو غزوۂ احد سے متعلق ہے۔ حافظ ابنِ سید الناس نے ان تمام روایاتِ حدیث و سیرت کو جمع کر دیا ہے۔ ان میں ابنِ ہشام، مغازی موسیٰ بن عقبہ، ابنِ اسحاق، ابنِ عائذ دمشقی وغیرہ کا ذکر و حوالہ پایا جاتا ہے (عيون الاثر، ۱/ ۴۰۶-۴۰۷؛)۔ ان روایات میں بعض تعبیرات و تشریحات کا فرق پایا جاتا ہے اور بعض اضافات بھی دوسرے مآخذ و مصادر سے کیے گئے ہیں۔

ایک اہم واقعہ اور اس سے اہم تر خواب یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے دارِ ہجرت

سے متعلق خواب میں جو کچھ غزوۂ احد کے باب میں دیکھا تھا اس کی تفصیل رویا صادقہ کی ہی شکل میں غزوۂ احد کے عین موقعہ پر دیکھی۔ وہ مکی خواب کی مدنی توسیع و تفصیل کہی جا سکتی ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی کے مطابق جمعہ کی رات کو رویا دیکھا اور صبح کو فرمایا کہ گذشتہ رات میں نے اپنے خواب میں ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جا رہی تھی اور اللہ خیر اور پائندہ ترین ہے اور میں نے اپنی تلوار ذوالفقار کو دیکھا کہ وہ دستہ کے پاس سے ٹوٹ گئی ہے یا فرمایا کہ اس میں دندانے پڑ گئے ہیں۔ مجھے یہ نظارہ سخت ناپسند ہوا کہ وہ دونوں مصیبتیں تھیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور ایک مینڈھے کے پیچھے بیٹھا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے تعبیر پوچھی تو فرمایا کہ گائے کی قربانی ہم میں ہو گی اور مینڈھے کی تعبیر یہ ہے کہ وہ فوج سے متعلق ہے اور مضبوط زرہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ اسی لئے رسولِ اکرم ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ منورہ میں قیام کر کے قریش کا مقابلہ کیا جائے لیکن پر جوش صحابہؓ کے اصرار پر کھلے میدانِ جنگ میں جا کر مقابلہ کرنا پڑا۔ غزوۂ احد میں مسلم تیر اندازوں کی نافرمانی کے سبب فتح شکست میں بدل گئی۔ جنگِ مغلوبہ میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے اور رسولِ اکرم ﷺ زخمی ہو گئے۔ رویائے نبوی کا مدنی روپ بقولِ حافظ ابن حجر یہ ہے:

"......ورأى رسول الله ﷺ ليلة الجمعة رؤيا، فلما اصبح قال: "رأيت البارحة في منامي بقرا تذبح، والله خير و ابقى، ورأيت سيفي ذا الفقار انقصم من عند ظبته اوقال به فلول، فكرهته، وهما مصيبتان، ورأيت انی فی درع حصينة وانی مردف كبشا، قالوا: وما اولتها؟ قال اولت البقر بقرا يكون فينا، واولت الكبش كبش الكتيبة، واولت الدرع الحصينة المدينة. فامكثوا، فان دخل القوم الازقة قاتلناهم و رموا من فوق البيوت...... الخ" (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة احد؛ فتح الباری، ۷/ ۴۳۲-۴۳۳ ومابعد؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/ ۴۰۶-۴۰۷)

ابن ہشام نے تشریح کی ہے کہ گائے ذبح کئے جانے کا مطلب رسولِ اکرم ﷺ

نے بتایا کہ میرے صحابہ کرامؓ شہید ہوں گے اور تلوار میں زخم کا مطلب ہے کہ میرے اہلبیت کا کوئی فرد بھی شہادت پائے گا:"وعن ابن هشام،فاما البقر فناس من اصحابی يقتلون،واما الثلم الذی رأيت فی سيفی فهو رجل من اهل بيتی يقتل......"۔ بعد کے واقعات نے رسولِ اکرم ﷺ کے خواب اور اس کی تعبیر دونوں کی تصدیق کر دی۔ جو ستر صحابہؓ شہید ہوئے ان میں رسولِ اکرم ﷺ کے چہیتے چچا اور رضاعی بھائی اور رفیقِ محترم حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ بھی شامل تھے۔

خوابِ عمرہ

احادیث و روایاتِ تفسیر و سیرت کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے ۶ھ / ۶۲۸ء میں ایک رویا صادقہ عمرہ کے متعلق دیکھا۔ آپ ﷺ کو اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کر رہے ہیں اور عمرہ کے مناسک ادا فرما رہے ہیں۔ یہ ایک اہم رویا تھا۔ اس رویا نے آپ ﷺ کے دل میں چھپی ہوئی وطنِ مالوف کی محبت کو جگا دیا تھا اور آپ ﷺ کے بیانِ رویا نے صحابہ کرامؓ کا اشتیاق بیدار کر دیا۔ دراصل وطنِ مالوف جانے کے پیچھے بیت اللہ کی زیارت، اس کے طواف و عمرہ اور سعی وغیرہ کی دینی لگن زیادہ کارفرما تھی۔ وہ دینِ حنفی کا ہی ایک شعار نہیں، اسلام اور دین و شریعتِ محمدی کا ایک اہم فریضہ و روایت تھی جو آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو سب سے عزیز تھی۔

رویا صادقہ کے حق ہونے کا یقین نہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کو تھا بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کو بھی تھا اور اسی لئے جب آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مکہ مکرمہ چلنے کی ترغیب دی تو سنگین حالات کے باوجود لگ بھگ ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ تیار ہو گئے اور آپ ﷺ پوری دینی تیاری کے ساتھ روانہ بھی ہو گئے۔ مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ نامی وادی میں پہونچنے کے بعد سیاسی اور فوجی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ قریشِ مکہ سے سیاسی و فوجی معاہدہ تو ہو گیا

مگر عمرہ کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ اکابرِ قریش نے اسے اپنی آن کا مسئلہ بنالیا کہ اس سال کسی قیمت پر وہ آپ ﷺ کو عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ البتہ اگلے سال کے لئے وہ تیار ہو گئے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ آئیں اور تین دن مکہ میں قیام کریں اور عمرہ کے مناسک بھی ادا کریں۔

صحابہ کرامؓ کو صلحِ حدیبیہ کی شرائط اور ان کی نوعیت ہی پر غم و غصہ تھا، عمرہ نہ کرنے کا غم واندوہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ لہٰذا بعض زبانوں پر یہ شکوہ آگیا کہ ہم سے وعدہ کیا گیا کہ عمرہ کریں گے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ سچا وعدہ کیا گیا تھا مگر کیا اسی سال کا کیا گیا تھا یعنی اس کے زمانے کی تعیین نہیں کی گئی تھی۔ وہ وعدہ اب بھی قائم ہے اور اپنے وقت پر پورا ہوگا اور بالآخر اگلے سال ۷ھ /۶۲۹ء میں وہ ایفا ہو گیا۔ بالعموم محدثین اور اہلِ سیرت نے صلحِ حدیبیہ کے غزوہ کے آغاز میں اس کے محرک خوابِ نبوی کا ذکر نہیں کیا ہے، وہ محرومی کے احساس کے بیان کے ضمن میں آتا ہے۔

مفسرینِ کرام نے سورۂ فتح کی آیتِ کریمہ ۲۸: ﴿لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق...... الخ﴾ کے ضمن میں اس خوابِ نبوی کا واضح ذکر کیا ہے جیسے: "كان رسول الله ﷺ قد رأى في المنام انه دخل مكة وطاف بالبيت فاخبر اصحابه بذلك وهو بالمدينة، فلما ساروا عام الحديبية لم يشك جماعة منهم ان هذه الرؤيا تفسير هذا العام، فلما وقع ما وقع من قضية الصلح ورجعوا عامهم ذلك على ان يعودوا من قابل، وقع في نفس بعض الصحابة رضى الله عنهم من ذلك شئى حتى سأل عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى ذلك فقال له فيما قال: افلم تكن تخبرنا انا سنأتي البيت ونطوف به؟ قال: بلى، أفأخبرتك انك تأتيه عامك هذا؟ قال: لا، قال النبي ﷺ: فانك آتيه و مطوف به......". (تفسیر ابن کثیر، ۴/۲۰۰-۲۰۱)

حیرت کی بات ہے کہ حافظ موصوف نے اس رویائے عمرہ کا ذکر بلا حوالہ کیا ہے اور

کسی بھی کتابِ سیرت یا مصدرِ حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ ان کے عام دستور اور معمول کے خلاف ہے۔ اس کے ما قبل اور ما بعد روایات و تفاسیر کے لئے انھوں نے اپنے مصادر کا ذکر کیا ہے۔

یہ بھی بہت اہم بات ہے کہ عام اور مستند کتبِ سیرت و حدیث میں اس رویائے نبوی کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ چنانچہ متعدد اہلِ سیرت و حدیث نے حافظ ابن کثیرؒ کے بیان پر اعتماد کر کے اس خواب کو بیان کیا ہے۔ ان میں قدیم و جدید دونوں اہلِ سیر شامل ہیں، (ابوالحسن علی ندوی، السیرة النبویة، صلح الحدیبیة، ۲۷۳؛ مولانا ادریس کاندھلوی نے امام بیہقی کی کتاب الدلائل کا حوالہ دیا ہے: رواہ البیھقی فی الدلائل، سیرۃ المصطفیٰ، ۲/ ۳۵۳)

متعدد دوسرے جدید سیرت نگاروں نے بلا حوالہ ہی کام چلایا ہے (صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، اردو ۵۲۷)۔ مولانا شبلی نعمانی جیسے صاحبانِ بصیرت نے محدثین اور اکابر اہلِ سیرت کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے اس رویائے نبوی کا سرے سے حوالہ نہیں دیا ہے (سیرۃ النبی، ۱/ ۴۴۹)

بایں ہمہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صلحِ حدیبیہ کے سال عمرہ کا ارادہ رویا صادقہ دیکھنے کے بعد ہی فرمایا تھا۔ اس کی شہادت سورۂ فتح کی آیاتِ کریمہ بالخصوص آیت: ۲۸ سے ملتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے خوابِ نبوی کو سچ کر دکھانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ﴿لقد صدق الله رسوله الرؤیا بالحق، لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنین محلقین رؤوسکم و مقصرین لا تخافون......﴾

رویائے نبوی اور خلافتِ راشدہ

خلافتِ راشدہ صرف نبوی مبشرات پر قائم و مبنی نہیں تھی بلکہ اس کے قیام و کردار کی خبر وحیِ الٰہی میں باقاعدہ دی گئی تھی۔ سر دست ان قرآنی آیاتِ کریمہ اور وحیِ متلو پر مبنی ارشاداتِ ربانی سے بحث نہیں ہے جن میں خلافتِ نبویہ و راشدہ کے بارے میں

تصریحات ملتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مختلف کتب میں بالعموم اور ''ازالۃ الخفاء'' میں بالخصوص خلافتِ نبویہ راشدہ کے اس الہامی پہلو سے بحث کی ہے۔ دیگر اہلِ علم نے بھی اس اہم موضوع پر کلام کیا ہے مگر حضرت شاہؒ نے جس دقتِ نظر اور صلابتِ فکر سے اسے نبوتِ محمدی کی توسیع و تسلسل ثابت کیا ہے وہ علم و فکر اور تحقیق و تدقیق کا ایک معراجی اظہار ہے اور ان جیسا عبقری صاحبِ فکر و نظر ہی ایسی فکرِ اسلامی پیش کر سکتا ہے۔

رویائے نبوی میں خلافتِ راشدہ بالخصوص خلافتِ شیخین سے متعلق بعض علائمِ ضعف و قوت کا ذکر آتا ہے اور ان کا سلسلہ رسولِ اکرم ﷺ کے علائم سے جوڑا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں رسولِ اکرم ﷺ نے جو کارِ نبوت و حکومت اپنے عہدِ مبارک میں انجام دیا اسی کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جاری رکھا مگر کسی قدر ضعف کے ساتھ اور پھر حضرت صدیقؓ کے دستِ مبارک سے اس کی باگ ڈور حضرت عمر فاروقؓ کے قوی ہاتھوں میں پہونچی اور انھوں نے پوری قوتِ فاروقی اور صلابتِ ایمانی کے ساتھ اسے معراج تک پہونچایا۔ انھوں نے ایک ''عبقری'' کی طرح سب کی پیاس بجھائی اور حوض اپنے پورے پانی کے ساتھ یوں ہی بھرا رہا۔ حدیثِ نبوی میں اسے کنوئیں سے ڈول کے ذریعہ پانی کھینچنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمانِ رسولِ اکرم ﷺ کا لبِ لباب یہ ہے کہ ''میں ایک کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ آگئے پھر ابو بکرؓ نے ڈول لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے کھینچنے میں کافی ضعف تھا، اللہ انھیں معاف کرے۔ پھر ابو بکرؓ کے ہاتھ سے عمرؓ نے اسے لیا ہی تھا کہ وہ بڑا مشکیزہ نما ڈول بن گیا اور میں نے انسانوں میں کسی ''عبقری'' کو نہیں دیکھا جس نے اپنا کام اتنے شاندار طریقے سے انجام دیا ہو۔

امام بخاری نے حسبِ دستور اس حدیث کے کئی متون اپنے متعدد کتب و ابواب میں بیان فرمائے ہیں اور ان میں متنی اختلافات کے باوجود یکجہتی پائی جاتی ہے۔ بہر حال ان سب کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے اور ان کے تقابلی مطالعہ سے عمدہ نکات کا سراغ لگے گا جو اس موضوع کی کئی جہات کو واضح کرے گا۔

۳۶۶۴:عن ابی ہریرۃ"......سمعت النبی ﷺ یقول:بینا انا نائم رأیتنی علی قلیب علیها دلو، فنزعت منها ماشاء اللہ، ثم اخذها ابن ابی قحافۃ، فنزع بها ذنوبا او ذنوبین وفی نزعه ضعف، واللہ یغفرله ضعفه،ثم استحالت غربا فاخذها ابن الخطاب،فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع عمر، حتی ضرب الناس بعطن.

(بخاری،کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ،باب قول النبی ﷺ "لو کنت متخذا خلیلا؛ فتح الباری،۷/۲۴،۲۸،۴۹-۵۱؛حدیث:۳۶۷۶ بھی اسی کتاب وباب میں ہے۔دوسرے اطراف حدیث ہیں:۷۰۲۱،۷۰۲۲،۷۴۷۵؛مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ،باب من فضائل عمرؓ؛[۱۷](۲۳۹۲)وغیرہ متعدد احادیث:نووی،۵/۵۳۸-۵۴۱)

۳۶۸۲:"......عن عبداللہ بن عمرؓ انّ النبی ﷺ قال:اریت فی المنام انی انزع بدلو بکرۃ علی قلیب،فجاء ابو بکر فنزع ذنوبا او ذنوبین نزعا ضعیفا واللہ یغفرله، ثم جاء عمر بن الخطاب فاستحالت غربا،فلم ار عبقریا یفری فریۃ،حتی روی الناس وضربوا بعطن"

(بخاری،کتاب فضائل......؛۶-باب مناقب عمر بن الخطاب ابی حفص القرشی العدویؓ؛فتح الباری،۷/۵۲ ومابعد)

۷۰۱۹:عن ابن عمر......"قال رسول اللہ ﷺ:بینا انا علی بئر انزع منها اذجاء نی ابوبکر و عمر، فاخذ ابوبکر الدلو فنزع ذنوبا او ذنوبین وفی نزعه ضعف، فغفر اللہ له،ثم اخذها ابن الخطاب من ید ابی بکر فاستحالت فی یده غربا،فلم ار عبقریا من الناس یفری فریۃ حتی ضرب الناس بعطن"

(بخاری،کتاب التعبیر،۲۸-باب نزع الماء من البئر حتی یروی الناس؛ فتح الباری،۱۲/۵۱۴-۵۱۷)

۷۰۲۰:عن عبداللہ بن عمرؓ "عن رویا النبی ﷺ فی ابی بکر و عمر

قال: رأيت الناس اجتمعوا،فقام ابوبكر فنزع ذنوبا او ذنوبين، وفی نزعه ضعف والله يغفرله،ثم قام ابن الخطاب فاستحالت غربا،فما رأيت فی الناس من يفری فرية حتی ضرب الناس بعطن"

۷۰۲۱:"عن ابی هريرة:......ان رسول الله قال: بينا انا نائم رأيتنی علی قليب......" (مثلِ حدیث:۳۶۶۴ گذشتہ، بخاری،کتاب التعبير،۲۹-باب نزع الذنوب والذنوبين من البئر بضعف؛فتح الباری،۱۲/۵۱۷-۵۱۸)

۷۰۲۲:......عن ابی هريرة......"قال رسول الله ﷺ:بينا انا نائم رايت انی علی حوض اسقی الناس،فاتانی ابوبكر فاخذ الدلومن يدی ليريحنی،فنزع ذنوبين وفی نزعه ضعف، والله يغفرله،فأتی ابن الخطاب فأخذ منه فلم يزل ينزع حق تولی الناس والحوض يتفجر"(بخاری،کتاب التعبير،۳۰-باب الاستراحة فی المنام؛فتح الباری،۱۲/۵۱۸-۵۱۹)

۷۴۷۵:عن ابی هريرة قال:...... مثل ۳۶۶۴(بخاری،کتاب التوحيد،باب فی المشيئة والارادة؛فتح الباری،۱۳/۷ ۵۴ ومابعد)

خلافتِ شیخین کے رویا کی تعبیر

خلافتِ راشدہ میں خلافتِ شیخین کو متعدد اسباب و عوامل سے جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ بعد کی دو خلافتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ان کی اصل بنیاد و اساس رسولِ اکرم ﷺ کے ایسے ہی ارشادات ہیں جن سے خلافتِ شیخین کو نبوتِ محمدی کی توسیع قرار دیا گیا ہے،اگرچہ چاروں خلفاء کرام کی خلافت کو بحیثیت مجموعی اسلامی، منہاجِ نبوی کے مطابق،راشدہ اور مقام و منزلت کے لحاظ سے یکساں سمجھا گیا ہے۔خلافتِ شیخین سے متعلق رویائے نبوی کے مختلف متون سے بعض دوسرے حقائق و شواہد کے علاوہ چند اہم نکات ور موز ابھرتے ہیں۔ان کو ایک ترتیب سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ ان رویائے

نبوی کی وحی کی اہمیت اور تاریخی اطلاقیت کو ان کے صحیح تناظر میں سمجھا جاسکے:

۱-اولین نکتہ حقیقت یہ ابھرتا ہے کہ خلافتِ صدیقی براہِ راست حکومتِ نبوی سے متعلق ہے اور خلافتِ فاروقی خلافتِ صدیقی سے لہٰذا ان تینوں ادوارِ مبارک کے تسلسل میں ذرا رخنہ نہیں ملتا ہے۔ حضرت صدیق ؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے براہِ راست باگ ڈور سنبھالی تھی اور ان سے حضرت عمر فاروق ؓ نے۔

۲-دوسرے یہ کہ خلافتِ صدیقی مختصر مدت کو محیط تھی کہ حدیث میں ایک یا دو ڈول کھینچنے کا اشارہ یہی بتاتا ہے۔

۳-تیسرے یہ کہ وہ ضعف پر بھی مبنی تھی جس کی حدیث میں وضاحت ہے۔

۴-چوتھا نکتہ و رمز یہ ملتا ہے کہ خلافتِ فاروقی مضبوط ترین تھی۔اس میں استقامت اور تمام لوگوں کی سیرابی کا واضح ذکر ملتا ہے۔

۵-ان دونوں رموز و حقائق سے پانچواں نکتہ یہ بھی ابھرتا ہے کہ وہ زیادہ پائیدار، زیادہ مستقل اور زیادہ طویل تھی۔

۶-چھٹا اہم رمز حقیقت یہ سامنے آتا ہے کہ ڈول بڑا بھاری مشکیزہ بن گیا تھا جو خلافتِ فاروقی کو وسیع مملکت بتانے کا اشارہ ہے۔

۷-ساتواں نکتہ خلافت یہ ہے کہ خلافتِ فاروقی کے نتیجہ میں اسلامی مملکت نہ صرف وسیع و مضبوط ہوگی بلکہ ایک رفاہی حکومت بھی ہوگی کہ تمام لوگوں کی سیرابی کا یہی مطلب ہے۔

۸-تمام لوگوں کو سیراب کرنے کے بعد بھی حوض کے بھرپور ہونے کا اشارہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خلافتِ فاروقی بعد کے خلیفہ کو کامل ترین حالت میں ملے گی۔

۹-اسی سے نواں نکتہ حقیقت یہ ابھرتا ہے کہ حوضِ خلافت سے بعد کے لوگ بھی سیراب ہوتے رہیں گے کہ ان کی پیاس سے پانی زیادہ ہے۔

۱۰-ان تمام رموز و حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافتِ شیخین اول دورِ صدیقی سے ترقی کر کے دوسرے دورِ فاروقی میں کمال کو پہونچ جائے گی۔

اموی خلافت سے متعلق رویا نبوی

اموی خلافت کے غزوات وفتوحات کے باب میں امام بخاریؒ نے غالباً سب سے اہم اور معنی خیز رویائے نبوی کا ذکر کیا ہے۔اس رویائے نبوی کا خلافتِ اسلامی کی نوعیت متعین کرنے اور اموی خلافت کی مہمات کے اسلامی مقام ومرتبہ مقرر کرنے میں بھی اہم کردار ہے۔بنیادی قاعدہ اور اصل اصول رسولِ اکرم ﷺ کا وہ ارشاد و فرمان ہے جو ظاہر ہے کہ کسی خواہشِ نفس یا بشری تقاضے پر مبنی نہیں ہوتا تھا۔پھر اس حدیثِ نبوی کی بنیاد اگر وحیِ الٰہی پر ہو تو اس کی اہمیت اور قطعیت چند در چند ہو جاتی ہے کہ وہ محض شخصی اندازہ اور پیش گوئی پر قائم نہیں ہے۔اموی دور کی مہمات کا سلسلہ اس طرح خلافتِ راشدہ کی جہادی مساعی سے ہوتا ہوا نبوی غزوات سے جڑ جاتا ہے کہ وہ سب ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اہم حدیثِ رویا امام بخاری نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان امویؓ کے زمانہ میں واقع ہونے والی مہم کے متعلق نقل کی ہے اور جیسا کہ ان کا دستور ہے وہ مختلف ابواب میں اس کو لائے ہیں۔اہمیت کے پیش نظر اس کے تمام طرق ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں:

۲۷۸۸-۲۷۸۹:عن انس بن مالكؓ ......:"كان رسول الله يدخل على ام حرام بنت ملحان فتطعمه،وكانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت،فدخل عليها رسول الله ﷺ، فاطعمته وجعلت تفلى رأسه، فنام رسول الله ﷺ،ثم استيقظ وهو يضحك،قالت: فقلت: وما يضحكك يا رسول الله؟قال: ناس من امتى عرضوا علىّ غزاة فى سبيل الله،يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة او مثل الملوك على الاسرة،شك اسحاق-قالت: فقلت: يا رسول الله،ادع الله ان يجعلنى منهم، فدعا لها رسول الله ﷺ،ثم وضع رأسه ثم استيقظ وهو يضحك،فقلت: وما يضحكك يا رسول الله؟قال: ناس من امتى عرضوا علىّ

غزاة فی سبیل الله– کما قال فی الاول– قالت: فقلت یا رسول الله، ادع الله ان یجعلنی منهم، قال انتِ من الاولین، فرکبتِ البحر فی زمن معاویة بن ابی سفیان فصرعت عن دابتها حین خرجت من البحر، فهلکت" (بخاری، کتاب الجهاد و السیر، ۳–باب الدعاء بالجهاد والشهادة للرجال والنساء؛ فتح الباری، ٦/ ١٣–١٤؛ مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغزوفی البحر[١٦٠] (١٩١٢)؛ نووی، ٥/ ٥١؛ ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فی غزو البحر، حدیث: ١٦٤٩؛ ابن العربی المالکی، ١٥–باب رکوب البحر ٧/ ١٤٦–١٥٠)

اطرافِ حدیث: ٢٧٨٨ فی: ٢٧٩٩، ٢٨٧٧، ٢٨٩٤، ٦٢٨٢، ٧٠٠١۔

اطرافِ حدیث ٢٧٨٩ فی: ٢٨٠٠، ٢٨٧٨، ٢٨٩٥، ٢٩٢٤، ٦٢٨٢، ٧٠٠٢۔

(ترجمہ): حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحانؓ کے گھر جاتے تھے اور وہ آپ ﷺ کی ضیافت کرتی تھیں۔ حضرت ام حرامؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی زوجہ تھیں۔ ایک بار رسول اکرم ﷺ ان کے ہاں گئے اور انھوں نے آپ ﷺ کی ضیافت کی اور پھر آپ ﷺ کے سر اقدس کو دبانے لگیں اور آپ ﷺ سو گئے۔ پھر آپ ﷺ جاگے تو ہنس رہے تھے۔ حضرت ام حرامؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ کو کس چیز نے ہنسادیا، فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے، جو اللہ کے راستے میں غازی بن کر اس سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں جیسے بادشاہ اپنے تخت پر رونق افروز ہوں...... میں نے رسول اللہ ﷺ سے التجا کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے بنادے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی۔ پھر آپ ﷺ نے سر اقدس تکیہ پر رکھ لیا اور سو گئے پھر ہنستے ہوئے جاگے، پھر میں نے ہنسی کا باعث پوچھا، فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد و غزوہ کرتے ہوئے مجھے دکھائے گئے اور وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ میں نے پھر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں ہونے کی میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو پہلے غازیوں میں

سے ہو۔ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں وہ سمندر کے سفر پر جہاد میں گئیں اور جس وقت سمندر سے نکلیں ان کی سواری نے ان کو نیچے گرادیا اور وہ وفات پا گئیں۔

حدیث:۲۷۹۹، ۲۸۰۰:......عن انس بن مالك عن خالته ام حرام بنت ملحان قالت: نام النبی ﷺ یوما قریبا منی،ثم استیقظ یتبسم،فقلت:ما اضحكك؟ قال:اناس من امتی عرضوا علیّ یركبون هذا البحر الاخضر كالملوك علی الاسرة.قالت: فادع الله ان یجعلنی منهم،فدعالها،ثم نام الثانیة،ففعل مثلها، فقالت:مثل قولها، فاجابها مثلها،فقالت:ادع الله ان یجعلنی منهم، فقال: انت من الاولین،فخرجت مع زوجها عبادة بن الصامت غازیا اول ما ركب المسلمون البحرمع معاویة،فلما انصرفوا من غزوتهم قافلین فنزلوا الشام فقربت الیها دابة لتركبها فصرعتها فماتت.

(بخاری، كتاب الجهاد والسير،۸-باب فضل من یصرع فی سبیل الله فمات فهو منهم؛فتح الباری،۶/ ۲۳-۲۴؛ مسلم، كتاب الامارة،باب فضل الغزو فی البحر،[۱۶۲]؛نووی، ۵/ ۵۳)

حدیث:۲۸۷۷، ۲۸۷۸:"......سمعت انسا یقول: دخل رسول اللهﷺ ابنة ملحان فاتكأ عندها ثم ضحك،فقالت لم تضحك یا رسول الله؟فقال:ناس من امتی یركبون البحر الاخضر فی سبیل الله،مثلهم مثل الملوك علی الاسرة، فقال:یا رسول الله،ادع الله ان یجعلنی منهم،فقال: اللهم اجعلها منهم، ثم عاد فضحك فقالت له مثل-او مِمّ- ذلك، فقال لها مثل ذلك،فقال:ادع الله ان یجعلنی منهم،قال:انت من الاوّلین ولست من الآخرین،قال: قال انس: فتزوجت عبادة بن الصامت، فركبت البحر مع بنت قرظة،فلما قفلت، ركبت دابتها، فوقصت بها، فسقطت عنها فماتت"

(بخاری، كتاب الجهاد والسير،۶۳-باب غزوة المراة فی البحر،فتح الباری،

۶/۹۴-۹۵؛ مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغزو فی البحر، [۱۶۱]؛ نووی، ۵/۵۲، نیز [۱۶۲] کی دوسری حدیث، نووی، ۵/۵۳)

حدیث: ۲۸۹۴-۲۸۹۵: ''......عن انس بن مالکؓ قال: حدثتنی ام حرام ان النبیﷺ قَالَ یوما فی بیتها فاستیقظ وهو یضحك قلت: یا رسول الله ما یضحکك؟ قال: عجبت من قوم من امتی یرکبون البحر کالملوك علی الاسرة، فقلت: یا رسول الله، ادع الله ان یجعلنی منهم، فقال: انت منهم، ثم نام فاستیقظ وهویضحك، فقال مثل ذلك مرتین او ثلاثا، قلت: یا رسول الله، ادع الله ان یجعلنی منهم، فیقول: انت من الاولین، فتزوج بها عبادة بن الصامت، فخرج بها الی الغزو، فلما رجعت، قربت دأبة لترکبها، فوقعت فاندقت عنقها''

(بخاری، کتاب الجهاد والسیر، ۷۵-باب رکوب البحر؛ فتح الباری، ۶/۱۰۷-۱۰۸)

حدیث: ۶۲۸۲، ۶۲۸۳: ''......عن انس بن مالکؓ ......: کان رسول اللهﷺ اذا ذهب الی قباء یدخل علی ام حرام بنت ملحان فتطعمه-وکانت تحت عبادة بن الصامت-فدخل یوما فاطعمته، فنام رسول اللهﷺ، ثم استیقظ یضحك قالت: فقلت: ما یضحکك یا رسول الله؟ فقال: ناس من امتی عرضوا علیّ غزاة فی سبیل الله، یرکبون ثبج هذا البحر ملوکا علی الاسرة-او قال مثل الملوك علی الاسرة، یشك اسحاق-قلت: ادع الله ان یجعلنی منهم، فدعا. ثم وضع رأسه فنام، ثم استیقظ یضحك، فقلت: ما یضحکك یا رسول الله؟ قال: ناس من امتی عرضوا علیّ غزاة فی سبیل الله، یرکبون ثبج هذا البحر ملوکا علی الاسرة-او مثل الملوك علی الاسرة-فقلت: ادع الله ان یجعلنی منهم قال: انت من الاولین: فرکبت البحر زمن معاویة، فصرعت عن دابتها حین خرجت من البحر، فهلکت''

(بخاری، کتاب الاستیذان، ۴۱-باب من زار قوما فقال عندهم؛ فتح الباری، ۱۱/۸۳-۹۴ (عمدہ بحث)

۷۰۰۱: "......عن انس بن مالك......: كان رسول الله ﷺ يدخل على ام حرام بنت ملحان وكانت تحت عبادة بن الصامت. فدخل عليها يوما، فاطعمته، وجعلت تفلي رأسه فنام رسول الله ﷺ، ثم استيقظ وهو يضحك......"

۷۰۰۲: "قالت: فقلت: ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: ناس من امتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة- اومثل الملوك على الاسرة، شك اسحاق- قالت: فقلت: يا رسول الله، ادع الله ان يجعلني منهم، فدعا لها رسول الله ﷺ، ثم وضع رأسه ثم استيقظ وهو يضحك، فقلت: ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: اناس من امتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله- كما قال في الاولى -قالت: فقلت: يا رسول الله، ادع الله ان يجعلني منهم، قال: انت من الاولين، فركبت البحر في زمان معاوية بن ابي سفيان فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت"

(بخاری، کتاب التعبیر، ۱۲-باب رؤیا النہار، وقال ابن عون عن ابن سیرین: رؤیا النہار مثل رؤیا اللیل؛ فتح الباری، ۱۲/۴۸۹-۴۹۰)

حضرت امام بخاری کا دستور ہے کہ وہ جس سند سے جو متنِ حدیث ملتا ہے اسی کو اس حدیث میں بیان کرتے ہیں اور دوسری سند کا متن الگ رکھتے ہیں۔ دوسری سند کے متنِ حدیث کو اس کے ساتھ نقل فرماتے ہیں اور اگر متعدد اسناد کے ساتھ کوئی متنِ حدیث آتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی طریقہ روا رکھتے ہیں۔ یہ حدیث یا اس کا متن متعدد سندوں کے ساتھ آیا ہے اور ان کے "متون" میں تھوڑا فرق ہے۔ بنیادی مفہوم و اصل معنی سب میں ایک ہے۔ دراصل یہ اختلافِ متن راویِ حدیث کے بیانیہ کے فرق کے سبب در آتا ہے۔ خواہ وہ راوی اول ہو یا بعد کا راوی۔ بالعموم اصل راوی کے بیانیہ میں فرق ہوتا ہے۔ بعد کے رواۃ بالعموم اس میں کوئی جوہری فرق نہیں کرتے ورنہ ان کی ثقاہت و فقاہت ہی مجروح ہو جائیں۔ ان کے بیانیہ کے بعض الفاظ و تعبیرات میں البتہ فرق آ جاتا ہے۔

حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریؓ اس حدیثِ نبوی اور رویائے محمدی کی بنیادی اصلی راویہ ہی نہیں عینی شاہدہ بھی ہیں۔ ان سے ان کے بھانجے حضرت انس بن مالک خزرجی انصاریؓ نے حدیث سنی اور روایت کی ہے۔ حضرت ام حرامؓ سے دوسرے روایت کرنے والے حضرت عمیر بن اسود عنسیؓ ہیں جنھوں نے شام کے شہر حمص میں حضرت ام حرامؓ سے یہ روایت سنی تھی اور حضرت عبادہ بن صامت خزرجیؓ کی موجودگی میں سنی تھی۔ راویہ محترمہ اس وقت غزوۂ روم میں شرکت کے لئے شام کے شہر حمص گئی ہوئی تھیں اور مدینہ منورہ سے محض اسی حدیث کی خاطر سفر کیا تھا۔ اس کا متن کافی مختلف ہی نہیں بلکہ جوہری اختلاف بھی رکھتا ہے اور وہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایات واحادیث پر اضافات بھی کرتا ہے۔

حدیث: ۲۹۲۴: ".....ان عمير بن الاسود العنسى حدثه انه اتى عبادة بن الصامت وهو نازل فى ساحة حمص، وهو فى بناء له، ومعه ام حرام، قال عمير: فحدثتنا ام حرام: انها سمعت النبى ﷺ يقول: اول جيش من امتى يغزون البحر قد اوجبوا. قالت ام حرام: قلت يا رسول الله، انا فيهم؟ قال: انت فيهم، ثم قال النبى ﷺ: اول جيش من امتى يغزون مدينة قيصر مغفورلهم، فقلت: انا فيهم يا رسول الله؟ قال: لا"

(بخاری، کتاب الجهاد والسير، ۹۳-باب ما قيل فى قتال الروم؛ فتح الباری، ۶/ ۱۲۵-۱۲۶)

اسی واقعہ سے متعلق ایک اور حدیث تیسرے راوی سے بیان کی ہے جو درجِ ذیل ہے:

۱۱۸۶: ".....عن محمود بن الربيع الانصارى.....انه سمع عتبان بن مالك الانصارىؓ، وكان ممن شهد بدرا مع رسول الله ﷺ، يقول.....قال رسول الله: "فان الله قد حرم على النار من قال لا اله الا الله يبتغى بذلك وجه الله". قال محمود: فحدثتها قوما فيهم ابو ايوب صاحب رسول الله ﷺ - فى غزوته التى

توفی فیها، و یزید بن معاویة علیهم بارض الروم-فانکرها علیّ ابوایوب، قال: و الله ما اظن رسول اللهﷺقال ما قلت قط......فحدثنیه کما حدثنیه اول مرة“

(بخاری، کتاب التهجد، ۳۶-باب صلاة النوافل جماعة......؛فتح الباری، ۳/۷۸-۸۱)

امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ام حرام بنت ملحانؓ، حضرت عمیر بن اسود عنسیؒ کے علاوہ ایک اور صحابی حضرت محمود بن ربیع انصاریؓ سے اسی حدیث کی ایک اور توسیع بیان کی ہے۔وہ اگرچہ رویائے نبوی کو نہیں بیان کرتی مگر اسی کی تعبیر کو واضح کرتی ہے۔غزوۂ روم سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کے رویائے صادقہ کی حدیث سے زیادہ اس میں تمام شرکاءِ غزوہ کی مغفرت کی بشارت اصل جوہر ہے۔حضرات رواۃ صحابہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس کو اتنی شہرت دی تھی کہ وہ تقریباً معنوی اعتبار سے حدیثِ مشہور بلکہ حدیثِ متواتر کے درجے میں آگئی تھی اور صحابہ کرامؓ اور دوسرے مسلمان اس غزوہ کے لئے منتظر بھی تھے اور مشتاق بھی کہ ان کی شرکتِ غزوہ وجہاد ان کی یقینی مغفرت کا وعدہ کرتی تھی۔حضرت معاویہؓ نے بطورِ امیر شام حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بحرِ روم پر پہلی لشکر کشی کی جس میں حضرت ام حرامؓ شریک وشہید ہوئیں۔

دوسری بار غزوۂ روم کا واقعہ حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۵۰/ ۰۷-۶۶۹ میں پیش آیا اور جس کے امیر لشکر ان کے فرزند یزید بن معاویہ تھے۔

حضرت امام بخاریؒ نے حدیث:۱۱۸۶ کے متن میں ”و یزید بن معاویة علیهم بارض الروم“ نقل کر کے صحابہ کرام کی زبانی اس کی تصدیق و اثبات کیا ہے۔انھوں نے اسی حدیث کی بنا پر اپنے ایک ترجمة الباب میں یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری کا واضح ذکر کیا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی نے اپنی تشریح میں اس کی تفصیل دی ہے۔غزوۂ روم میں شرکت کی بنا پر مغفرت کی پکی نبوی بشارت نے ان گنت صحابہؓ اور غیر صحابہ کو شرکتِ غزوہ پر آمادہ کر دیا تھا۔ان میں عظیم ترین رسولِ اکرم ﷺ کے میزبان وعزیز حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے۔وہ محض اسی نبوی بشارت کے سبب اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے حالانکہ

ان کی عمر کافی ہو چکی تھی اور وہ معمر ترین غازی تھے۔انھوں نے نہ صرف اس رومی جہاد میں حصہ لیا بلکہ اسی غزوہ کے اواخر میں ارضِ روم میں ہی وفات بھی پائی۔ان کی تدفین بھی اسی سرزمین میں کی گئی۔ان کی وصیت تھی کہ دشمن کے ملک کے آخر مفتوحہ سرے پر ہی ان کی قبر بنائی جائے۔انھوں نے وفات سے ذرا قبل سپہ سالارِ لشکر یزید بن معاویہ کو وصیت کی تھی۔بلکہ حدیث اور روایاتِ تاریخ کے مطابق انھوں نے یزید بن معاویہ اموی کو اپنا "وصی" مقرر کیا تھا اور اپنی تمام چیزوں میں ان کو متصرف و عامل بنایا تھا۔

غزوۂ روم سے متعلق احادیثِ بخاری و مسلم کی تشریح و تاویل میں توقیتِ زمانی کا اختلاف پایا جاتا ہے۔شارحین کا ایک طبقہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اولین غزوۂ روم جس میں حضرت ام حرام بنت ملحانؓ شریک ہوئیں اور وفات پائی وہ خلافت حضرت عثمان بن عفان امویؓ کا واقعہ ہے اور حدیث میں "زمانِ معاویہؓ" کا جو حوالہ ہے اس کی تعبیر وہ یہ کرتے ہیں کہ ان کی امارتِ شام اس سے مراد ہے اور چونکہ وہ امیر البحر بھی تھے لہٰذا اسے زمانِ معاویہؓ سے تعبیر کر دیا گیا۔بقول امام نووی یہ "اکثر اهل السیر والا خبار" کا خیال ہے۔دوسرا طبقہ ان علماء و شارحین کا ہے جو اولین اور دوئمیں دونوں غزواتِ روم کو حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانے کے واقعات مانتے ہیں۔امام نووی نے اسی سے اتفاق کیا ہے کہ حدیث میں ان کے زمانے کی دلالت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کی اپنی خلافت کا واقعہ ہے:

"......بل كان ذلك في خلافته. قال: وهو اظهر في دلالة قوله في زمانه" (۵/ ۵۲)۔

امام موصوف نے دوسرے غزوۂ روم کے بارے میں کامل سکوت اختیار فرمایا ہے جو بہت معنی خیز ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے غزوۂ روم کی تشریح و تعبیر اور اس کی زمانی توقیت سے اعراض و گریز کیوں کیا گیا؟اس کا جواب تلاش کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ بہت سے علماء و محدثین اور سیرت نگاروں نے خلافتِ معاویہؓ کے دوران اس غزوہ کی قیادت اور سپہ سالاری کے عہدہ پر یزید بن معاویہؓ کے فائز ہونے اور ان دونوں سے زیادہ تمام شرکاءِ غزوہ کے مغفرتِ الٰہی کے استحقاق کی پکی نبوی شہادت سے بحث کرتے ہوئے

صرف اس لئے گریزاں ہوئے کہ تاریخ کی دھند نے ان کے نگاہوں اور دماغوں پر بعض پردے ڈال دیئے اور وہ سچ سمجھتے ہوئے بھی اس کو بیان نہ کر سکے۔ مصلحت یا اپنے مزعومہ خیالات وافکار کی رعایت نے ان کو حقیقت اور سچی تعبیر بیان کرنے سے باز رکھا۔

البتہ متعدد محدثین، علماء اور مفکرین نے اس رویا نبوی اور اس کی اصل تعبیر کے مضمرات سے کھل کر بحث کی ہے اور خوب کی ہے۔ تاریخی اور توفیقی مباحث کا ذکر مختصراً پہلے آچکا ہے کہ غزوۂ روم کے دونوں مختلف واقعات محققین کے نزدیک حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی ؓ کی خلافت کے زمانے میں پیش آئے۔اولین غزوۂ میں نبوی پیش گوئی کے مطابق حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا اور دوسرے غزوۂ روم کی قیادت خلیفہ وقت حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی ؓ کے فرزندِ اکبر و جانشین وولی عہد یزید بن معاویہ اموی کے سپرد ہوئی اور اس غزوہ کے دوران میزبانِ نبوی حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی وفات ہوئی اور وہ اپنی وصیت کے مطابق ارضِ روم میں مدفون ہوئے۔

وحیِ حدیث کے لحاظ سے ان دونوں غزواتِ روم کے وقوع کی پیش گوئی کا معاملہ تو ہے ہی، ان سے زیادہ رسولِ اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ان دونوں غزواتِ رومی کے تمام شرکاءِ کرام کی مغفرت کی ضمانت جنابِ الٰہی سے پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ آپ ﷺ کی "بشارتِ مغفرت کی خبر" اتنی معروف و مشہور تھی کہ بہت سے صحابہ کرام ؓ اور دوسرے مجاہدین عظام نے شرکت کا اہتمام کیا کیونکہ ان کو نبوی بشارتِ مغفرت پر پکا یقین تھا اور علماء محققین اور اصولی محدثین کا اجماع ہے کہ تمام شرکائے غزوات کی مغفرت ہو گئی۔ان دونوں غزواتِ رومی کا مذہبی، دینی اور اصولی مقصود یہی مغفرتِ الٰہی سے سرفرازی کا عطیہ ہے جو لسانِ نبوی سے آشکار ہوا۔

تمام متونِ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان دونوں غزواتِ رومی کو اسلامی غزوات قرار دیا اور ان دونوں غزوات کے شرکاء کو سچے مجاہدینِ اسلام مانا اور ان کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے پر مستحقِ مغفرت و بخشش قرار دیا۔اس اعتبار سے

ان اموی غزوات کا مقام و مرتبہ اسلامی غزوات کے زریں سلسلے سے استوار و مربوط ہو جاتا ہے جو اولین ادوارِ خلافت بلکہ نبوی عہدِ میمنت میں ہوتے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ درجاتِ فضیلت کا فرق پایا جاتا ہے کہ بعد کے مجاہدین، سابقین کے بالمقابل مقام میں فروتر تھے۔ جیسے کہ نبوی غزوات میں جو مقام و مرتبہ بدری حضرات کو حاصل تھا وہ بعد کے مجاہدینِ اسلام کو بھی نہ مل سکا کہ اسبقیت کا اپنا ایک مقام ہے۔ بایں ہمہ غزواتِ رومی کے مجاہدین کو جہاد کا انعام مغفرت کی شکل میں ملا اور وہ بھی رسول اکرم ﷺ کی سچی زبان اور وحیِ الٰہی سے ملا۔ اس سے انکار حقیقت، وحی اور صداقتِ نبوی سے انکار کے مترادف ہے اور صرف حدیث کے منکرین اور وحی کے مخالفین ہی ایسا کر سکتے ہیں، کیونکہ حدیث کی صحیح تعبیر سے گریز اور اس کی غلط تعبیر و تشریح بھی انکار و مخالفتِ حدیث کے زمرے میں آتی ہے۔ پھر تاریخ کی بعض غلط روایات اور موضوع اخبار کی بنا پر حدیثِ صحیح اور اس کی پختہ و معتبر روایات کا انکار کرنا تو معروضی مطالعہ کے بھی خلاف ہے۔

وفاتِ نبوی اور مکانِ جنت کا رویا

وفاتِ نبوی اور جنت میں آپ ﷺ کے مکان و مقام کا مشاہدہ کرانے کا تعلق بیداری کے علاوہ بعض رویا صادقہ سے بھی ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کی ایک حدیث میں رویا نبوی کا ذکر آیا ہے کہ رات دو آنے والے آئے اور آپ ﷺ کو اٹھا کر ایک ایسے شہر میں لے گئے جو سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ وہاں آپ ﷺ کو کچھ ایسے لوگ ملے جن کا نصف بدن بہترین شکل و صورت کا تھا اور دوسرا انتہائی قبیح۔ ان دونوں لانے والوں نے ان لوگوں سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں کود پڑو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا تو جب وہ باہر آئے تو ان کی بیماری / خرابی جا چکی تھی اور وہ بہترین صورت والے بن گئے تھے۔ ان دونوں فرستادوں نے مجھ سے کہا کہ یہ جنتِ عدن ہے اور اسی طرح یا یہی آپ ﷺ کی

منزل بھی ہے۔ پھر ان دونوں نے بتایا کہ جن لوگوں کا نصف حسین اور دوسرا نصف قبیح تھا وہ لوگ تھے جنھوں نے عملِ صالح کے ساتھ دوسرے برے کام ملا دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

۴۶۷۴:"عن سمرة بن جندب ؓ قال: قال لنا رسول الله ﷺ: اتانی اللیلة آتیان فابتعثانی، فانتهینا الی مدینة مبنیة بلبن من ذهب ولبن فضة فتلقانا رجال، شطر من خلقهم احسن ما انت راء، وشطر کاقبح ما انت راء، قالا لهم: اذهبوا فقعوا فی ذلك النهر، فوقعوا فیه، ثم رجعوا الینا قد ذهب ذلك السوء عنهم فصاروا فی احسن صورة. قالا لی: هذه جنة عدن، وهذاك منزلك. قالا: اما القوم الذین کانوا شطرمنهم حسن وشطرمنهم قبیح، فانهم خلطوا عملا صالحا وآخر سیئا، تجاوز الله عنهم" (بخاری، کتاب التفسیر، باب "وآخرون اعترفوا بذنوبهم، خلطوا عملا صالحا وآخرسیئا"......؛ فتح الباری، ۸/۴۳۲)

امام بخاری نے کتاب التعبیر میں بھی اس روایت کو مکمل طور سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی کامل شرح بھی وہیں کی ہے، یہاں صرف حوالہ دیا ہے (۴۸- باب تعبیر الرؤیا بعد صلاة الصبح؛ حدیث: ۷۰۴۷؛ فتح الباری، ۱۲/۵۴۸-۵۵۹۔ یہی کتاب التعبیر کی آخری حدیث ہے اور جلد دوازہم کی بھی)۔ اس طویل حدیثِ منام میں جہنم و جنت کے باسیوں کا مشاہدہ موجود ہے اور ان کے عذاب و ثواب کا ذکر بھی ہے۔ کفار و مشرکین کے عذاب کے علاوہ بد عمل مسلمانوں کی سزا کا حوالہ بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام و مرتبہ اور فطرت پر مرنے والے ہر بچے اور نابالغ اولادِ مشرکین کی مغفرت کی صراحت بھی ملتی ہے اور سب سے اہم رسول اکرم ﷺ کے مکانِ جنت کی مزید وضاحت پائی جاتی ہے: "......هذه جنة عدن وهذاك منزلك، قال: فسَما بصری صُعُدا، فاذا قصر مثل الربابة البیضاء، قال: قالا لی: هذاك منزلك". ایک اہم بات اس میں یہ بھی ہے کہ اس وقت رسول اکرم ﷺ نے اس میں داخل ہونا چاہا مگر ان دونوں

نے عرض کیا کہ ابھی نہیں، البتہ آپ ﷺ اس میں داخل ہونے والے ہیں: قلت لھما:

”...... ذرانی فادخلہ، قالا: اما الآن فلا، وانت داخلہ......“

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں نبوی دارِ آخرت یا مکانِ جنت کا دیدار کرادیا گیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی تسلی اور تشفی سے زیادہ آپ ﷺ کے اکرام اور توقیر کو واضح کرتا ہے۔ متعدد نبوی رویا میں رسولِ اکرم ﷺ کو آخرت سے متعلق بہت سی غیبی چیزیں دکھائی گئی تھیں۔ ان میں جنت و جہنم کا مشاہدہ بھی شامل تھا اور ان کے باسیوں کی جزاوسزا کا معاینہ بھی۔ متعدد دوسری تفصیلات بھی ان نبوی رویا میں ملتی ہیں۔ ان کی تصدیق و تائید بہت سی دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے جن کو ہم نے کشف اور عینی مشاہدہ کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ سے بھی نبوی خوابوں یا رویا صالحہ کی تصدیق ہوتی ہے لہذا ان کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔

رویا صالحہ، رویا صادقہ یا سچے خوابوں کی سب سے بڑی جہت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتے تھے۔ چونکہ وہ خاتم المرسلین ﷺ کو دکھائے جاتے تھے لہذا وہ وحیِ الٰہی پر مبنی ہوتے تھے۔ پہلے یہ بحث آچکی ہے کہ رسولوں کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کے خواب تو خاتم الانبیاء کے خواب تھے۔ ان کے سچ ہونے کے علاوہ ان کی آفاقی حیثیت بھی ہے۔ علماءِ اسلام نے تمام نبوی رویا صادقہ کو اسلامی ابدی حقیقت تسلیم کیا ہے اور ان کی بنیاد پر اسلامی احکام کا استنباط بھی کیا ہے۔ اور وہ قیامت تک کے لئے دوسرے احکام و حقائق کی مانند ابدی اور حقیقی ہیں۔

ان کی سب سے بڑی جہت یہ ہے کہ وہ وحیِ حدیث پر مبنی ہیں، ایسی وحیِ حدیث جو رسولِ اکرم ﷺ کے خواب میں آپ ﷺ کے قلب وذہن پر نازل کی جاتی تھی۔ رویا کی وحی بیداری کی وحی سے کسی صورت میں مختلف نہ تھی، دونوں کی یکساں منزلت بھی ہے اور ایک جیسی اطلاقی تاثیر بھی۔ وحیِ حدیث کے نقطہ نظر سے رویا صالحہ ایک اہم ترین طریقہ ہے۔

حدیثِ اسراء و معراج

وحیِ حدیث کے اعتبار سے اسراء و معراج کی حدیثِ نبوی کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے کہ وہ وحی کے کئی طریقوں کی جامع ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ اور علمائے اسلام کا اقلیتی نظریہ خاصا معروف ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا واقعہ اسراء و معراج ایک رویائے صادقہ ہی ہے۔ اس نظریہ خاص کے لحاظ سے حدیثِ اسراء و معراج صرف رویا کے ذریعہ نازل ہونے والی وحی بن کر رہ جاتی ہے اور اس میں دوسرے طُرق کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر جمہورِ امت، اکثریتِ صحابہ کرامؓ اور غالب علماءِ اسلام کے عقیدہ و فکر کے مطابق اسراء و معراج کا واقعہ بیداری کا ایک اہم ترین واقعہ نبوی ہے۔ اسی فکر و عقیدہ اور نظریہ تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی معراج جسمانی تھی، نہ کہ محض روحانی یا منامی، وہ اصلاً جسمانی، روحانی دونوں تھی۔ اس کا خواب، رویا، منام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ سراسر ہوشیاری، بیداری، قائمی ہوش حواس اور شعور و احساس پر مبنی ادراک کا معاملہ ہے۔ اس اسلامی اجماعی اور بنیادی عقیدے کے مطابق حدیثِ اسراء و معراج سوائے رویا و خواب کے تقریباً تمام دوسرے طُرقِ وحی کی جامع بن جاتی ہے۔

حدیثِ اسراء و معراج کو مختلف محدثینِ کرام نے اپنی کتبِ حدیث میں اپنی اپنی اسناد کے ساتھ مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ ان تمام روایات و احادیث میں متن کا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف بقولِ امام ابن تیمیہ "اختلافِ تنوع ہے، نہ کہ اختلافِ تضاد۔ اس کا

سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ جس محدث جلیل کو اپنے جس راوی کریم کی روایت صحیح اور بہتر معلوم ہوئی اس کو قبول کر کے بیان کیا۔ بعض محدثین کرام نے مختلف راویوں سے اس کو نقل کیا۔ ان رواۃ میں بعد کے راویوں سے زیادہ بحث قابلِ ذکر نہیں ہے بلکہ اصل راوی -صحابی جلیل- اہم ترین ہیں۔ بالعموم عظیم ترین امامانِ حدیث نے کئی صحابہ کرامؓ سے حدیثِ اسراء و معراج لی ہے اور ان سب کی روایات میں بعض اضافات بھی پائے جاتے ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے حدیثِ اسراء و معراج کے مفصل اور مختصر حصے جن صحابہ کرامؓ سے نقل کئے ہیں ان کی تعداد سات سے اوپر ہے۔ ان کے بنیادی راوی -صحابی راوی- ہیں:

۱- حضرت ابوذر غفاریؓ

۲- حضرت مالک بن صعصعہؓ مازنی خزرجی

۳- حضرت انس بن مالک خزرجیؓ

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ، حضرت عائشہ صدیقہ تیمیؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمیؓ، حضرت جابر بن عبداللہ خزرجیؓ، حضرت ابوہریرہ دوسیؓ دوسرے رواۃ ہیں جو حدیثِ اسراء و معراج کے مختلف ٹکڑے ہی بیان کرتے ہیں اور پورا واقعہ نہیں بیان کرتے۔

مختلف متون ہوں یا محدثین کی متعدد احادیث، وحی کے طریقوں کے اعتبار سے ان کا تجربہ الگ الگ نکات کی صورت میں کیا جارہا ہے اور مختلف عناوین کے تحت، تاکہ ہر طریقہ وحی واضح ہوتا جائے اور اس سے متعلق حصہ حدیث بھی نکھر کر سامنے آجائے۔ لہذا مندرجہ ذیل نکات:

مشاہدہ اور کشف کا طریقہ

حدیثِ اسراء و معراج کا پورا بیانیہ تقریباً اس طریقہ وحی کے تابع ہے۔ نہ صرف

حدیث شریف بلکہ قرآن مجید کی مختلف آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے تمام واقعات و معاملات کا مشاہدہ فرمایا تھا۔

۱- گھر کی چھت سے عروج

بالعموم محدثین و شارحین نے چھت کے پھٹنے سے اسے تعبیر کیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بچشمِ سر ملاحظہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے گھر کی چھت میں شگاف ہوا اور حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور شقِ صدر کا معجزہ وقوع پذیر ہوا۔ اس کی پوری کیفیت آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ شقِ صدر کا ایک یا اولین معجزہ آپ ﷺ کے بچپن میں بھی پیش آیا تھا جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں زیرِ تربیت تھے۔ اس واقعہ کو کسی نے بھی رویا کا معاملہ نہیں قرار دیا۔ وہ مصدق ہے کہ معراج کی رات میں پیش آنے والا معجزۂ شق الصدر بھی بیداری کا واقعہ تھا۔ پہلے بچپن میں آپ ﷺ اس کی ماہیت سے واقف نہ ہو سکے تھے مگر اب آپ ﷺ کے پورے شعور و ادراک کی روشنی میں، نبوت کی بصیرت کے جلوے میں وہ وقوع پذیر ہوا اور اس کی تمام تفصیلات و کیفیات آپ ﷺ نے خود ملاحظہ فرمائی تھیں۔

۲- براق کی سواری

رسولِ اکرم ﷺ کے مکہ سے بیت المقدس تک کے پہلے مرحلہ سفر کے لئے جو خاص سواری لائی گئی اس کا حلیہ اور سواری کے حالات و واقعات بھی آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمائے۔ بعض روایاتِ سیرت کے مطابق پورے راستے کے بعض مراحل و منازل کے علاوہ سفر کے حالات و تفصیلات بھی آپ ﷺ دیکھتے گئے اور بعد میں آپ ﷺ نے بعض حالات کو بیان فرمایا اور بعض دوسرے مشاہدین نے ان کی تصدیق بھی کی۔

۳-اسراء / بیت المقدس میں ورود

قرآن مجید کی آیتِ کریمہ :سورہ اسراء:۱- وضاحت کرتی ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک آپ ﷺ کا شبانہ سفر ایک حقیقی واقعہ تھا اور آپ ﷺ نے ان تمام آیات و برکات کو دیکھا تھا جو اس مقدس سرزمین میں ودیعت کی گئی تھیں۔ حدیثِ اسراء سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور مزید تفصیلات بھی ملتی ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے۔

۴-بیت المقدس / مسجدِ اقصیٰ میں امامت

رسولِ اکرم ﷺ نے بیداری کی حالت میں مسجدِ اقصیٰ میں جمع تمام انبیائے کرام کی امامت کی۔ بعض روایات سے ایسا تاثر ابھرتا ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کرام کے ساتھ نماز ادا فرمائی مگر تحقیق یہی بتاتی ہے کہ آپ ﷺ کو امامتِ انبیاء کا شرف عطا ہوا تھا۔

۵-دودھ کے پیالے کا انتخاب

اسی مقام و موقع پر رسولِ اکرم ﷺ نے دودھ کے پیالے اور جامِ شراب میں سے اول الذکر کو منتخب فرمایا اور اپنی امت کی ہدایت کی ضمانت پائی۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے اپنے انتخابِ فطرت کی تعریف بھی سنی اور تعبیر بھی حاصل کی۔ بعض روایات میں دوسرے مقامِ معراج پر اس واقعہ کے پیش آنے کا ذکر ملتا ہے اور بہر حال اس امکان کے لئے کوئی مانع نہیں کہ ایسا دوبار پیش آیا ہو۔ حدیث کا دروبست اسے دو واقعات بتاتا ہے۔

۶-حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت

اگرچہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ شروع سے تقریباً آخر تک اس سفر میں رہے اور ان کی رویت کا سلسلہ بیتِ نبوی سے سدرۃ المنتہیٰ تک جاری رہا اور نہ

صرف رویت کا بلکہ سلام و کلام اور معیت و صحبت کا بھی، تاہم ان کی بصری رویت کا وہ واقعہ پیش آیا جس کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو ان کی اصل صورت میں دیکھا: ان کے چھ سو پر تھے اور وہ سبز جوڑا پہنے ہوئے تھے اور ان کی جسامت نے پورے افقِ آسمانی کو بھر دیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے دراصل حضرت جبریل علیہ السلام مصاحب، سفیر اور ساتھی تھے اور تمام سفر میں ان کے میزبان، راہبر، دلیل اور تعارف کرانے والے فرستادہ الٰہی کے مانند صحبتِ نبوی میں رہے تھے۔ ان کی رویت ہر جگہ بصری تھی جس طرح وہ رسولِ اکرم ﷺ سے برسر زمین ملا کرتے تھے اسی طرح وہ سفرِ معراج میں ملے اور آسمانوں پر بھی اسی طرح دکھائی دیئے البتہ سفرِ معراج میں ان کی اصل صورت میں رویت ہوئی تھی۔

۷-ساتوں آسمانوں پر رویتِ نبوی

۱- پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات میں بنو نوعِ آدم کے دو طبقات - اصحاب الیمین و اصحاب الشمال - کی رویتِ نبوی قرآن مجید کی سورۂ واقعہ کے اصحاب الیمین و اصحاب الشمال کی اصل تصویر کشی ہے۔ وہ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا عینی مشاہدہ تھا۔

۲-دوسرے آسمان پر حضرات عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات سے زیادہ ان کے حلیہ کی رویت اور بیانِ نبوی مشاہدہ پر مبنی تھا۔

۳- تیسرے آسمان پر اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے حسن و جمال کا اصل نظارہ کیا۔

۴-چوتھے آسمان پر رسولِ اکرم ﷺ نے نہ صرف حضرت ادریس علیہ السلام کا دیدار کیا بلکہ ان کے مقامِ بلند پر قرآن مجید کی آیتِ کریمہ: ﴿ورفعنه مکانا علیا﴾ (مریم-۵۷) کا مشاہدہ کیا تو کیا، آیتِ قرآنی کا ذکر فرما کر ان کا موازنہ بھی کیا۔

۵-پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے کلام و سلام کیا۔ان کی صورت و شخصیت سے کامل شناسائی حاصل کی۔

۶- چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیارت و ملاقات رہی۔ان کا حلیہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی حدیثِ معراج میں بیان فرمایا جو انسانوں میں قبیلہ ازد شنوءہ کے مَردوں کے مشابہ تھا۔یہ تطبیق و تصویر کشی مشاہدہ پر مبنی تھی اور ساتھ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیانِ رشک کہ امتِ محمدیہ زیادہ ہو گی اور بیشتر جنتی بھی۔

۷-ساتویں آسمان پر رسولِ اکرم ﷺ کی ملاقات ابو الانبیاء اور خاص جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔حدیثِ معراج میں ان کے بارے میں تفصیل ملتی ہے۔

بیت المعمور میں

حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آپ ﷺ کو بیتِ معمور کی طرف عروج ہوا جہاں ستر ہزار فرشتے روزانہ عبادت کرتے ہیں۔روایات کے مطابق ان کی تعداد ان گنت ہے کہ ستر ہزار فرشتے جب اوپر جاتے ہیں تو پھر کبھی نیچے نہیں آتے۔نیز ستر ہزار کی تعداد محض اشارہ ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ کی بلندی پر

انسانی تعبیر کے لحاظ سے اسے بیری کا درخت اور اس کا مقام کہا گیا ہے۔ورنہ دراصل وہ اوپر والوں اور نیچے والوں کے لئے درمیانی سرحد ہے۔نیچے والے اس کے اوپر نہیں جا سکتے اور اوپر والے نیچے نہیں اترتے۔حضرت جبریل علیہ السلام نے اس مقام کی تمام چیزیں دکھائیں اور اصل جنت کی نہروں کا معاینہ کرایا۔یہاں پھر جامِ شراب، پیالہ دودھ اور پیمانہ شہد پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے فطرتِ الٰہی کے تقاضے کے عین مطابق دودھ کا

پیالہ لے لیا اور نوش فرمایا۔ یہ دراصل پہلے انتخاب کی تصدیق تھی اور آپ ﷺ کی امت کی صالحیت کی ایک اور دلیل۔

سدرۃ المنتہیٰ سے پرے

حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے کہ ان کی سرحد آگئی تھی جس کے آگے وہ نہیں جا سکتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی اصل معراج کا مقام آگیا اور آپ ﷺ نے سرحدِ ادراک پار کی اور عین حضرتِ الٰہی میں عروج فرما گئے جہاں زبانِ نبوت کے مطابق صریرِ خامہ ہائے آسمانی کے چلنے کی آواز سنی۔ یہ تمام واقعات و حالات آپ ﷺ نے اپنی چشمِ بینا سے ملاحظہ فرمائے۔ یہی اصل معراجِ محمدی کا دیباچہ کہلا سکتا ہے کہ خاکی و نوری مخلوقات میں سے کسی ایک فرد و شخص کو بھی اس مقام تک عروج حاصل نہیں ہوا تھا۔ مگر اصل معراجِ محمدی ابھی باقی تھی۔

کلامِ الٰہی کا مقام

عین حضرتِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اور براہِ راست رسولِ اکرم ﷺ سے کلام فرمایا۔ یہی اصل معراجِ محمدی ہے۔ حدیثِ نبوی کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے ایک نور دیکھا جو نورِ الٰہی کا حجاب تھا اور حجاب بھی نوری تھا کہ اگر وہ حجاب ہٹ جائے تو چہرۂ الٰہی کی شعاعیں ہر شئے کی تاب و تب جاودانہ سے زیادہ اور اس کی قوتِ برداشت سے ماوراء ہوں گی اور وہ سب کی سب خاکستر ہو جائیں۔ اسی مکان و مقام پر رسولِ اکرم ﷺ کو خاص تحفہ الٰہی یا نعمتِ ربانی عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس زبان سے پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ امام مسلم کی حدیثِ انس بن مالکؓ میں صراحت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں“ ......فاوحی اللہ الیّ ما اوحی

ففرض علیّ خمسین صلاۃ......"

-پچاس نمازوں کا تحفہ الٰہی لے کر رسولِ اکرم ﷺ واپس ہوئے۔ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ آپ ﷺ حضرتِ الٰہی میں واپس جائیں اور نمازوں کی تعداد کم کرائیں کہ آپ ﷺ کی امت کی بساط کے باہر ہے کیونکہ بنو اسرائیل کا خوب ذاتی تجربہ ان کو ہو چکا تھا۔ امام مسلم کی حدیثِ انسؓ میں ہے کہ ہر بار پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ کلام سے فرمائی۔ دوسری روایات میں دس دس نمازوں کی تخفیف کا ذکر ملتا ہے۔

-رسول اکرم ﷺ حضرتِ الٰہی میں دوبارہ پہونچے اور نمازوں میں تخفیف کی درخواست کی: پچاس کی جگہ چالیس فرمادیں اللہ تعالیٰ نے۔

-تیسری بار حضرتِ الٰہی میں واپسی ہوئی اور مزید دس کم کر کے تیس کر دی گئیں۔

-چوتھی بار پھر حضرت موسیٰ کے کہنے پر حضرتِ الٰہی میں حاضری دی اور مزید نمازیں کم کر کے بیس کر دی گئیں۔

-پانچویں بار حضرتِ الٰہی میں رسولِ اکرم ﷺ اپنی امت کی خاطر تشریف لے گئے اور پھر دس کم کر کے دس نمازیں کر دیں اللہ رب العالمین نے۔

- چھٹی بار پھر رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ کے اصرار پر حاضری دی اور حضرتِ الٰہی نے پانچ نمازیں کم کر کے صرف پانچ کر دیں۔

-ساتویں بار رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تخفیف کے مشورہ کو فرطِ حیائے الٰہی سے نہیں قبول فرمایا تو مزید انعامِ الٰہی بزبانِ قدوسی رسولِ اکرم ﷺ کو ملا۔ اس بار اللہ تعالیٰ نے براہ راست پھر رسولِ اکرم ﷺ سے کلام فرمایا اور کئی انعامات کا اعلان فرمایا:

۱-اللہ تعالیٰ نے اول انعام یہ کیا کہ اپنے بندوں پر آپ ﷺ کی درخواست کے سبب فریضہ الٰہی میں تخفیف کر دی۔

۲-پانچ نمازیں دراصل پچاس نمازوں کے برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول کبھی بدلا نہیں جاتا۔ مسلمانوں کے لئے فریضہ پانچ نمازوں کا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حساب و پیمان میں ان کا شمار پچاس نمازوں کا ہے اور پانچ کا ثواب پچاس کے برابر ہے۔

۳-اللہ تعالیٰ نے اصول قائم فرمایا کہ ہر نیکی کا اجر و ثواب دس گنا دوں گا۔ یہ نماز کے اجر و ثواب کے عین مطابق اصول ہے بلکہ اسی کے سبب قائم ہوا۔ متعدد احادیثِ نبوی میں بھی اس اصول کا واضح ذکر ملتا ہے اور اسی کا صریح بیان قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ میں بھی لایا گیا ہے۔

۴-اللہ تعالیٰ نے مزید کلام فرما کر بتایا کہ اگر بندے نے نیکی کا ارادہ بھی کیا تو ایک نیکی کا ثواب اسے محض نیت پر دے دوں گا۔

۵-اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے بالمقابل دوسرا انعام یہ فرمایا کہ برائی پر عمل پر صرف ایک کا عقاب لکھا جائے گا اور محض ارادہ پر کچھ نہیں۔

۶-اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر مزید رحمت یہ کی اور اپنے کلام سے عطا فرمایا کہ شرک کے سوا تمام کبائر بھی معاف کر دیئے جائیں گے جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا۔

۷-اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص رسولِ اکرم ﷺ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیاتِ کریمہ کی بشارت سے نوازا بلکہ تحفہ آیات بھی عطا فرمایا۔

واپسی پر جنت و جہنم کا نظارہ

رسولِ اکرم ﷺ نے جنت و جہنم کا مشاہدہ کیا اور ان کے باشندگان کے ثواب و عقاب کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ اس کے ساتھ جنت کی زمین اور دوسری نعمتوں کا مشاہدہ فرمایا۔ مالک داروغہ جہنم سے ملاقات کی اور دوسری نشانیاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ دیگر احادیث کے علاوہ قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ سے بھی ان مشاہداتِ نبوی کی لفظی و معنوی تصدیق ہوتی ہے۔

کشف کا طریقہ وحی

واقعہ اسراء و معراج کے رونما ہونے کے بعد واپسی پر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے لوگوں کے سامنے اسے بیان فرمایا۔ بعض اکابرِ قریش نے شک و شبہ کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ سخت طنز و تعریض بھی کی اور صداقت جانچنے کے لئے بیت المقدس کے جغرافیائی حالات پوچھے۔ اگرچہ آپ ﷺ اس کا نظارہ کر چکے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے صداقتِ نبوی کی پکی دلیل فراہم کرنے کی خاطر بیت المقدس کو آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا۔ مطعم بن عدی نوفلی جیسے اکابرِ قریش نے اور حضرت صدیقؓ جیسے مسلم و مومنِ صادق نے آپ ﷺ کے بیان کی کامل بلکہ حرف بحرف تصدیق کی۔ اس میں اصل راز یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے واقعہ اسراء سے قبل بیت المقدس کا سفر کیا اور نہ اسے اپنی چشمِ بصیرت و بصارت سے ملاحظہ کیا تھا جبکہ متعدد قریشی اکابر کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کا سفر بھی کیا تھا اور وہ سب اس کے تمام جغرافیائی حالات و تفصیلات سے خوب واقف تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے بیان بیت المقدس کا حرف حرف مشاہدین و مسافرین کے مشاہدات و تجربات کی پوری تصدیق کر رہا تھا بلکہ اس سے زیادہ تھا۔ حضرت صدیقؓ اور مسلمان تو سننے سے پہلے ہی تصدیقِ نبوی کر چکے تھے، کفارِ قریش اور اکابرِ مکہ نے بھی اسے واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

(بخاری، کتاب الصلوۃ، ۱-باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء؛ حدیث: ۳۴۹ بروایتِ حضرت ابوذرؓ؛ فتح الباری، ۱/؛ کتاب الحج، ۷۶-باب ماجاء فی زمزم؛ حدیث: ۱۶۳۶ بروایتِ حضرت ابوذرؓ؛ فتح الباری، ۳/ ۶۲۲-۶۲۳؛ کتاب بدء الخلق، ۶-باب ذکر الملائکۃ؛ حدیث: ۳۲۰۷ بروایتِ حضرت مالک بن صعصعہؓ؛ فتح الباری، ۶/ ۳۶۳-۳۶۵، ۳۷۱-۳۷۲؛ نیز احادیث: ۳۳۹۳، ۳۴۳۰، ۳۸۸۷؛ کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین ......الخ، حدیث: ۳۲۳۲، ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۳۲۳۹ بروایاتِ حضرات ابن مسعود، عائشہ، ابن عباس، نیز ۴۸۵۶، ۴۸۵۷، ۴۸۵۸/ ۳۲۳۵، ۴۶۱۲، ۴۸۵۵، ۷۲۸۰، ۷۵۳۱/ ۳۳۹۶؛ فتح

الباری،۶/ ۳۷۶-۳۷۸ ومابعد؛ کتاب احادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس علیه السلام، حدیث:۳۳۴۲ بروایتِ حضرت ابو ذرؓ؛ فتح الباری،۶/ ۴۵۱-۴۵۳، حدیث:۳۳۹۳ بروایتِ حضرت مالک بن صعصعہ؛ فتح الباری، ۶/ ۵۱۴، ۳۳۹۴: بروایتِ حضرت ابو ہریرہؓ؛ فتح الباری، ۶/ ۵۲۰، اطراف حدیث:۳۴۳۷، ۴۷۰۹، ۵۵۷۶، ۵۶۰۳/ ۳۳۹۶ بلا سند، ۶/ ۵۲۱؛ حدیث:۳۴۳۰، ۶/ ۵۷۰-۵۸۱، اطرافِ حدیث مذکورہ بالا ۳۴۳۷- ۳۴۳۸؛ کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء......الخ؛ ۳۸۸۶ بروایتِ حضرت جابرؓ؛ باب المعراج، حدیث ۳۸۸۷ بروایتِ حضرت مالک بن صعصعہؓ؛ فتح الباری، ۷/ ۲۵۲- ۲۵۴، نیز احادیث:۳۸۸۸، بروایتِ حضرت ابن عباس، اطراف:۴۷۱۶، ۶۶۱۳؛ فتح الباری، ۷/ ۲۵۴- ۲۷۳؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء؛ نووی، ۱/ ۳۵۸-۳۶۱ نیز ۳۶۳-۳۶۹ بروایتِ ابوذرؓ و مالک بن صعصعہؓ وغیرہ ومابعد؛ ۱۱/ ۳۸۱-۳۸۹ ومابعد؛ ابن سید الناس، عیون الاثر؛ ۱/ ۱۸۷-۲۰۰ نیز دوسری کتبِ حدیث و سیرت: ابن سعد، ابن ہشام، طبری، بلاذری وغیرہ)

اسراء اور معراج سے متعلق تمام احادیث و روایات سے یہ بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے تمام حالات، واقعات اور غیبی چیزوں کا مشاہدہ اپنی آنکھوں کے ذریعہ کیا تھا۔ یہ محض کشف کا معاملہ نہیں تھا بلکہ اس سے زیادہ بلند چیز تھی۔ کشف میں صاحبِ کشف اپنے مقام پر اپنے جسم و جان کے ساتھ موجود رہتا ہے اور اس کی چشمِ بصیرت کے سامنے غیبی چیزیں کھول دی جاتی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے بہت سے غیبی امور کا مشاہدہ مختلف مواقع پر کیا تھا جن کا ذکر آگے خاص باب میں آرہا ہے۔ اسراء اور معراج میں رسولِ اکرم ﷺ اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ غیبی امور کی دنیا میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں اپنی جسمانی آنکھوں کے ذریعہ ان کا عینی مشاہدہ فرمایا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ اس عالمِ غیب کے ایک فرد تھے۔ بحیثیت نبی و رسول آپ ﷺ کو یہ شرف تمام انبیاء میں بطور خاص بخشا گیا تھا۔ اسی بنا پر اس کو معراج کہا جاتا ہے۔ مادی جسم و جان کے ساتھ عالمِ غیب میں منتقلی کا مسئلہ کافی بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہے۔ سر دست اس پر بحث کا موقعہ نہیں تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا جس میں خرقِ عادت کا عنصر ہوتا ہی ہے۔

حدیثِ قدسی

یوں تو تمام احادیثِ نبوی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ وحی پر مبنی ہوتی ہیں اور معنوی کلامِ الٰہی ہوتی ہیں لیکن حدیثِ قدسی کی نسبت خاص ہے۔ وہ بھی اللہ کا کلام اور اس کی جانب سے نازل شدہ وحی ہوتی ہے لیکن حدیثِ قدسی کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ صراحت فرمادیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ امامانِ حدیث نے وضاحت کی ہے کہ صحابیِ جلیل بھی جب رسولِ اکرم ﷺ سے اسے روایت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف نبوی نسبت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ مثلاً حضرات انس بن مالک خزرجیؓ اور ابو ہریرہ دوسیؓ کی دو روایات کو بطور حدیثِ قدسی حضرت امام بخاری نے کتاب العلم میں نقل کیا تو لکھا کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کو تمہارے رب عزوجل سے روایت کیا ہے (بخاری، کتاب العلم، ٤-باب قول المحدث: حدثنا او اخبرنا او انبانا.. ترجمة الباب؛ فتح الباری، ۱/۱۹۱: وقال انس: عن النبی ﷺ یرویه عن ربه عزوجل/ وقال ابو هريرة، عن النبی ﷺ عن ربكم عزوجل......؛ مسلم، کتاب الایمان، باب اذا هم العبد بالسيئة الخ؛ نووی، المنهاج، ۱/۳۱۱-۳۱۳ ومابعد)۔ امام بخاری اور دوسرے محدثینِ کرام نے اس سے اسناد کی روایت کے تسلسل، اعتبار، وقعت، منزلت اور ثقاہت کو بھی اجاگر کر دیا ہے (مسلم، کتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة الليل والوتر؛ نووی، المنهاج ۲/۲۷۶-۲۷۸: نمازِ شب سے متعلق متعدد احادیثِ قدسی)

علماءِ حدیث کا اس امر پر اختلاف ہے کہ حدیثِ قدسی کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں یا دوسری احادیث کے مانند وہ بھی الفاظِ نبوی ہوتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ حدیثِ قدسی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے کلام پر مبنی ہوتے ہیں اور اکثر کے خیال میں اس کے الفاظ بھی نبوی کلام ہوتے ہیں۔ سارا مسئلہ دراصل حدیثِ قدسی کی تعریف پر منحصر ہے۔ حدیثِ قدسی وہ پاک و مقدس روایت و کلام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ پر الہام یا منام (خواب) کے ذریعہ نازل فرماتا ہے لیکن اس کے معانی رسولِ اکرم ﷺ کے

نہیں ہوتے اور ان کو الفاظ کا جامہ زبانِ نبوت ہی عطا کرتی ہے۔اسی بنا پر قرآن مجید کو حدیثِ قدسی پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ قرآنی الفاظ بھی معانی سمیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں:......**فان ما اخبرالله به نبيه بالالهام او بالمنام فاخبر عليه السلام عن ذلك المعنى بعبارة نفسه.فالقرآن مفضل عليه لان لفظه منزل ايضا.في المصباح**(بحوالہ شیخ محمد المدنی-م۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء-؛کتاب **الاتحافات السنية فى الاحاديث القدسية،مطبعة دار المعارف العثمانية**، حیدر آباد دکن ۱۳۸۵ھ،۱۸۷)

شیخ مدنیؒ نے ملا علی قاری کی تعریف بھی نقل کی ہے کہ تمام راویوں کے صدر اور ثقہ بزرگوں کے امام ﷺ نے جس روایت کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کیا ہے وہ حدیثِ قدسی ہے۔وہ کبھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے آتی تھی، کبھی وحی کے ذریعہ سے اور کبھی الہام و منام (خواب) کے ذریعہ سے اور آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا تھا کہ جس عبارت میں چاہیں اس کی تعبیر فرمائیں۔احادیثِ قدسی کلام کی ان اقسام سے تعلق رکھتی ہیں جو قرآنِ مجید اور فرقانِ حمید سے مختلف ہے کہ اس کا نزول اگرچہ روح الامین کے واسطہ سے ہی ہوتا تھا لیکن اس کے الفاظ بھی لوحِ محفوظ میں جمع شدہ الفاظ جیسے ہی ہوتے تھے اور ان الفاظ میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تھی، مزید یہ کہ نزولِ قرآنی یقینی ہوتا ہے اور قطعی و حتمی بھی اور اس کا نقل و بیان و قراءت و کتابت ہر چیز، ہر طبقہ اور ہر زمانے اور ہر آن متواتر و قطعی ہوتی ہے جبکہ احادیثِ قدسی میں الفاظِ الٰہی نہیں ہوتے بلکہ معانی اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں جن کو رسولِ اکرم ﷺ روایت کرتے ہیں۔اسی بنا پر علماء و فقہاء نے بہت سے احکام و ضوابط بھی اس باب میں مستنبط کیے ہیں۔ان میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

۱-احادیثِ قدسی کی قراءت سے نماز ادا نہیں ہوگی۔

۲-ناپاک شخص-مرد یا عورت- کے لئے لکھی ہوئی احادیثِ قدسی کا چھونا حرام نہیں ہے۔

۳-حدیثِ قدسی میں اعجاز نہیں پایا جاتا۔

۴-اگر کوئی شخص کسی حدیثِ قدسی کا انکار کردے تو وہ کافر نہیں قرار دیا جائے گا (الاتحافات السنیة،۱۸۷)

عام احادیثِ نبوی بھی وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں اور حدیثِ قدسی کا ذخیرہ بھی، تو ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ مختلف علماءِ کرام نے وضاحت کی ہے کہ عام حدیث کی نسبت رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرتے تھے بلکہ صرف حدیثِ قدسی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:......"الفرق بان الحدیث القدسی مضاف الی اللہ تعالیٰ و مروی عنه بخلاف غیره (الاتحافات السنیة،۱۸۸: قولِ مولیٰ کرمانی کے حوالے سے)۔

ایک فرق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفاتِ جمالی و جلالی کی تنزیہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ یہی بات بعض دوسرے علماء نے بھی کہی ہے۔ امام طیبی کی تعریف حفیدِ تفتازانی کی "کتاب الفوائد" میں نقل کی گئی ہے اور اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جن معانی کو الہام و منام کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ نے ان کے بارے میں اپنی امت کو خبر دی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا وہی حدیثِ قدسی ہیں اور باقی احادیث کو نہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور نہ ان کی روایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی:"والقدسی اخبار اللہ معناه بالالهام و المنام فاخبر النبی ﷺ امته بعبارة نفسه وسائر الاحادیث لم یضفها الی اللہ ولم یروها عنه......"(ایضا،۱۸۸)۔ شیخ موصوف نے اس فصل میں اور بعد کی فصل میں قرآن مجید اور حدیثِ قدسی کے درمیان فرق اور ان کی وجوہ سے مفصل ومدلل بحث کی ہے۔

شیخ مدنیؒ ان چند نابغہ روزگار محدثین میں ہیں جنھوں نے احادیثِ قدسی کو مختلف کتبِ حدیث سے ایک جگہ جمع کر دیا۔ وہ قدیم ترین مؤلفین میں ہیں۔ ان کی کتاب میں ۸۵۸ احادیثِ قدسی ہیں۔ شیخ اکبر ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کا مجموعہ احادیث بھی بتایا جاتا ہے جو ایک سو ایک احادیث پر مشتمل ہے۔ وہ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء) کے مجموعہ

احادیثِ قدسی کے ساتھ جس میں صرف چالیس احادیث ہیں، چھپا ہے (مقالہ "حدیثِ قدسی" دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، از J.Robson) لیکن اس کا انتساب قابلِ بحث ہے۔

حدیثِ قدسی کے نزول کے طریقے کے بارے میں مذکورہ بالا اہلِ علم کا زیادہ تر اصرار ہے کہ وہ الہام یا منام کے ذریعہ ہی قلبِ نبوی پر ہوا۔ حضرت مولیٰ کرمانی کی تعریف میں یہی ہے اور شیخ محمد مدنیؒ کے نقل کردہ اقتباسِ مصباح میں اسی کا حوالہ ہے۔ اول الذکر کے بارے میں تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بغیر واسطہ کے ہوا تھا۔ لیکن ملا علی قاریؒ کے بیان میں اس کے نزول کے چار طریقے بیان کئے گئے: حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے، وحی کے ذریعہ، یا الہام و منام میں۔ ان میں سے "وحی" کا ذکر بہت دلچسپ ہے، نہیں معلوم کہ ان کی مراد اس سے کیا ہے کیونکہ خواہ وہ حضرت جبرئیل کے واسطہ سے آئے یا رویا وا لہام کے ذریعہ وہ تو وحی ہی ہے۔ وحی کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے تھے، قرآن و حدیث دونوں کے لئے، جو طریقے قرآنی وحی کے تھے وہی حدیث کے تھے اور وہی حدیثِ قدسی کے بھی۔ مگر اس لفظ "وحی" سے حضرتِ الٰہی سے کسی الہامی ذریعہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے دل تک پیغام کا خفیہ خفیہ آنا مراد ہے جو وحی کے لغوی معنی بھی ہیں۔ بہر حال ذیل میں الگ الگ عناوین کے تحت احادیثِ قدسیہ کی تنزیل کے ذرائع سے بحث کی جارہی ہے اور ان تمام کو ان کے ذرائع کے تحت بیان کیا جارہا ہے۔

رویا صادقہ

وحی کا بنیادی ذریعہ ہے اور اولین بھی۔ وہ دوسرے ذرائعِ وحی کے ساتھ ہمیشہ قائم و دائم رہا لہٰذا احادیثِ قدسی کا اولین ذریعہ بھی اسی کو قرار دیا گیا اور بعض احادیثِ قدسی میں اس رویا صادقہ کے ذریعہ آنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ذریعہ کے تحت تمام احادیثِ قدسی کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔

۲۶۶-اتانی اللیلة ربی تبارك و تعالیٰ فی احسن صورة-احسبه قال فی المنام-فقال: یا محمد، أ تدری فیما یختصم الملأ الاعلی؟قلت:لا، فوضع یده بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما فی السموات وما فی الارض،فقال:یا محمد،هل تدری فیما یختصم الملأ الاعلی؟قلت: نعم، فی الکفارات والدرجات......الخ، طویل حدیث در متعدد کتبِ حدیث ترمذی، مسند احمد وغیرہ؛ حدیث:۳۲۸ بھی اسی معنی کی ہے اور زیادہ مفصل ہے۔ وہ امام ترمذی، طبرانی کی کبیر اور حاکم و محمد بن نصر اور ابن مَردَوَیہ کی روایت ہے جو حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے (۶۰-۶۱) نیز حدیث:۶۰۹ (الاتحافات ۱۲۲)

اگرچہ رویا صادقہ کے تحت صرف اسی ایک حدیثِ قدسی کا ذکر کیا گیا ہے مگر وہ بہت اہم حدیث ہے اور اس کی متعدد جہات ہیں۔ دراصل یہاں بحث ان احادیث اور ان کے جہات و معانی سے نہیں ہے کہ ہمارا سردست مقصود "ذریعہ وحی" کا سراغ لگانا ہے تاہم یہاں یہ کہنا ضرور ہو جاتا ہے کہ "ملأ اعلیٰ" کے جس بحث و مباحثہ (اختصام) کا حوالہ حدیثِ قدسی میں ملتا ہے اس میں کفارات و درجات کی حدیث ہے اور دوسرے مضامین بھی ہیں۔ وہ قرآنِ مجید کی آیاتِ کریمہ میں مذکورہ ملأ اعلیٰ کے اختصام و بحث و مباحثے سے بالکل الگ موضوع و مضمون ہے۔ اس کے باوجود بھی ان دونوں میں ایک نسبت ہے جو وحی کی نسبت ہے اور حکم و علم کی مماثلت بھی رکھتی ہے۔

کشف کے ذریعہ حدیثِ قدسی

صحیحین- صحیح بخاری و صحیح مسلم- کے علاوہ متعدد دوسری کتبِ حدیث میں بہت سی روایات ہیں جن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے لئے زمین کو سمیٹ کر احاطہ بصارت کے اندر کر دیا اور آپ ﷺ کو تمام سمتوں میں پھیلی ہوئی اپنی

امت دکھادی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس وقت اپنی امت کے لئے دعا مانگی کہ پروردگار میری امت کو کسی قحط کے ذریعہ یا کسی دشمن کے ہاتھوں ایک دم ہلاک نہ فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر کے وعدہ فرمایا کہ امتِ مرحومہ خود اپنی ہلاکت کے اسباب پیدا کرے تو دوسری بات ہے ورنہ ان کی ہلاکت کسی غیر کے ہاتھوں نہ ہو گی۔ اس معنی کی دو حدیثیں۔

حدیث:۳۵۵-۳۵۶- شیخ محمد مدنی نے عظیم ترین امامانِ حدیث سے نقل کی ہیں:

۳۵۵-:ان اللہ تعالیٰ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا و مغاربھا،وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا، واعطیت الکنزین الاحمر والابیض،وانی سألت ربی لامتی ان لا یھلکھا بسنة عامة،وان لا یسلط علیھم عدوا من سوی انفسھم فیستبیح بیضتھم،وان ربی قال:یامحمد،اذا قضیت قضاء فانه لا یرد، وانی اعطیك لامتك ان لا اھلکنھم بسنة عامة، وان لا اسلط علیھم عدوا،سوی انفسھم فیستبیح بیضتھم ولو اجتمع علیھم من اقطارھا حتی یکون بعضھم یھلك بعضا و لیسبیٰ بعضھم بعضا (مسلم بروایتِ حضرت ثوبانؓ،۶۶-۶۷)

۳۵۶:کا اولین حصہ مذکورہ بالا حدیثِ مسلم کی مانند ہے۔ بعد میں بعض اضافات ہیں: جیسے امت کو گمراہ کرنے والے امام ملیں گے،امتِ مرحومہ میں ایک بار تلوار چل گئی تو قیامت تک چلتی رہے گی اور امتِ مسلمہ میں تیس جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنے کو نبی بتائے گا حالانکہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں خاتم النبین ہوں اور میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور امت کا ایک طبقہ بہر حال حق پر قائم رہے گا اور کوئی مخالف اسے ختم نہیں کر سکے گا۔ یہ حدیث مع اضافات کے صحیح مسلم کے علاوہ امام احمد بن حنبل، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابو عوانہ اور ابن حبان نے راوی مذکور حضرت ثوبانؓ سے ہی روایت کی ہے (الاتحافات،۶۷)۔ اگرچہ "اضافات" سے قبل رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے خدشہ کا اظہار فرمایا ہے کہ ایسا ایسا ہونے کا مجھے ڈر ہے لیکن ان چاروں "خدشات" کی بنیاد بہر حال وحی ہے اور ممکن ہے کہ وہ اسی کشف کے ذریعہ آپ ﷺ کے پاس پہونچی ہو یا اس

کے لئے کوئی دوسرا طریقہ وذریعہ اختیار فرمایا گیا ہو لیکن کشف پر مبنی حدیث کے ایک حصہ ہونے کے سبب زیادہ قرینہ یہی ہے کہ وہ اسی کا جزو ہیں)

کشف کے ذریعہ وحیِ حدیث کے زمرے میں ایک اور حدیث بھی آتی ہے۔وہ حدیث:۴۸۱ ہے جس کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے میری امت کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا: پروردگار جو تیری مرضی تو کر کہ وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔دوبارہ میری رائے پوچھی، میں نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور پھر تیسری بار بھی یہی ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے احمد! میں تمہاری امت کے باب میں تمھیں شرمسار نہیں کروں گا اور مجھے بشارت دی کہ میرے ساتھ میری امت کے ستر ہزار اول اول داخلِ جنت ہوں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار وہ ہوں گے جن سے حساب کتاب نہ ہوگا۔ پھر میرے پاس فرشتہ ارسال کیا کہ جو مانگو گے پاؤ گے تو میں نے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ سے کہا کہ کیا میرا رب میرا سوال پورا کرے گا؟ اس نے کہا کہ مجھے اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ جو مانگیں عطا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے عطیہ خاص سے نوازا جس پر میں فخر کا اظہار نہیں کرتا۔ میرے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دئے اور میں زندہ اور صحیح رہوں گا۔ مجھے یہ عطیہ بھی دیا کہ وہ میری امت کو رسوا کرے گا نہ مغلوب، مجھے کوثر نامی نہر جنت بھی عطا فرمائی جو میرے حوض میں آگرتی ہے، مجھے قوت، مدد و نصر، رعب کا عطیہ دیا جو میرے آگے آگے ایک ماہ کی مسافت پر چلتا ہے۔ مجھے تمام انبیاءِ کرام میں سب سے پہلے جنت میں داخلہ ملے گا اور میرے اور میری امت کے لئے غنیمت کے مال کو حلال فرمادیا اور بہت سی چیزیں اور بھی حلال کر دیں جو گذشتہ لوگوں پر سخت و شدید تھیں اور ہمارے لئے دین میں تنگی نہیں پیدا فرمائی۔ مجھے شکر میں سجدہ ادا کرنے کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں معلوم (امام احمد اور امام ابن عساکر نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے:۸۹)

اس حدیث کا اولین حصہ اسے کشف کا معاملہ بتاتا ہے: "ان ربی استشارنی فی امتی ماذا افعل بھم......" لیکن دوسرے یا بعد کے حصہ میں جہاں رسول اکرم ﷺ پر

خاص عطیاتِ الٰہی کی نوازش کا ذکر ہے وہاں ایک رسول و فرستادہ کا حوالہ ملتا ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا حصہ بواسطہ فرشتہ بن جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں گے ثم ارسل الیَّ: ادع تجب، وسل تعط، فقلت لرسوله اَوَ معط ربی تعالیٰ سؤلی ؟ قال: ما ارسل الیك الا لیعطیك...... "بہر حال یہ طریقہ وحی ہو یا وہ، اس سے ہماری تقسیم یا مقرر کردہ زمرے کا فرق تو پیدا ہوتا ہے مگر اصل حقیقت میں فرق نہیں آتا کہ حدیثِ قدسی بھی کشف و مشاہدہ کے ذریعہ آتی تھی یا فرشتہ جبرئیل کے ذریعہ سے۔

بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام

عام احادیثِ نبوی کے نزول اور اس کے طریقے کے بارے میں خاصا مفصل ذکر آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحیِ قرآنی کے علاوہ وحیِ حدیث بھی لے کر آتے تھے۔ دراصل ان کی آمد ہی کسی نہ کسی قسم کی وحی پہونچانے کے لئے ہوتی تھی کہ وہ فرشتہ وحی تھے۔ حدیثِ قدسی کے ضمن میں بھی ان کی آمد اور وحی منطقی طور سے سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ حدیثِ قدسی دراصل عام احادیث ہی میں شامل تھی۔ کتبِ حدیث میں بالعموم اور حدیثِ قدسی کے مجموعوں میں بالخصوص احادیثِ قدسیہ کی وحی بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعدد آثار ملتے ہیں۔ شیخ محمد مدنیؒ کے مجموعے سے ایسی احادیثِ قدسیہ کے بعض نمونے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ نقلی ثبوت بھی بہم پہونچ جائے۔

۲۶۷: اتانی جبرئیل فقال ان ربی وربك یقول لك: کیف رفعت ذکرك؟ قلت: الله اعلم، قال: لا اذکر الا ذکرت معی" (اخرجه ابو یعلیٰ و ابن حبان و الرهاوی فی "الاربعین" و ابن عساکر و الضیاء المقدسی، عن ابی سعید، ۴۳)

۲۶۸: اتانی جبرئیل من عند الله تبارك و تعالیٰ فقال: یا محمد، ان الله عزوجل یقول: انی قد فرضت علی امتك خمس صلوات، من وفیٰ بهن علی وضوئهن ومواقیتهن و رکوعهن و سجودهن فان له عندی بهن عهدا ان ادخله بهن

الجنة،ومن لقینی قد انتقص من ذلك شیئا فلیس له عندی عهد، ان شئت عذبته وان شئت رحمته،(اخرجه ابو داؤد الطیالسی ومحمد بن نصرفی كتاب الصلوٰة، والطبرانی فی الكبیر،والضیاء المقدسی، عن عبادة بن الصامت،۲/۴۳،نیز حدیث:۵۶۷، ص۱۵۵)

اسی حدیث کے موافق حدیثِ قدسی:۲۷۶ ہے جس میں نماز کی محافظت کرنے کے لئے عہدِ الٰہی کا ذکر ہے اور امام احمد نے حضرت کعب بن عجرہؓ سے اس کو روایت کیا ہے (الاتحافات۴۵)۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسی طرح متعدد دوسری روایات و احادیثِ قدسی رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کی تھیں جیسے حدیث:۵۹۵، حدیث:۵۹۶ (الاتحافات،۱۱۹،نیز حدیث:۵۹۹ (الاتحافات ۱۲۰)،حدیث:۶۲۸،۶۲۹،۶۳۰،۶۳۱ (الاتحافات ۱۲۸-۱۲۹)

شیخ محمد مدنیؒ نے اسراء و معراج سے متعلق حدیث:۲۷۷ کو حدیثِ قدسی کی حیثیت سے اپنے مجموعہ میں شامل کیا ہے۔انھوں نے وہ حدیث امام احمد بن حنبل اور امام مسلم سے نقل کی ہے اور اس کے راوی اول حضرت انس بن مالکؓ ہیں(الاتحافات ۴۶-۴۷)۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ایک اور وحیِ حدیث کا واقعہ حدیث: ۳۳۸ میں بیان کیا ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا قید خانہ ہے اور دشمنوں کے لئے جنت ہے۔اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے نقل کیا ہے لیکن اس کی اسناد پر کلام کیا گیا ہے(۶۲)حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے متعدد دوسری احادیثِ قدسی کو نازل ہونا بتایا گیا ہے جن میں بعض درج ذیل ہیں:

۲۶۹:میں ایک فرشتہ کے آنے کا ذکر ہے مگر اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اس لئے کہ اس کا مضمون اگلی حدیثِ قدسی:۲۷۰ کے مماثل ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ پر درود بھیجنے والے پر دس رحمتوں کے نزول کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے کا صریح ذکر ہے۔

-"اتانی جبرئیل فقال: یا محمد، ان ربك یقول: اما یرضیك انه لا یصل علیك احد من امتك الا صلیت علیه عشرا، ولا یسلم علیك احد من امتك الا سلمت علیه عشرا" (بروایتِ امام نسائی- حضرت ابو طلحہؓ سے، جبکہ حدیث: ۲۶۹ امام احمد، دارمی، ابن ابی عاصم، ابن حبان، حاکم، بیہقی کی شعب الایمان اور ضیاء مقدسی کے ہاں انھیں صحابی حضرت ابو طلحہؓ سے مروی ہے) یہی حدیث: ۵۰۶ کا مضمون ہے (الاتحافات: ۹۵)

حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ایک حدیثِ قدسی بندوں کے ایمان کے قیام واستحکام کی بنیادوں سے متعلق ہے۔ بعضوں کا ایمان دولتمندی سے، بعضوں کا فقر وفاقہ سے، بعضوں کا بیماری سے اور بعضوں کا صحت مندی سے قائم ودائم رہ سکتا ہے لہذا ان کو اسی بلکہ انھیں حالات میں مصلحت کی بنا پر رکھا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں چھینک پر الحمد لله کہنے پر اللہ تعالیٰ کی صداقتِ بندہ پر گواہی کا ذکر ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اور میرا شکر ادا کیا۔

۲۷۱: اتانی جبرئیل فقال: یا محمد، ان ربك یقرأ علیك السلام، ویقول لك: ان من عبادی من لا یصلح ایمانه الا بالغنیٰ ولو افقرته لکفر، وان من عبادی من لا یصلح ایمانه الا بالفقر، ولو اغنیته لکفر، وان من عبادی من لا یصلح ایمانه الا بالسقم، ولو اصححته لکفر، وان من عبادی من لا یصلح ایمانه الا بالصحة، ولو اسقمته لکفر (خطیب بروایتِ حضرت عمرؓ، ۴۴)

۲۷۲: اتانی جبرئیل فقال: اذا انت عطست فقل الحمد لله ککرمه، و الحمدلله کعز جلاله، فان الله عزوجل یقول: صدق عبدی، صدق عبدی، صدق عبدی، مغفورا له، (حضرت ابو رافعؓ کی روایت امام ابن السنی کی عمل الیوم واللیلة میں، ۴۴)

وحیِ قرآنی کے مماثل حدیثِ قدسی

رسولِ اکرم ﷺ پر وحی کا نزول بسا اوقات مجلسِ نبوی میں ہوتا تھا اور صحابہ کرامؓ

اس کے مشاہد و ناظر بن جاتے تھے۔ اس باب میں قرآنِ کریم اور حدیث کا فرق نہ تھا۔ گذشتہ مباحث میں متعدد مثالیں اور شہادتیں گذر چکی ہیں جو اس طریقہ وحی کو ثابت کرتی ہیں۔ حدیثِ قدسی کے باب میں بھی یہ طریقہ نزول اور بقولِ امام ابن حجر عسقلانی ؒ یہ "فنِ وحی" بھی نظر آتا ہے کہ وہ بھی حدیثِ نبوی کا ایک مخصوص باب ہے۔ بعض احادیثِ قدسی کے متن میں اس طریقہ کا بھی ذکر مل جاتا ہے اور اس طریقہ خاص کا بھی جو اس کی وحی کو قرآنی وحی کے مماثل بناتی ہے۔ شیخ محمد مدنی ؒ نے مختلف کتبِ حدیث سے ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے۔

حدیث: ۵۷۷ اسی زمرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ زور سے ہنس دیئے، صحابہ کرامؓ نے سببِ خنداں پوچھا تو فرمایا کہ میرے دو امتی بارگاہِ خداوندی میں اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنے ٹیک کے بیٹھ گئے۔ ایک نے عرض کیا کہ پروردگار میرے بھائی سے مجھ پر کئے جانے والے ظلم کا بدلہ لے۔ پروردگار نے فرمایا کہ تمہارے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کروں کہ اس کے پاس نیکی کی پونجی ہی ختم ہو گئی۔ اس نے عرض کیا کہ پروردگار میرے گناہ اس کے سر پر لاد دے۔ رسولِ اکرم ﷺ یہ بیان کر کے رو پڑے پھر آپ ﷺ نے مزید ارشادات بھی فرمائے:

"بينا رسول الله ﷺ جالس اذ رأيناه ضحك فبدت ثناياه، فقال له عمر: ما اضحكك يا رسول الله، بابى انت وامى، قال: رجلان من امتى جثيا بين يدى رب العزة، فقال احدهما: يا رب اخذ لى مظلمتى من اخى، فقال الله تعالى: كيف اصنع باخيك ولم يبق من حسناته شئى، قال: يا رب! فليحمل من اوزارى"، وفاضت عينا رسول الله ﷺ بالبكاء ثم قال: ان ذلك اليوم عظيم

(حاکم و بیہقی بروایتِ انسؓ، نیز امام منذری کی ترغیب، ۱۱۳-۱۱۴)

حدیثِ اسراء و معراج

ایک حوالہ پہلے بھی حدیثِ اسراء و معراج کے بارے میں آچکا ہے کہ شیخ محمد مدنیؒ اور دوسرے جامعینِ احادیثِ قدسی نے اس کو بھی حدیثِ قدسی میں شامل کیا ہے۔ بلاشبہ وہ اگر پوری نہ سہی لیکن اس کا وہ حصہ جو اللہ تعالیٰ سے کلام پر مشتمل ہے بلاشبہ حدیثِ قدسی ہی ہے۔ اگر حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ کو سامنے رکھا جائے تو پوری حدیثِ اسراء حدیثِ قدسی بن جاتی ہے۔ یہ بحث پہلے آچکی ہے کہ حدیثِ اسراء و معراج میں تقریباً تمام طرقِ وحی شامل ہیں۔ سوائے رویایا منام کے کہ وہ جمہور کے نزدیک ایک عینی واقعہ ہے۔ شیخ موصوف نے اس حدیثِ اسراء و معراج کو مختلف کتبِ حدیث سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ اس سے قبل حدیثِ مسلم وغیرہ کا ذکر آچکا ہے جو ایک دوسرے مضمون کے ذیل میں بیان کی گئی ہے اور دوسری مفصل حدیث حرف فاء کے تحت نقل کی گئی ہے۔ وہ حدیث: ۶۲۶ ہے اور وہ شیخین کے علاوہ امام ابن حبان کی صحیح پر مبنی ہے اور حضرات انسؓ و ابو ذر غفاریؓ کی روایات ہیں۔ اس حدیث کے مختلف حصوں کو دوسرے امامانِ حدیث نے بھی نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیثِ مذکورہ کا کون سا حصہ کس کتاب میں ملتا ہے۔ دوسرے ائمہ حدیث میں شامل ہیں: امام عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابو یعلیٰ، ضیاء مقدسی، مؤخر الذکر نے غلطی سے اس کو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی بتادیا ہے کہ بقول ابن حجر عسقلانی اصلاً وہ حدیث حضرت ابوذرؓ سے مروی تھی مگر کتابت میں "ابی" باقی رہ گیا اور "ذر" چھوٹ گیا جس سے ان کو وہم ہو گیا۔ یہی نقد امام ابو حاتم نے بھی کیا ہے (الاتحافات ۱۲۶-۱۲۸)

شیخ محمد مدنیؒ نے حدیثِ اسراء و معراج کو دوسری کتب سے یا ان کے کچھ اجزاء کو بھی مختلف مقامات پر نقل کیا ہے جیسے، حدیث: ۶۵۰، ۶۶۹، (الاتحافات، ۱۳۲-۱۳۳، ۱۳۸-۱۳۹)، ۶۹۵ (الاتحافات، ۱۳۵)، ۷۰۴ (الاتحافات ۱۳۶)

بیداری میں کشفِ نبوی

متعدد احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو بحالتِ بیداری کشف کے ذریعہ وحیِ حدیث کی گئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بالعموم اور خاتم الانبیاء ﷺ کو بالخصوص بعض غیبی چیزوں کا مشاہدہ بحالتِ قائمی ہوش و حواس کرایا گیا۔ اسے صوفیانہ اصطلاح میں کشف سے تعبیر کیا جائے یا مشاہدہ کہا جائے یا اور کوئی نام دیا جائے اس سے حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مشاہدات کے بعد ان کو بیان فرمایا اور ان کے لئے بسا اوقات وحی کا لفظ استعمال فرمایا لہٰذا ایسی تمام احادیثِ نبویہ کے بارے میں یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ان کی وحی آئی تھی اور وہ "وحیِ حدیث" کے باب سے تعلق رکھتی ہیں۔

جنت و جہنم کا مشاہدہ

ایک حدیث کا تعلق نمازِ کسوف سے ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک بار جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے باجماعت نماز ادا فرمائی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے نماز کے بعد فرمایا کہ اس نماز گاہ ہی میں مجھے بہت سی چیزوں کا حتی کہ جنت و جہنم کا مشاہدہ ہوا۔ مجھے یہ "وحی" بھی کی گئی کہ تم لوگوں کو اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالا جائے گا جو مسیح دجال کے فتنہ کی مانند ہوگا۔ صاحبِ قبر یا تو مومن ہوگا یا منافق اور شک کا مارا۔ اس سے سوال پوچھا جائے گا کہ

"اس شخص" کے بارے میں تمھیں کیا علم ہے؟ تو مومن کہے گا: وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو ہمارے پاس واضح احکام وہدایات اور تعلیمات لے کر آئے اور ہم نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کی پیروی بھی کی۔ تب اس سے کہا جائے گا: اطمینان سے سو جاؤ، ہمیں علم تھا کہ تم آپ ﷺ پر ایمان وایقان رکھتے تھے۔ منافق یا شکی کہے گا: میں نہیں جانتا، لوگوں کو جیسا کہتے ہوئے سنا میں نے بھی کہہ دیا......

۸۶:-عن اسماء قالت:...... فحمد الله عزوجل النبی ﷺ واثنیٰ علیه ثم قال: ما من شئی لم اکن اریته الا رأیته فی مقامی، حتی الجنة والنار، فاوحی الیّ انکم تفتنون فی قبورکم مثل، او قریب...... من فتنة المسیح الدجال...... الخ،

(بخاری، کتاب العلم، باب من اجاب الفتیا باشارة الید والراس؛ فتح الباری، ۱/ ۲۴۰-۲۴۲، اطرافہ فی: ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۱۲۳۵، ۱۳۷۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷؛ نیز مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر و جهنم...... الخ؛ نووی، المنهاج، ۲/ ۷ ۲۳-۲۳۸ ومابعد؛ کتاب الکسوف، باب صلاة الکسوف؛ نووی، ۲/ ۵۰۹، نیز ۲/ ۵۱۱-۵۱۲ ومابعد)

یہی حدیث: ۸۶ دوسری سند سے امام بخاری نے کتاب الوضوء کے باب "من لم یتوضا الامن الغشی المثقل" میں نقل کی ہے، وہ حدیث: ۱۸۴ ہے اور اس میں بھی "وحیِ حدیث" کی صراحت پائی جاتی ہے (فتح الباری، ۱/ ۳۷۸: ولقد اوحی الیّ انکم تفتنون......)

بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو مختلف مواقع پر نماز کے دوران جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا۔ بعض احادیثِ نبوی میں صرف جہنم کی رویت کا ذکر ملتا ہے، بعض میں صرف جنت کا اور کئی احادیث میں دونوں کے عرض و رویت کا حوالہ آتا ہے۔ امام بخاریؒ نے دوزخ کی رویتِ نبوی پر نہ صرف ایک باب کا عنوان باندھا ہے بلکہ اس سے ایک حکمِ نماز بھی مستنبط کیا ہے۔ حکم یہ ہے کہ "اس نمازی کا باب جس کے

سامنے تنور ہو یا آگ ہو یا کوئی اور شئے جس کی عبادت کی جاتی ہے مگر وہ نمازی صرف اللہ کی عبادت کا ارادہ رکھتا ہے"۔ اسی ترجمۃ الباب میں امام زہری کی سند و روایت پر حضرت انسؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی اور میں نماز پڑھ رہا تھا: "عرضت علیّ النار و انا اصلی"۔ اس کے بعد سورج گرہن کی نماز (صلاۃ الکسوف) کے واقعہ سے متعلق حدیث ہے۔

۴۳۱: "عن عبداللہ بن عباس قال: انخسفت الشمس، فصلیٰ رسول اللہ ﷺ، ثم قال: اریت النار فلم ار منظراً کالیوم قط افظع"

حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی فقاہتِ حدیث کے علاوہ ان کے "کشف" کا حوالہ بھی دیا ہے جس کے سبب انھوں نے بعد کے بعض علماء و ناقدین کے اعتراض کو جان لیا تھا اور اسی لئے باب کا یہ عنوان باندھا جس میں سامنے آگ کے ہونے کا واضح بیان و ذکر پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کے پس منظر کے طور پر نمازیوں کا مشاہدہ بھی نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کو اپنی جگہ سے ہٹتے اور پیچھے جاتے دیکھا تھا: "یا رسول اللہ رأیناك تناولت شیئا فی مقامك ثم رأیناك تکعکعت"۔ اسی کے جواب میں مذکورہ بالا حدیث فرمائی گئی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس معلق حدیث کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں موصول بیان کیا ہے جس میں جنت و جہنم دونوں کے مشاہدہ کا ذکر ہے: "لقد عرضت علیّ الجنة و النار آنفا فی عرض هذا الحائط و انا اصلی"۔

کتاب الاذان میں یکے بعد دیگرے ایک ہی باب میں اسی معنی کی دو حدیثیں امام بخاری نے بیان کی ہیں۔ ایک میں صرف جنت اور اس کے پھل (عنقود) کا ذکر ہے کہ اگر وہ میں توڑ لیتا اور تم کو دے دیتا تو تم اس سے دنیا کے آخر تک کھاتے رہتے اور دوسری میں جنت و جہنم کے مُشکّل ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ اس دیوارِ قبلہ میں میں نے آج کی طرح خیر و شر کا مشاہدہ کبھی پہلے نہیں کیا تھا۔ ان روایات و احادیث کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۷۴۸:عن عبدالله بن عباسؓ قال: خسفت الشمس على عهد رسول الله، فصلى، قالوا: يا رسول الله،رأيناك تناول شيئا فى مقامك ثم رأيناك تكعكعت،قال:انى اريت الجنة فتناولت منها عنقودا،ولو اخذته لاكلتم منه ما بقيت الدنيا.

۷۴۹:"عن انس بن مالك قال:صلى لنا النبیﷺ،ثم رقا المنبر فاشار بيديه قبل قبلة المسجد ثم قال:لقد رأيت الآن-منذ صليت لكم الصلاة-الجنة والنار ممثلتين فى قبلة هذا الجدار فلم اركاليوم فى الخير و الشر،ثلاثا"

(بخاری، کتاب الاذان،باب رفع البصر الى الامام فى الصلاة؛ فتح الباری، ۲/ ۳۰۰-۳۰۱؛نیز کتاب الفتن،۱۵-باب التعوذ من الفتن؛حدیث:۷۰۸۹؛فتح الباری،۱۳/۵۵: مارأيت فى الخير و الشركاليوم قط، انه صورت لى الجنة والنار حتى رأيتها دون الحائط)

بظاہر دو مختلف صحابی راویانِ حدیث-حضرات عبداللہ بن عباسؓ وانس بن مالکؓ- کی روایات ایک واقعہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں اور وہ سورج گرہن کے موقعہ پر نمازِ کسوف پڑھنے اور اس کے دوران جنت ودوزخ کے مشاہدہ کرنے کا واقعہ ہے جیسا کہ ایک دوسری روایتِ ابن عباسؓ میں دونوں جنت و جہنم کے مشاہدہ کا ذکر ہے اور بقولِ امام ابن حجر وہ دونوں احادیث کو ایک واقعہ کی دو تعبیریں قرار دیتا ہے۔ مگر اس کا امکان ہے کہ جنت کا مشاہدہ اور اس کے پھلوں کا تمثل الگ واقعہ سے متعلق ہو جیسا کہ ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔امام مسلم کی روایت میں سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنے کے دوران جنت و جہنم کے مشاہدہ کا ذکر ملتا ہے اور ساتھ ہی عمرو بن لحی خزاعی کے جہنم میں جلنے کا بھی:عن عائشة زوج النبیﷺ قالت:خسفت الشمس...... وقال رسول اللهﷺ:رأيت فى مقامى هذا كل شئ وعدتم،حتى لقد رأيتنى اريد ان آخذ قطفا من الجنة حين رأيتمونى جعلت اقدم......ولقد رأيت جهنم يحطم بعضه بعضا حين رأيتمونى تأخرت ورأيت فيها ابن لحى وهو الذى سيب السوائب......(كتاب الكسوف،باب

صلاۃ الکسوف؛ نووی، ۲/۵۰۶-۵۰۷؛۵۰۹-۵۱۰)۔ نیز بخاری وغیرہ میں عمرو بن لحی کے جہنم میں جلنے کی بابت مشاہدۂ نبوی کا ذکر مختلف احادیث میں ملتا ہے۔ مسلم کی آخر الذکر حدیث[۹] (۹۰۴) میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ابو ثمامہ عمرو بن مالک کو جہنم میں جلتے دیکھا اور ایک اسرائیلی عورت کو بھی جو ایک بلی کو بھوکا رکھتی تھی، اس کو اس بنا پر عذاب ہو رہا تھا۔...... وعرضت عليّ النار فرأيت فيها امرأة من بني اسرائيل تعذب في هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من خشاش الارض، ورأيت اباثمامة عمرو بن مالك يجر قصبه في النار...... اگلی حدیث[۱۰] میں اس شخص کو صاحب المحجن کہا گیا جو حجاج کا سامان اپنے مجن (ٹیڑھے سر والے ڈنڈے) کے ذریعہ چرا لیتا تھا اور اگر پکڑا جاتا تو کہہ دیتا کہ وہ میرے ڈنڈے سے چپک گیا اور نہ پکڑا گیا تو لے جاتا......: وحتى رأيت فيها صاحب المحجن يجر قصبه في النار كان يسرق الحاج بمحجنه فان فطن له قال: انما تعلق بمحجني وان غفل عنه ذهب به...... اس کے بعد صاحبة الهرة (بلی والی) کا بھی ذکر ہے اور آگے جنت کے مشاہدہ کا ذکر ہے۔

کشف بیت المقدس

حدیثِ اسراء و معراج کے ضمیمہ کے طور پر ایک حدیثِ کشف و مشاہدہ کئی کتبِ حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ شیخین کی روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جب بیت المقدس تک راتوں رات جانے کا ذکر فرمایا تو کافروں نے یعنی قریش نے تکذیب شروع کر دی اور اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے بیت المقدس کو کر دیا گیا اور آپ ﷺ نے اسے دیکھ دیکھ اس کی نشانیاں بیان کیں۔

"......عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال: لما كذبتني قريش قمت في الحجر فجلا الله لي بيت المقدس فطفقت اخبرهم عن آياته وانا انظر اليه" (مسلم، كتاب الايمان، باب المسيح...... الخ؛ نووی، المنهاج، ۱/۶۷۳)

شیاطین کا مشاہدہ

شیاطین اور ملائکہ دو شر و خیر کی طاقتوں کے نمائندے ہیں اور بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ وہ دونوں قوتِ بہیمیہ اور قوتِ ملکیہ ہیں۔ بالعموم وہ انسانی نگاہوں سے او جھل رہتی ہیں لیکن بعض طاقتوں کے مالک بزرگ شخصیات ان کو اپنی طاقت سے اور توفیقِ الٰہی سے دیکھ سکتے ہیں۔ اصلاً وہ توفیقِ الٰہی ہی ہوتی ہے جو ان کو غیبی امور و معاملات سے آگاہی بخشتی ہے اور اسی کے سبب وہ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اسی معجزانہ طاقت کے سبب ملائکہ کی دید بھی نصیب ہوتی تھی اور اسی کی بنا پر شیاطین، ابلیس و عفریت کی رویت بھی۔ انھی کے سبب آپ ﷺ ان کے شر سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کا طریقہ بھی اختیار فرماتے تھے۔ ایسی بعض احادیث کا ذکر گذر چکا، بعض میں مزید معلومات ملتی ہیں جن کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں موجود ہوتے تو ہم لوگ اس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے تھے جب تک رسولِ اکرم ﷺ اپنا دستِ مبارک نہ بڑھاتے۔ ایک بار ہم حاضر تھے کہ کھانا آیا اور معاً ایک لڑکی آئی، گویا اسے دھکا دے کر لایا جا رہا ہے۔ اس نے سیدھے کھانے پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر رسولِ اکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی بھی اسی طرح دھکا دے کر لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: شیطان اس کھانے پر اللہ کا نام نہیں لینے دینا چاہتا تھا لہذا پہلے وہ لڑکی کو لے کر آیا تھا پھر اعرابی کو لے کر آیا اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ان دونوں کا ہاتھ شیطان کے ہاتھ سمیت اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے امام مسلمؒ نے اس معنی کی تین احادیث مختلف سندوں سے بیان کی ہیں۔

[۱۰۲] (۲۰۱۷)......عن حذیفة قال: کنا اذا حضرنا مع النبی ﷺ طعاما،

لم نضع ايدينا حتى يبدأ رسول اللهﷺ فيضع يده،وانا حضرنا معه مرة طعاما، فجاء ت جارية كأنها تدفع، فذهبت تضع يدها فى الطعام فأخذ رسول الله بيدها،ثم جاء اعرابى كأنما يدفع فأخذ بيده، فقال رسول الله: ان الشيطان يستحل الطعام ان لا يذكر اسم الله عليه،وانه جاء بهذه الجارية ليستحل بها، فأخذت بيدها،فجاء بهذا الاعرابى ليستحل به، فأخذت بيده، والذى نفسى بيده، ان يده فى يدى مع يدها. (مسلم ،كتاب الاشربة،باب آداب الطعام والشراب واحكامهما؛نووی؛المنهاج،۵/ ۱۶۳-۱۶۵)

کتبِ حدیث وسیرت میں دو روایات ایسی ملتی ہیں جن میں عفریتِ جن اور ابلیس کی رویتِ نبوی کا ذکر ہے۔دونوں کی رویت نماز کے دوران کشف کے ذریعہ ہوئی تھی۔ عفریتِ جن کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے نماز کے دوران رسولِ اکرم ﷺ کی توجہ ہٹا کر نماز خراب کرنی چاہی۔یہ واقعہ رات کی نمازِ نبوی کے دوران پیش آیا جب آپ ﷺ تنِ تنہا تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جی میں آیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو تم سب لوگ اس کو اپنی نگاہوں سے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کے قول کا خیال آ گیا جس کا آیتِ قرآنی میں یہ ذکر ہے ﴿رب اغفر لی و هب لی ملكا لا ينبغى لاحد من بعدى﴾ (سبا-۳۵) تو اللہ نے اسے ناکام لوٹا دیا:

......سمعت ابا هريرة يقول:قال رسول اللهﷺ: ان عفريتا من الجن جعل يفتك علىّ البارحة ليقطع علىّ الصلاة، وان الله امكننى منه فذعته، فلقد هممت ان اربطه الى جنب سارية من سوارى المسجد حتى تصبحوا تنظرون اليه اجمعون او كلكم، ثم ذكرت قول اخى سليمان﴿رب اغفر لی و هب لى ملكا لا ينبغى لاحد من بعدى﴾فرده الله خاسئا......

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کھڑے ہوئے نماز ادا فرما رہے تھے۔

صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا: "تجھ پر اللہ کی تین لعنتیں بھیجتا ہوں" اور آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بھی بڑھایا کہ کسی چیز کو پکڑ لیں۔ نماز سے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے نماز میں آپ ﷺ کو ایسی بات کہتے ہوئے سنا جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی اور پھر آپ ﷺ کو اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بھی دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دشمنِ الٰہی ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرے پر ڈال دے۔ لہذا میں نے تین بار "اعوذ بالله منك" پڑھا۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ کی کامل لعنت بھیجی۔ وہ تین بار میں بھی پیچھے نہیں ہٹا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لوں اور اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا کا خیال نہ آجاتا تو وہ صبح کو بندھا ہوا ہوتا اور باشندگانِ مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے:

عن ابی الدراء قال: قام رسول الله ﷺ فسمعناه يقول: اعوذ بالله منك ثم قال: "العنك بلعنة الله ثلاثا"، وبسط يده كأنه تناول شيئا، فلما فرغ من الصلاة قلنا: يا رسول الله ﷺ ! قد سمعناك تقول فى الصلاة شيئا لم نسمعك تقوله قبل ذلك ورأيناك بسطت يدك. قال: "ان عدو الله ابليس جاء بشهاب من نار ليجعله فى وجهى، فقلت: اعوذ بالله منك ثلاث مرات ثم قلت: العنك بلعنة الله التامة، فلم يستاخر ثلاث مرات، ثم اردت اخذه، والله لولا دعوة اخينا سليمان لاصبح موثقا يلعب به ولدان اهل المدينة. (مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب جواز لعن الشيطان اثناء الصلاة؛ نووی، ۲/ ۱۹۷-۱۹۸)

ملائکہ کا دیدار

بیداری میں کشف کے ذریعہ بعض ملائکہ کی دید کا ذکر بعض تسبیحات کے ضمن میں ملتا ہے اور ان میں سے ایک قیام یا قومہ کی تسبیح ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ تسبیح رسولِ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلی تھی بلکہ ایک صحابی کے کلمات تھے جو ان کی زبانِ

مبارک سے ایسے نکلے کہ ان کو تائیدِ نبوی مل گئی اور تقریرِ نبوی کے اصول کی بناپر حدیث کی وحی بن گئے۔ واقعہ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان کردہ ہے کہ ایک شخص آیا اور وہ صف میں داخل ہو گیا اور اس نے "الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه" کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کرنے کے بعد پوچھا کہ کس شخص نے یہ کلمات کہے تھے۔ لوگ چپ رہے تو آپ ﷺ نے پھر پوچھا اور اطمینان دلایا کہ کوئی بری بات نہیں کہی۔ تو اسی شخص نے کہا کہ میرے نفس نے مجھے بھایا اور میں نے ان کو کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ سبقت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون ان کلمات کو اوپر لے جائے۔

[۱۴۹](۶۰۰)......عن انس ان رجلا جاء فدخل الصف وقد حفزه النفس فقال: الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه. فلما قضى رسول الله ﷺ صلاته قال: ايكم المتكلم بالكلمات؟ فارمّ القومُ، فقال: ايكم المتكلم بها فانه لم يقل بأسا، فقال رجل: جئت وقد حفزني النفس فقلتها؛ فقال: لقد رأيت اثنى عشر ملكا يبتدرونها ايهم يرفعها.

ایسا ہی دوسرا واقعہ دوسری تسبیح کے باب میں ملتا ہے جس کے عینی شاہد و راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ ان کا بیان کے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ حاضرین میں سے کسی شخص نے کہا: الله اكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، وسبحان الله بكرة واصيلا. رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کس نے ایسا کلمہ کہا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے یارسول اللہ! فرمایا: مجھے تعجب ہوا کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ حضرت ابن عمرؓ کا کہنا ہے کہ جب سے میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے ایسا سنا ان کلمات کو کہنا کبھی نہیں چھوڑا۔

[۱۵۰](۶۰۱):......عن ابن عمر قال: بينما نحن نصلي مع رسول الله ﷺ اذ قال رجل من القوم: الله اكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، و سبحان الله

بکرة و اصیلا، فقال رسول اللهﷺ: من القائل کلمة کذا و کذا؟ قال رجل من القوم: انا یا رسول الله، قال: عجبت لھا، فتحت لھا ابواب السماء. قال ابن عمر: فما ترکتھن منذ سمعت رسول اللهﷺ یقول ذلك (مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب ما یقال بین تکبیرۃ الاحرام والقراءۃ؛ نووی، ۲/۲۴۶)

امام نووی کے قائم کردہ بابِ کتاب سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں تسبیحات تکبیرِ تحریمہ اور قراءتِ قرآن کے درمیان کہی گئی تھیں اور حدیثِ مسلمؒ سے بھی ایسا واضح ہوتا ہے اور بحث امام نووی سے بھی۔ لیکن اول الذکر تسبیح کے بارے میں ذکر بعض روایات میں ملتا ہے کہ وہ رکوع کے بعد کہی گئی تھی اور اس کا بہر حال امکان ہے کہ دونوں صورتوں میں کہی گئی ہوں۔ بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث کی وحی بن گئیں اور کشف کے واقعات بھی۔

آئندہ فتوحات کا کشف

فتوحِ خزائن اور اسلامی فتوحات کا حوالہ حدیثِ بخاری-۱۱۵ میں آیا ہے اور وہاں رویائے نبوی کے وسیلہ سے آیا ہے۔ متعدد اسلامی فتوحات کا ذکر ان رویائے صادقہ میں ملتا ہے۔ وہ فتوحاتِ نبوی بھی ہیں مگر بیشتر کا تعلق خلافتِ اسلامی کی فتوحات سے ہے۔ خلافتِ راشدہ کے تیس سالہ دور کو بالعموم اسلامی اور اس کی فتوحات کو اسلامی فتوحات سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک عام و مشہور نقطہ نظر ہے۔ لیکن اس ضمن میں حدیثِ نبوی کا نقطہ نظر عام اسلامی خلافت کے لمبے عرصے کو محیط ہے جس میں خلافتِ امویہ کم از کم ضرور شامل سمجھی گئی ہے۔ ان رویائے صادقہ کا ذکر نہ صرف وحیِ حدیث کے نقطہ نظر سے اہم ہے بلکہ خلافتِ اسلامی اور فتوحاتِ اسلامی کے نبوی نظریہ کے لحاظ سے بھی اہم تر ہے۔

خزائن کی فتوح میں ایک اہم فتح خزائنِ کسریٰ ایران کی تھی جو خلافتِ فاروقی کے زمانے میں حاصل کی گئی۔ تاریخ میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں جن سے سر دست زیادہ بحث نہیں۔ البتہ اس کے زمانے سے ضرور تعرض کر لیا جائے کہ وہ اسی خلافتِ راشدہ کا واقعہ

ہے۔اس سے متعلق ایک حدیثِ کشف ہے جس کا مفہوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کو ان کے خزانے عطا کردیئے گئے۔رویا نبوی کے بعض مبشرات اور پیش گوئیوں کے علاوہ ان کا ذکر بیداری میں کشف و مشاہدے سے بھی ملتا ہے جو مزید تصدیق و تائید فراہم کرتا ہے۔

کشف کے ذریعہ یا بیداری میں مشاہدہ کے واسطہ سے وحیِ حدیث کا ذکر رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں ملتا ہے جو غزوۂ خندق سے متعلق ہے۔بخاری و مسلم میں صرف اتنا ہے کہ خندق کھودنے کے دوران ایک جگہ سخت چٹان آگئی جس پر کدالیں پڑکر اچٹ جاتیں، رسول اکرم ﷺ سے سارا ماجرا عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا میں اس خندق میں اترتا ہوں۔حالانکہ آپ ﷺ اور دوسرے صحابہ کرامؓ تین دن سے بھوکے تھے اور پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے لیکن جیسے ہی آپ ﷺ نے اس سخت چٹان پر کدال ماری وہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔اس میں کشف کا ذکر نہیں ہے۔لیکن دوسری کتبِ حدیث و سیرت میں کشف کا ذکر بھی ہے اور وہ فتوحاتِ اسلامی کے لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان کا مدار وحیِ الٰہی پر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیثِ بخاری: ۴۱۰۱ کی شرح کرتے ہوئے امام احمد و امام نسائی کی روایات بیان کی ہیں۔ان کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے اس سخت چٹان پر پہلی کدال چلائی تو اس کی ضرب نے چٹان کا ایک تہائی حصہ توڑ ڈالا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر، مجھے شام کی کنجیاں عطا کی گئیں اور اللہ کی قسم! اس وقت میں اس کے سرخ محلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔کدال کی دوسری ضرب میں چٹان کا دوسرا تہائی توڑ دیا اور فرمایا: اللہ اکبر، مجھے فارس (ایران) کی کنجیاں عطا کردی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔اور تیسری ضرب کے بعد فرمایا: بسم اللہ اور بقیہ چٹان بھی توڑی اور فرمایا: اللہ اکبر، مجھے یمن کی کنجیاں بھی عطا کردی گئی ہیں اور میں صنعاء کے دروازوں کو اس وقت اپنے سامنے اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

امام طبرانی نے یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے۔ان دونوں میں فرق سند کا ہے۔اول الذکر امامانِ حدیث کی روایت حضرت براء بن عازب انصاریؓ کی سند سے ہے جبکہ امام طبرانی کی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سہمیؓ ہیں۔ تیسرے صحابی راوی حضرت عمرو بن عوفؓ ہیں جن کی حدیث امام بیہقی نے بہت طویل انداز سے نقل کی ہے۔اس میں حصہ کشف اور طریقِ وحی کا جو جزو ہے اس کو حافظ ابنِ حجر نے بہت مختصراً بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پہلی ضرب کی چمک نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان پر غالب آجائے گی اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ مسلمانوں کو بہت فرحت ملی اور وہ خوش ہوگئے۔امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مذکورہ بالا حدیث بھی نقل کی ہے۔

امام احمد و امام نسائی کی حدیثِ حضرت براء بن عازب انصاریؓ کا متن ابن حجر عسقلانی کے مطابق حسب ذیل ہے:

"لما كان حين امرنا رسول الله ﷺ بحفر الخندق عرضت لنا في بعض الخندق صخرة لا تأخذ فيها المعاول، فاشتكينا ذلك الى النبی ﷺ، فجاء فأخذ المعول فقال: باسم الله،فضرب ضربة فكسر ثلثها،وقال:الله اكبر،اعطيت مفاتيح الشام،والله انی لابصر قصورها الحمر الساعة، ثم ضرب الثانية فقطع الثلث الآخر فقال:الله اكبر، اعطيت مفاتيح فارس،والله انی لابصر قصر المدائن ابيض،ثم ضرب الثالثة، وقال:باسم الله ،فقطع بقية الحجر فقال:الله اكبر،اعطيت مفاتيح اليمن، والله انی لابصر ابواب صنعاء من مكانی هذا الساعة"

امام بیہقی کی حدیث کا وہ حصہ جو امام ابن حجر نے نقل کیا ہے یوں ہے:

"......فضرب ضربة صدع الصخرة وبرق منها برقة فكبر وكبر المسلمون......فقال: ان البرقة الاولىٰ اضاء ت لها قصور الشام، فاخبرنی

جبریل ان امتی ظاهرة علیهم–وفی آخره– ففرح المسلمون واستبشروا......"
(فتح الباری، ۷/۲۹۶)

امامِ سیرت ابن اسحاق اور ان کے جامع امام ابن ہشام نے انھیں مذکورہ بالا احادیث کے مطابق بعض روایات نقل کی ہیں۔ حافظ ابن سید الناس نے غزوۂ خندق کے باب میں ان تمام روایاتِ سیرت وحدیث کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت حضرت سلمان فارسیؓ کی سند پر ہے اور اپنے معنی و مفہوم، کشف و مشاہدہ اور آئندہ مضمرات کے لئے بہت اہم ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پہلی ضرب لگائی تو ایک چمک نکلی، دوسری ضرب میں کدال کے نیچے کا حصہ پھر برق انداز بنا اور تیسری ضرب میں بھی برق لہرائی۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ وہ چمک کیسی تھی جو آپ ﷺ کی کدال کی ضرب کے نیچے نظر آتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: سلمان! کیا تم نے دیکھا تھا؟ ان کے جوابِ اثبات میں آپ ﷺ نے فرمایا: پہلی ضرب میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح عطا کی، دوسری میں شام و مغرب کی اور تیسری میں مشرق کی فتح عطا کر دی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات کے ساتھ ساتھ وہ حدیثِ صحیح بھی بیان کی ہے جس کے مطابق آپ ﷺ کو زمین کے تمام مشارق و مغارب روشن دکھا دیئے گئے اور آپ ﷺ نے پیش گوئی کی کہ جہاں تک میرے لئے دنیا کے کونے اجاگر کئے گئے وہاں تک میری امت کی حکومت ہو گی (البدایة، ۴/۱۰۱؛ مسلم، کتاب الفتن، باب هلاك الامة، [۱۹] (۲۸۸۹)؛ نووی، ۶/۳۴۰-۳۴۱)

امام ابن اسحاق کی ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے ثقہ راویوں سے نقل کی ہے کہ حضرات عمر و عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں جب یہ امصار و ممالک فتح ہوئے تو حضرت ابوہریرہؓ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابوہریرہؓ کی جان ہے! تم نے جو شہر بھی فتح کیا اور قیامت تک جس پر فخر کرو گے اس کی کنجیاں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پہلے ہی عطا کر دی تھیں:

”......عن ابی هریرة انه کان یقول:حین فتحت هذه الامصار فی زمن عمر و عثمان: افتتحوا ما بدا لکم،فوالذی نفس ابی هریرة بیده،ما فتحتم من مدینة ولا نفتخر لها الی یوم القیامة الا وقد اعطی الله محمدا ﷺ مفاتیحها قبل ذلك......“(عیون الاثر، ۲/۳۶-۷-۳ بحوالہ ابن اسحاق؛ابن ہشام، ۲/۲۱۹)

وحیِ حدیث کے نقطہ نظر سے ان تمام مآخذِ حدیث و سیرت کی روایات کشف و مشاہدہ پر مشتمل و مبنی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک امام بیہقی کی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے خبر دینے کا ذکرِ خیر بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق بعد کی فتوحات اسلامیہ سے ہے۔ چمک کے ساتھ جن مقامات وبلاد وامصار کی فتح کی خوش خبری رسولِ اکرم ﷺ کو دی گئی تھی وہ خالص رویت و مشاہدہ اور کشف کا معاملہ ہے۔ جن فتوحات کی خوش خبری اور بشارت رسولِ اکرم ﷺ کو دی گئی تھی وہ ساری کی ساری آپ ﷺ کے بعد خلافتِ اسلامی کے مختلف ادوار میں واقعہ بنیں۔ ان کے واقعہ بننے کی خبر حضرت جبریل علیہ السلام نے دی تھی مگر اس سے زیادہ ایک اہم جہت یہ ہے کہ ان فتوحات کو رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی فتوحات سے تعبیر کیا ہے۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ خلافتِ راشدہ کی فتوحات کو بلکہ حکومت کو نبوتِ محمدی کی توسیع قرار دیتے تھے۔ اس پر یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ بعد کی خلافتِ اسلامی کی فتوحات بھی نبوی مفتوحات و فتوحات تھیں اور نبوتِ محمدی کی توسیع بھی کہ وہ آپ ﷺ کی بشارتوں پر مبنی تھیں۔

عہدِ نبوی کے سو سال بعد معاصرینِ نبوی کی وفات

آئندہ پیش آنے والے واقعات میں کچھ متفرق نوعیت کے واقعات و امور ہیں جن کو ایک سلسلہ بیان میں نہیں منسلک کیا جا سکتا جیسے فتنوں یا اسی طرح کے واقعات کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کی پیش گوئیاں اور مبشرات یا اعلانات ملتے ہیں۔ ان غیر منسلک

ومفرد واقعات وامور میں سے ایک پیش گوئی صحابہ کرامؓ کے عہد کے خاتمہ کی ہے جب ان میں سے کوئی روئے ارض پر باقی نہیں رہے گا۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ دوسرے انسانوں اور جنات کو بھی اس میں شامل سمجھنا چاہئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے فرمان کا مقصود یہ تھا کہ حیاتِ نبوی کے آخری سال میں جتنے اہلِ ارض باحیات تھے وہ سو سال بعد زندہ نہیں رہیں گے۔ یہ پیش گوئی رات کی وحی پر مبنی ہے جس سے مراد رویا لی گئی ہے لیکن وہ کشف کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۱۶-"......ان عبدالله بن عمر قال: صلى بنا النبي ﷺ العشاء في آخر حياته، فلما سلم قام فقال: ارايتكم ليلتكم هذه فان رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الارض احد"

(بخاری، کتاب العلم، باب السمر فی العلم؛ فتح الباری، ۱/ ۲۷۹-۲۸۰؛ اطرافِ حدیث: ۵۶۴، ۶۰۱: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب ذکر العشاء والعتمة......؛ فتح الباری، ۲/ ۶۰-۶۲ اور باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء؛ فتح الباری، ۲/ ۹۷-۹۹ بالترتیب؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب لا یبقی نفس منفوسة الخ؛ نووی، ۶/ ۷۰-۷۲)

حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں دو مفہوم بتائے ہیں: ایک یہ کہ صحابہ کرامؓ کی نسل کی مدت مختصر ہے اور ان کی عمریں کم ہیں۔ لہذا انھیں زیادہ سے زیادہ عبادت میں جدو جہد کرنی چاہئے تاکہ کم عمر اور کم مدت میں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب حاصل کیا جائے۔ دوم بقول امام نووی جس رات یہ نبوی پیش گوئی کی گئی اس رات میں موجود تمام لوگ اگلے سو سال کے بعد زندہ نہیں رہیں گے، خواہ اس سے قبل ان کی عمر کم رہی ہو یا نہ رہی ہو۔ اس حدیث میں اس رات کے بعد پیدا ہونے والے کسی شخص کی سو سال سے زیادہ زندگی کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

آخری حدیث: ۶۰۱- کی شرح میں حافظ ابن حجر نے دوسری کتبِ حدیث سے بھی حدیثِ بخاری کی تائید میں احادیث نقل کی ہے۔ ان میں صحیح مسلم اور صحیح ابنِ خزیمہ کے

علاوہ بھی کئی کتب کا حوالہ ہے جیسے طبرانی، نووی وغیرہ لیکن اصل مسئلہ بحث مفہوم حدیث ہے جس کا اوپر خلاصہ لکھا گیا۔ شروح میں یہ نکتہ زیادہ واضح نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو یہ وحی حدیث رویا میں آئی تھی یا بیداری کی حالت میں لیکن وہ بظاہر کشف کا معاملہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے متن میں رویا کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

فتنوں کا کشف

فتنوں (فتن) کے متعلق بعض اوقات ان کی وحی رویا صادقہ کے ذریعہ ارسال کی گئی جیسا کہ اس سے متعلق فصل میں ذکر آچکا ہے اور کبھی آپ ﷺ کو بیداری میں ظاہری آنکھوں سے (عیانا) ان کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسے کشف و مشاہدہ کا طریقہ وحی کہا گیا ہے۔ رویا صادقہ کے ذریعہ ایک قسم کے فتنے کی وحی پر مشتمل حدیث حضرت زینبؓ کے معا بعد امام بخاری نے نزولِ فتن کی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ مدینہ کی گڑھیوں میں کسی گڑھی پر چڑھے تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا کیا تم بھی وہی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں کے انکار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھ رہا ہوں۔

۷۰۶۰: عن اسامة بن زيدؓ قال: اشرف النبی ﷺ علی اطم من آطام المدينة فقال: هل ترون ما اریٰ؟ قالوا: لا، قال: فانی اری الفتن تقع خلال بيوتكم كوقع المطر.

(بخاری، کتاب الفتن، ٤-باب قول النبی ﷺ: ويل للعرب من شر قد اقترب؛ فتح الباری، ۱۳/۱۵-۱۸؛ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب نزول الفتن کمواقع المطر؛ [۹] (۲۸۸۵)؛ نووی، ۶/۳۳۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہاں رویت سے مراد نظر ہے۔ یعنی میرے لئے ان کو کھول دیا گیا یا کشف ہوا اور ان کو میں نے اپنی آنکھ سے

دیکھا:"......والرؤية بمعنى النظر ای کشف لی فابصرت ذلك عیانا"۔حافظ موصوف نے اس کشفِ نبوی کو مدینہ کے ساتھ خاص کرنے کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہی مدینہ تھا جہاں حضرت عثمانؓ کے قتل کا المناک حادثہ پیش آیا اور پھر اسی نے دوسرے بلاد وامصار میں فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ بعد کے تمام واقعاتِ فتنہ مثلاً واقعاتِ جمل وصفین اور قتالِ نہروان وغیرہ سب اسی جرمِ شہادتِ عثمانؓ کے شاخسانے تھے۔حافظ ابن حجر نے اس کا سلسلہ مشرق سے اٹھنے والے فتنوں سے بھی ملا دیا ہے۔اس بحث میں حافظ ابن حجر نے بھی کشف کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ آنے والے بعض واقعات کو رسولِ اکرم ﷺ پر غیب سے منکشف فرمایا گیا تھا اور انھیں آپ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا تھا۔اسی کو وہ رویت، نظر اور عیان سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

حدیثِ تخییرِ نبوی

کشف یا بیداری میں وحیِ حدیث کی ایک مثال وہ ہے جس کو بجا طور سے حدیثِ تخییر کہا جا سکتا ہے اور کہا بھی گیا ہے۔رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیاوی کے آخری زمانے میں، جبکہ آپ ﷺ بالکل صحیح اور تندرست تھے، فرمایا تھا کہ کسی نبی مکرم علیہ السلام کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک انھیں ان کا جنت کا گھر نہ دکھلا دیا گیا۔پھر ان کو زندگی میں ہی باقاعدہ انتخاب واختیار کا حق دیا جاتا تھا کہ وہ حیاتِ دنیا کو پسند فرمائیں یا آخرت کی زندگی کو ترجیح دیں۔

آپ ﷺ جب بیمار ہوئے اور مرض میں شدت ہوئی تو آپ ﷺ نے بطورِ تمثیل فرمایا کہ ایک بندے کو اللہ نے انتخاب کا حق دیا اور اس بندۂ شکر گذار نے دارِ آخرت کو قبول فرمایا: حضرت ابو بکر صدیقؓ اس تمثیل کو سن کر رو پڑے کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود آپ ﷺ ہیں۔آپ ﷺ کی وفات کے اختیار کو دوسرے صحابہ کرامؓ یا

حضرت عائشہؓ نے اپنی زندگی کے بالکل آخری لمحات میں سمجھا تھا اور بعض کی سمجھ میں پھر بھی نہیں آیا تھا۔ امام بخاری نے اس موضوع پر متعدد احادیث و متون بیان کئے ہیں اور ان میں متنی اختلاف بھی ملتا ہے۔ اوپر کی تلخیص ان احادیث کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ وحیِ حدیث کے لحاظ سے ان میں کئی نکات ہیں: ایک انبیائے سابقین کو جنت کا گھر دکھانا، دوسرے زندگی دے کر دارِ دنیا یا دارِ آخرت میں انتخاب کا حق دینا، تیسرے رسولِ اکرم ﷺ کا دارِ آخرت اختیار کرنے کا فیصلہ جو ظاہر ہے کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت کے مطابق ہی تھا۔

٤٤٣٥: عن عائشة قالت: كنت اسمع انه لا يموت نبی حتی يخير بين الدنيا والآخرة فسمعت النبی ﷺ يقول فی مرضه الذی مات فيه—واخذته بُحّة—يقول: ﴿مع الذين انعم الله عليهم﴾ (النساء—٦٩) فظننت انه خُيِّر.

(بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته؛ فتح الباری، ۸/۱۷۱ ومابعد، اطرافِ حدیث: ۴۴۳۶، ۴۴۳۷، ۴۴۶۳، ۴۵۸۶، ۶۳۴۸، ۶۵۰۹؛ فتح الباری، ۸/۱۷۱ ومابعد؛ ۱۸۸ ومابعد؛ ۳۲۱ ومابعد، ۱۱/۱۷۹ ومابعد)

حدیث: ۴۴۳۷، ۴۴۶۳، ۶۳۴۸، ۶۵۰۹ — میں جنت کا گھر دکھانے کا ذکر ہے، بندہ کی تمثیل سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے رونے کا ذکر حدیثِ ذیل میں ہے (مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیقؓ [۲] (۲۳۸۲)؛ نووی، ۵/۵۳۱-۵۳۲)

متونِ حدیثِ مذکورہ بالا سے یہ وحی بیداری کی حالت کی معلوم ہوتی ہے لیکن بعض دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رویا تھا۔ امکان اس کا ہے کہ وہ واقعہ اور وحیِ حدیث کا معاملہ رویاء صادقہ کا بھی ہو اور بحالت بیداری کشف کا بھی۔ رویا کے باب میں جنتِ محمدی کا حوالہ بھی آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ فقرہ کہ "میں سنا کرتی تھی" ثابت کرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس حدیث کو بار بار بیان فرمایا تھا اور وہ کوئی ایک بار کا واقعہ نہیں تھا۔

شہادتِ امراء کا کشف

غزوۂ موتہ میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے تین بزرگوں - زید بن حارثہ کلبیؓ، جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ، عبداللہ بن رواحہ خزرجیؓ - کو یکے بعد دیگرے فوجی کمان سنبھالنے کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ یہ پہلا اور شاید آخری موقعہ تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بیک وقت تین تین امرائے فوج کا تقرر کیا کہ اول شہید ہوں تو دوئم ان کی جگہ لیں گے اور دوم کو کچھ ہو جائے تو تیسرے کمان سنبھالیں گے۔ یہ تقرری خود ہی آپ ﷺ کے غیبی امور میں کسی خاص امر پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اطلاع کی شہادت دے رہی ہے ورنہ حقیقی اور مادی دنیا میں تین تین امیروں کی بیک وقت تقرری کے کیا معنی؟ اور اس میں بھی اشارۂ شہادت اور کنایہ عظمت مستور و مضمر نظر آتا ہے اور پھر واقعہ اس کی تصدیق کر دیتا ہے (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة من ارض الشام؛ حدیث: ۴۲۶۰-۴۲۶۳؛ فتح الباری، ۷/ ۶۳۹-۶۴۷)

احادیث و روایات کا اس پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان تینوں امرائے لشکر کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی شہادت سے صحابہ کرامؓ کو باخبر کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی خبر و اخبار کا واحد ذریعہ وحیِ الٰہی ہی کا کوئی طریقہ رہا تھا۔ بخاری، حدیث: ۴۲۶۲: عن انس ان النبی ﷺ نعی زیدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل ان یأتیهم خبرهم......

بعض روایات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ طریقہ وحی صرف آپ ﷺ کا کشف تھا کیونکہ جس وقت ان کی شہادتیں واقع ہو رہی تھیں آپ ﷺ ان کی یکے بعد دیگرے شہادت کی خبر اسی حساب سے دے رہے تھے۔ حضرات زید بن حارثہ کلبیؓ اور جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ کی شہادتوں کے بیان کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر کی تصدیق و بیان میں تھوڑی سی دیر بھی کی تھی اور اس وقت آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں غم وصدمے کے آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور اسی کے

ساتھ آپ ﷺ نے حضرت خالد سیف اللہؓ کے کمان سنبھالنے کے بعد فتح کی بشارت بھی دی تھی۔ متنِ حدیث میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ حادثہ کی خبر آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے ان کی شہادتوں کی خبر صحابہ کرام کو مدینہ منورہ میں دے دی تھی:

عن انس بن مالك:ان رسول الله ﷺ نعى زيدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل ان يأتيهم خبر، فقال:اخذ الراية زيد فاصيب، ثم اخذها جعفر فاصيب، ثم اخذها ابن رواحة فاصيب، وعيناه تذرفان حتى اخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم (ابن کثیر،۴/ ۲۴۵ بحوالہ بخاری، نیز مابعد: بخاری کی روایت میں متعدد جگہ حوالہ ہے؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/ ۱۶۵-۱۶۸)

حافظِ موصوف نے تمام روایات یہاں جمع کر دی ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ ان واقعات کو رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت منکشف کر دیا تھا۔ ایک مجاہد صحابی حضرت یعلیٰ بن امیہؓ معرکہ کارزار سے واپس آئے اور انھوں نے واقعات بیان کرنا چاہے تو آپ ﷺ نے اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا اور صحابی موصوفؓ نے اس کی تصدیق کی۔

امامِ سیرت حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزم انصاری کی روایت میں لفظ کشف بھی آتا ہے: "......**لما التقى الناس بموتة جلس رسول الله ﷺ على المنبر وكشف الله ما بينه وبين الشام،فهو ينظر الى معتركهم**......" (ابن کثیر ۲۴۶-۲۴۷)۔ حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن آپ ﷺ کو مطلع کر دیا تھا: **وأطلع الله رسوله ﷺ على ذلك من يومه**...... تمام روایاتِ ابن کثیر عیون الاثر میں بھی ہیں۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی کے کمان سنبھالنے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب جنگ کا بازار گرم ہو گیا (**الآن حمى الوطيس**)۔ آپ ﷺ میدانِ جنگ کا منظر ملاحظہ کر رہے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے زمین کی طنابیں کھینچ دیں حتی کہ میں نے ان کا معرکہ دیکھ لیا: "**ان الله رفع لي الارض حتى رأيت معتركهم**" (ابن کثیر، ۴/ ۲۴۷-۲۶۲)

مجاہدین کی شہادت کا کشف

رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں جنگِ خیبر کا ایک اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر مختلف کتبِ حدیث میں متعدد طرق سے آیا ہے۔ امام مسلمؒ کی حدیثِ حضرت عمر بن خطابؓ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ واقعہ کشف و مشاہدہ نبوی سے متعلق ہے حالانکہ بعض دوسری روایات اور کتبِ حدیث میں اس کی نوعیت کا واضح پتہ نہیں چلتا۔ روایت کے مطابق صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جنگِ خیبر کے دن مباحثہ کر رہی تھے: کچھ لوگ کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ ان کا گذر ایک شخص پر ہوا تو کہا فلاں شہید ہے۔ تب رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، اس شخص کو میں نے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے ایک چادر یا عبا غبن کر کے اپنے پاس رکھ لی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن الخطاب، جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف ایمان والے ہی داخل ہوں گے۔ فرمایا کہ میں گیا اور میں نے اعلان کیا......

[۱۸۲] (۱۱۴)......حدثنی عمر بن الخطاب قال: لما کان یوم خیبر اقبل نفرمن صحابة النبی ﷺ فقالوا: فلان شهید، فلان شهید، حتی مروا علی رجل فقالوا: فلان شهید، فقال رسول الله ﷺ: کلا، انی رأیته فی النار، فی بردة غلها اوعباء ة. ثم قال رسول الله ﷺ: یا ابن الخطاب، اذهب فناد فی الناس انه لایدخل الجنة الا المومنون، قال: فخرجت، فنادیت...... (مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم الغلول الخ؛ نووی، المنهاج ۱/۲۹۶)

مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ خزرجیؓ کے والد حضرت عبداللہؓ کی شہادت غزوۂ احد میں واقع ہوئی تھی۔ ان کا جنازہ رکھا گیا تو ان کے اہلِ خانہ نے آہ و بکاء شروع کر دی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم لوگوں نے ان کا جنازہ نہیں اٹھایا فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ فگن رہے تھے...... "ما زالت الملائکة تظله باجنحتها حتی رفعتموه......" الخ۔ اسی کے مماثل واقعہ حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ کے جنازے کا ہے

جس کے متعلق مختلف احادیث میں آتا ہے کہ ان کی موت پر عرشِ الٰہی ہل گیا۔امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ نے اس حدیث کو مختلف ابواب کے علاوہ ان کے فضائل میں بھی نقل کیا ہے:"اهتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ"(مسلم،کتاب فضائل الصحابة ......فضائل سعد بن معاذ؛نووی، ۶/۱۹-۲۰ اور ۲۱-۲۲)۔یہ دونوں واقعات کشف و مشاہدۂ نبوی کے بھی ہو سکتے ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی و خبر لانے کے بھی جیسا کہ موخرالذکر واقعہ کے بارے میں ملتا ہے۔ان دونوں میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ دونوں ذرائع سے آپ ﷺ کو ان کی خبر ملی تھی۔

کشفِ صحابہ کرامؓ

بعض صحابہ کرامؓ کو بھی کشف ہوا اور انھوں نے بعض غیبی چیزوں کا اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا لیکن ان کی حقیقت نہ سمجھی۔بعد میں رسول اکرم ﷺ سے بیان کیا اور آپ ﷺ نے ان کی حقیقت، معنی اور مفہوم بتایا۔ان "انکشافاتِ غیبی" کے سبب متعدد احادیثِ نبوی وجود میں آئیں۔ان کی وحی بھی ان کے کشف ہی پر مبنی تھی۔ان میں سے متعدد احادیث کا تعلق تلاوتِ قرآن کے واقعات سے ہے۔حضرت براء بن عازب انصاریؓ نے ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنے اصطبل میں سورۂ کہف پڑھنی شروع کی اور اس کے پاس اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔اچانک گھوڑے پر ایک چھوٹے سے بادل نما شئے نے سایہ کر دیا یا اسے ڈھانپ لیا تو وہ آگے پیچھے ہونے لگا جبکہ بادل رقصاں تھا۔راوی نے صبح کو یہ واقعہ خدمتِ نبوی میں آکر بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:وہ سکینت تھی جو قرآن کے لئے نازل ہوئی تھی۔یہ حدیث تین تین اسناد سے مروی ہے۔

[۲۴۰](۷۹۵)......عن البراء قال: كان رجل يقرأ سورة الكهف وعنده فرس مربوط بشطنين،فتغشته سحابة فجعلت تدور وتدنو وجعل فرسه ينفر

منها،فلما اصبح اتى النبیﷺ فذکرذلك له فقال:تلك السکینة تنزلت للقرآن .

نیز[۲۴۱]......اقرا فلان فانها السکینة تنزلت عند القرآن او تنزلت للقرآن ...... اوراس کے بعد کی حدیث۔

دوسرا واقعہ حضرت اسید بن حضیرؓ کی تلاوتِ قرآن سے متعلق ہے۔وہ اپنے باڑے میں رات میں قراءت کرنے لگے تو ان کا گھوڑا بے چین ہونے لگا۔پھر تلاوت کی تو پھر بے چین ہوا۔حضرت اسیدؓ کا کہنا ہے کہ مجھے خوف ہوا کہ وہ یحیٰی کو روند نہ ڈالے جو قریب میں سو رہا تھا۔لہذا میں گھوڑے کی طرف گیا،ناگاہ دیکھا کہ ایک سایہ نما چھتری میرے سر پر ہے جس میں چراغ جیسے جل رہے ہیں پھر وہ فضا میں بلند ہو گئی حتی کہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ صبح کو میں نے رسولِ اکرمﷺ کی خدمت میں حاضری دی اور پورا واقعہ بیان کیا۔رسولِ اکرمﷺ نے ان سے قراءت سنی اور واقعہ سننے کے بعد فرمایا:وہ ملائکہ تھے جو تمھیں سن رہے تھے،اگر تم قراءت کرتے رہتے اور صبح ہوتی تو لوگ بھی اس شئے کو دیکھتے جو ان سے بالعموم مستور رہتی ہے۔

[۲۴۲](۷۹۶):"......ان ابا سعید الخدری حدثه ان اسید بن حضیر بینما هو لیلة یقرأ فی مربده اذ جالت فرسه،فقرأثم جالت اخری،فقرأ ثم جالت ایضا،قال اسید:فخشیت ان تطأ یحیی، فقمت الیها فاذا مثل الظلة فوق رأسی فیها امثال السرج عرجت فی الجو حتی ما اراها،قال :فغدوت علی رسول اللهﷺ،فقلت:یا رسول الله! بینما انا البارحة من جوف اللیل اقرا فی مربدی اذ جالت فرسی،فقال رسول اللهﷺ: اقرا ابن حضیر،قال:فقرأت.فقال رسول اللهﷺ:تلك الملائكة كانت تستمع لك، ولو قرأت لاصبحت یراها الناس ماتستترمنهم"(مسلم،کتاب المسافرین وقصرها،باب نزول السکینة لقراء ة القرآن؛ نووی، المنهاج،۲/۴۱۰-۴۱۱)

صحابہ کرامؓ میں بعض ممتاز شخصیات کی قراءت و تلاوت نہ صرف مشہور تھی بلکہ

رسولِ اکرم ﷺ کو بہت پسند و مرغوب بھی تھی۔ان میں حضرات ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ، ابی بن کعب خزرجیؓ کا ذکر بطور خاص بعض روایات و احادیث میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو آپ ﷺ نے لحنِ داوٗدی کا مالک قرار دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلیؓ سے فرمائش کر کے آپ ﷺ نے قرآن سنا تھا اور روئے تھے۔

ان میں حضرت ابی بن کعب خزرجیؓ کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے قرآن پڑھنے کی اور سنانے کی فرمائش کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت ابی کے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم دیا اور حضرت ابی نے پوچھا کیا میرا نام لیا میرے رب نے اور آپ ﷺ کے اثبات پر وہ رو پڑے تھے کہ پروردگار عالم نے اپنے ایک ادنیٰ بندے کو اس اعزاز و اکرام سے نوازا۔ یہ احادیث بالخصوص حدیثِ ابیؓ اسی وحیِ حدیث کے زمرے سے متعلق ہیں جن کا تعلق کشف و مشاہدۂ نبوی سے ہے۔

[۲۴۵](۷۹۹)......عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ، قال لابی: ان الله امرنی ان اقرا علیك قال: آلله سمانی لك؟قال: الله سماك لی، قال: فجعل ابی یبكی.

[۲۴۶] میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو حضرت ابیؓ کے سامنے سورہ "لم یكن الذین كفروا" پڑھنے کا حکمِ الٰہی ملا تھا (مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب قراء ة القرآن على اهل الفضل، باب فضل استماع القرآن؛ نووی، ۲/ ۲۱۲-۲۱۳، نیز كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بن كعب......الخ؛ نووی، ۶/ ۱۸-۱۹ومابعد)

فضائلِ اصحابِ کرامؓ کے باب میں حضرت بلال حبشیؓ کے فضائل و مناقب کا خاص باب وحیِ حدیث کا اہم مواد بھی رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے ایک دن نماز کے وقت فرمایا: اے بلال! جب سے تم اسلام لائے ہو تمہارے نزدیک کون سا سب سے زیادہ منفعت بخش عمل ہے کیونکہ گذشتہ رات میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے قدموں کی چاپ سنی تھی؟ انھوں نے عرض کیا کہ ایسا

کوئی عمل یاد نہیں آتا، بس یہ ضرور ہے کہ رات یا دن میں جب بھی میں طہارت کرتا ہوں تو جتنی توفیقِ الٰہی ہوتی ہے نماز ضرور پڑھتا ہوں۔

[۱۰۸](۲۴۵۸) ''......عن ابی هريرة قال: قال رسول اللهﷺ لبلال عند صلاة الغداة: يا بلال، حدثنى بارجى عمل عملته فى الاسلام منفعة، فانى سمعت الليلة خشف نعليك بين يدى فى الجنة، قال بلال: ما عملت عملا فى الاسلام ارجى عندى منفعة من انى لا اتطهر طهورا تاما فى ساعة من ليل ولا نهار الا صليت بذلك الطهور ما كتب الله لى ان اصلى'' (مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام سليم، ام انس بن مالك، و بلال رضی اللہ عنہ، نووی، ۶/ ۱۳ ومابعد)۔

امامانِ حدیث کی بحث سے بھی اور متنِ حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کشفِ نبوی کا معاملہ تھا۔ اس لئے اس میں رویا کا کوئی حوالہ یا قرینہ نہیں پایا جاتا۔ اس حدیثِ بلال اور دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو عینی کشف و مشاہدے کے ذریعہ بہت سے غیبی امور کی خبر دی گئی تھی۔ شارحینِ حدیث نے خاص طور پر لفظ کشف استعمال کیا ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ جاگتی آنکھوں سے رسولِ اکرم ﷺ نے ان غیبی چیزوں کو دیکھا تھا۔ نہ صرف رسولِ اکرم ﷺ نے بلکہ صحابہ کرام میں سے کئی حضرات کے بارے میں بھی کشف و مشاہدۂ غیبی کا واضح ذکر ملتا ہے۔ ان شہادتوں کے بعد کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ کشف کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ پر بسا اوقات وحی نازل ہوتی تھی اور وہ خالصتاً وحیِ حدیث ہوتی تھی۔

حضرت جبریلؑ کی وحیِ حدیث

ہماری روایات کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام کو انبیائے کرام کے پاس وحیِ الٰہی لانے والا فرشتہ سمجھا جاتا ہے۔ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ گذشتہ انبیاءِ کرام کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نہیں آتے تھے لیکن یہ عقیدہ جمہور اور کثرتِ روایات کے خلاف ہے۔ تمام انبیائے سابقین نہ سہی لیکن بہت سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وہ وحی لاتے رہے اور آسمانی ہدایات پہونچاتے رہے (ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/۱۱۸: ...... كان من الانبياء من يسمع الصوت فيكون نبيا بذلك وان جبريل يأتيني فيكلمني كما يأتي احدكم صاحبه فيكلمه ......)

حضرت محمد ﷺ کے پاس ان کی آمدورفت ایک مسلسل عمل اور پیہم سلسلہ بن گئی تھی جو بعثت سے وفاتِ نبوی تک برابر جاری رہی۔ بعثتِ محمدی سے حضرت جبریل علیہ السلام کی آمدورفت کا تسلسل نظر آتا ہے جب کہ قبلِ بعثت مخصوص حالات میں ان کی تشریف آوری کی خبریں ملتی ہیں۔ بالعموم قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ اور سورتوں پر مشتمل وحیِ الٰہی لانے والے فرشتہ کی حیثیت سے وہ بہت معروف و مشہور بھی ہیں۔ لیکن وہ وحیِ حدیث کے بھی فرشتے تھے یہ حقیقت ذرا کم معروف ہے۔ روایات واحادیث میں البتہ اس کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ انہی شہادتوں کی بنیاد پر حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی لانے کا ایک مطالعہ پیش کیا جاتا ہے اگرچہ حقیقت میں وہ ایک تحقیقی مطالعہ کا طالب ہے۔

قبلِ بعثت ورودِ جبریلی

اصطلاحی معنی میں وحی کا نزول رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت و بعثت کے بعد ہونا شروع ہوا اور وہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے جب رسولِ اکرم ﷺ کی عمر شریف چالیس سال ایک دن کی تھی اور وہ ۱۲ر ربیع الاول کی تاریخ اور عام الفیل کے بعد اکتالیسویں برس کا پہلا دن تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی اس سے پہلے کی زندگی کو قبلِ بعثت کا زمانہ کہا جاتا ہے اور صحیح بات ہے کہ اس دورِ اولین میں آپ ﷺ نبی نہیں تھے۔ لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی حفاظت وصیانت اور عصمت کا اہتمام اس عہد میں بھی کیا گیا اور رسولِ اکرم ﷺ کو ہر شر سے ہر طرح محفوظ رکھا گیا۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس دورِ ماقبلِ بعثت میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ ﷺ سے تعلق و ربط برابر قائم واستوار رہا۔ اس کا ایک ثبوت معجزۂ شق الصدر سے ملتا ہے جو احادیث کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر آپ ﷺ کی پرورش کے دوران پیش آیا تھا جب آپ ﷺ کی عمر شریف پانچ برس کے لگ بھگ تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے جبکہ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو پکڑ کر پچھاڑا اور آپ ﷺ کے قلب کو کھولا اور قلب کو نکال کر اس میں سے خون کی ایک پھٹکی نکال کر پھینک دی اور کہا: یہ آپ ﷺ میں شیطان کا حصہ تھا۔ پھر اس کو زمزم کے پانی سے ایک طلائی طشت میں دھویا اور صاف کر کے قلب کو اپنی جگہ پر واپس رکھ دیا۔ بچے یہ دیکھ کر بھاگتے ہوئے اپنی ماں یعنی دایہ (رضاعی ماں) کے پاس گئے اور کہا: محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ بھاگے ہوئے آئے تو آپ ﷺ کا رنگ فق پایا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں اس سلائی کا نشان آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ واقعہ اور ورودِ جبریل علیہ السلام قبلِ بعثت کا ہے لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے بیانِ واقعہ نے اسے حدیثِ نبوی اور وحیِ الٰہی کا درجہ دے دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے نبوت کے زمانے

میں بیان فرمایا تھا:

[۲۶۱]:......عن انس بن مالك ان رسول اللهﷺ اتاه جبريل عليه السلام، وهو يلعب مع الغلمان، فأخذه فصرعه فشق عن قلبه، فاستخرج القلب فاستخرج منه علقة، فقال:هذا حظ الشيطان منك، ثم غسله فی طست من ذهب بماء زمزم، ثم لامه،ثم اعاده فی مكانه،وجاء الغلمان يسعون الى امه يعنى ظئره فقالوا:ان محمد قد قتل، فاستقبلوه وهو منتقع اللون،قال انس: وقد كنت ارى اثر ذلك المخيط فی صدره(مسلم،کتاب الایمان، باب الاسراء......شق صدره الشريف......؛نووی،المنهاج،۱/ ۳۶۲-۳۶۳)

علماء اسلام کے مطابق شقِ صدر کا معجزہ دو بار پیش آیا:اول بار بچپن میں جب آپ ﷺ کی عمر شریف پانچ سال کے لگ بھگ تھی اور دوسری بار اسراء و معراج کی رات میں جب آپ ﷺ پچاس سال کے پیٹے میں تھے۔اگلی حدیثِ مسلم میں معراج کی رات میں شقِ صدر کا ذکرِ خیر ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کو ابتدائے بعثت میں آپ ﷺ کی رسالت کا یقین دلانے والے اور اپنا تعارف کرنے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہی تھے۔حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے مغازی موسیٰ بن عقبہ، تاریخِ ابن عساکر اور متعدد دوسرے مآخذ کی ایسی روایات کثرت سے نقل کی ہیں(البدایة،۳/ ۱۲-۱۵ ومابعد)۔حدیث و سیرت کی ایک روایت اوپر گذر چکی ہے کہ انھوں نے حضرت محمد ﷺ کو پہاڑ کی بلندی پر یقین دلایا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول و نبی ہیں(ابن سیدالناس،عیون الاثر،۱/ ۱۱۲:......ثم استعلن به جبريل......وبشره برسالة ربه حتى اطمأن......۱/ ۱۱۵ :فجاءه جبريل عليه السلام،فقال:يا محمد ! انك رسول الله حقا......)۔اور اس وقت وہ بطور فرشتہ وحی-جبریل-کی حیثیت سے آپ ﷺ کی رسالت و نبوت پر گواہی اور شہادت بھی دے رہے تھے(بخاری، کتاب التعبیر، باب اول ما بدی به رسول اللهﷺ من الوحی الرويا الصالحة،حديث:۶۹۸۲؛فتح الباری، ۱۲/

۴۴۱:تبدی له جبریل......الخ)مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے دونوں مقاماتِ رسالت ومہبطِ وحی پر متعدد بار حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کا ثبوت ملتا ہے۔ کبھی وہ بصورتِ انسان حاضری دیتے، کبھی اپنی اصل شکل میں ہویدا ہوتے، کبھی ندائے ہاتف بن جاتے مگر ہر بار وہ کوئی نہ کوئی وحی ضرور لاتے۔

اولین تنزیلِ قرآن کے معا بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے وادی بطحاء میں ہی رسولِ اکرم ﷺ کو وضو اور نماز سکھائی تھی۔ وضو اور اولین نماز کی تعلیم کے علاوہ نماز کے اوقات بالخصوص نمازِ پنجگانہ کے اوقات کی تعیین سے متعلق احادیثِ نبوی اسی وحیِ حدیثِ جبریل پر مشتمل ہیں۔ اس وحیِ حدیث کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زبانی تعلیم کے ساتھ عملی تربیت بھی دی گئی تھی (بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة حدیث:۳۲۲۱: عن ابی مسعودؓ:......نزل جبریل فامنی فصلیت معه، خمس صلوات")

وضو سے متعلق حدیث و روایت: تقریباً تمام اہلِ سیر نے بیان کی ہے۔ بعض محدثینِ کرام نے بھی وضو کی وحیِ حدیث سے تعرض کیا ہے (ابن اسحاق، /ابن ہشام، ۱/ ۲۴۴؛ سہیلی، ۳/ ۱۳-۱۴؛ طبری، تاریخ ۲/ ۳۰۴، ۳۰۷؛ ابن اثیر، الکامل ۲/ ۵۰-۵۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، ۱/ ۱۱۱؛ ابن کثیر، البدایة و النهایة، ۳/ ۲۴:......اتاه جبریل، وهوباعلی مکة، فهمزله بعقبه فی ناحیة الوادی، فانفجرت منه عین، فتوضأ جبریل علیه السلام و رسول الله ﷺ ینظر الیه، لیریه کیف الطهور للصلاة، ثم توضأ رسول الله ﷺ کما رأی جبریل یتوضأ......؛ نیز مودودی، سیرت سرور عالم ۲/ ۱۴۳ بحوالہ ابن ماجہ، طبرانی، امام احمد بن حنبل وغیرہ؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/ ۱۲۱-۱۲۲ کے مطابق وہ حدیثِ حضرت اسامہ بن زیدؓ ہے اور مرفوع روایت ہے؛ عیون الاثر، ۱/ ۱۲۱؛ فتح الباری، ۶/ ۳۶۸؛ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس، [۱۶۶] (۶۱۰)؛ نووی، ۲/ ۲۵۳-۲۵۴)

خدمتِ نبوی میں آمدِ جبریلی کے اوقات

خدمتِ نبوی میں حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے موقعہ و محل

اور رسولِ اکرم ﷺ کی ملاقاتِ جبریل سے متعلق ایک حدیث ملتی ہے۔ وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام صرف "حکمِ الٰہی" سے ہی نازل ہوتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کو ان کی آمد کا اشتیاق رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اشتیاق محض دیدار و لقائے جبریلی ہی کے لئے نہ تھا، حالانکہ وہ بجائے خود ایک وجہِ فرحت و انبساط اور ایک سببِ نشاط و مسرت تھا، بلکہ اس میں رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے عظیم و کریم رب کے پیغام و کلام کا روحانی اہتزاز ملتا تھا اور بالواسطہ وہ وصالِ حق اور لقائے الٰہی کے مرادف تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار ان سے تقاضا کیا کہ آمد کی کثرت رہے مگر حضرت جبریل علیہ السلام نے "امرِ رب" کی پابندی کا عذر کیا۔

۳۲۱۸: "......عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللهﷺ لجبريل: ألا تزورنا اكثر مما تزورنا؟ قال: فنزلت ﴿وما نتنزل الا بامر ربك، له ما بين ايدينا وما خلفنا﴾ (مریم-۶۴)، (بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة؛ فتح الباری، ۶/ ۳۶۷ ومابعد۔ اطراف حدیث: ۴۷۳۱، ۷۴۵۵: کتاب التفسير، سورة مريم؛ فتح الباری، ۸/ ۵۴۴ ومابعد؛ کتاب التوحيد، باب قول الله تعالىٰ ﴿ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين﴾؛ فتح الباری، ۱۳/ ۵۳۹؛ تفاسیر میں آیتِ مذکورہ کی تشریح و تعبیر سے متعلق روایاتِ متعددہ)

اس روایت میں قرآن مجید اور حدیثِ شریف دونوں کی وحی کو باہم آمیز کر کے پیش کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا حضرت جبریل علیہ السلام سے سوالِ زیارت حدیث پر مبنی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کا جواب آیتِ قرآنی ہے اور وہ دونوں ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔ یہ سوالِ نبوی اور جوابِ قرآنی مکی حدیث پر مبنی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سوال کے جواب میں جو آیتِ کریمہ اتری وہ ابتدائی مکی دور کی ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول و زیارتِ نبوی اور اس میں ایک عارضی مانع سے متعلق ایک اہم حدیث ملتی ہے جو اتفاق سے مدنی دورِ نبوی کی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کسی خاص وقتِ ملاقات کا وعدہ کیا تھا، وقتِ ملاقات نکل

کیا گیا مگر وہ نہ آئے اور رسولِ اکرم ﷺ انتظار فرماتے رہے۔ کچھ مدت کے بعد جب حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے شکوہ کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے وجہِ تاخیر اور مجبوری ظاہر کی کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہو وہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔ اتفاق سے حضرت عائشہؓ نے تزئین کی خاطر ایک پردہ لٹکا دیا تھا جس میں تصاویر تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو اپنی ملکوتی فطرت کے سبب پہلے ہی اتروا دیا تھا۔ اس کے بعد ہی حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ ایک بار کتے کی وجہ سے نہیں آئے تھے کہ وہ انجانے میں گھر میں داخل ہو گیا تھا اور اہلِ خانہ کو اس کا علم نہ تھا۔ اس کے نکالنے جانے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضری دی تھی۔

۳۲۲۷:(عن عبداللہ بن عمر)قال:وعد النبیَ ﷺ جبریلُ فقال: انا لاندخل بیتا فیہ صورۃ ولا کلب،(نیز ۳۲۲۴-۳۲۲۶،بخاری، کتاب بدء الخلق،باب اذا قال احدکم آمین...... الخ؛فتح الباری،۳۷۵/۶-۳۸۱؛ مسلم ،کتاب اللباس والزینۃ،باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان؛نووی،۲۶۷/۵-۲۸۹:[۸۱](۲۱۰۴) ومابعد۔ پردے کے متعلق احادیثِ مسلم ہیں:۸۸-۹۱،۲۷۲/۵-۲۷۳وغیرہ)

حضرت جبریل علیہ السلام بشکلِ حضرت دحیہ کلبیؓ

حدیث اور سیرت کی روایات میں یہ خبر تقریباً تواتر کی حدوں کو چھولیتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب کبھی رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بصورتِ بشری آتے تھے تو مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے۔ بعض روایات کا یہ بیان زیادہ صحیح اور واقعات کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر حضرت دحیہ کلبیؓ کا روپ دھار کر آتے تھے۔ روایاتِ حدیث میں بھی اور روایاتِ سیرت میں بھی اس بشری صورت کی عینی شہادتیں ملتی ہیں اور وہ سب عظیم صحابہ کرامؓ کی بیان کردہ ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم شہادتیں امہات المومنین کی ہیں جن کے گھروں میں وہ آتے تھے اور جن کی

موجودگی میں رسولِ اکرم ﷺ سے گفتگو کرتے تھے۔

کچھ روایات میں آتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کلام کرنے کے بعد کسی نہ کسی ام المومنین سے ان کی شخصیت کے بارے میں پوچھا جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں آگے آتا ہے مگر آپ ﷺ نے ان کی اصلیت نہ بتائی اور بعد میں رسولِ اکرم ﷺ کے بیانِ حدیث، اظہارِ امر الٰہی اور خطبہ شریف سے ام المومنین کو معلوم ہوا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ کچھ روایات میں ذکر ملتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کا تعارف اور ان کی شخصیت کی اصلیت کا اظہار ان کی موجودگی میں ام المومنین سے کر دیا اور ام المومنین سے حضرت جبریل علیہ السلام نے سلام وکلام بھی کیا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں ہے۔

نجی مجالسِ نبوی اور رسولِ اکرم ﷺ کے خانہ مبارک کے علاوہ بر سر عام حضرت جبریل علیہ السلام کا صحابہ کرامؓ میں مجلس اور موجودگی میں آنا بھی ثابت ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت حدیثِ جبریلی میں ملتا ہے جس میں انھوں نے فرمانِ نبوی کے مطابق مسلمانوں کو ایمان، اسلام اور احسان کے معانی و مفاہیم کی تعلیم دینے کے لئے بطورِ خاص حاضری دی تھی۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی نجی ملاقاتوں کا ذکر مختلف عناوین کے تحت الگ الگ کرنا مناسب سمجھا گیا اور مجالسِ صحابہ کرامؓ کا بھی ذکر ایک عنوان کے تحت ہے۔ حضرت دحیہ کلبی کی انسانی صورت میں ان کی ظہور پذیری نہ صرف ایک خاص انسانی شکل میں ظہورِ فرشتہ کے مسئلہ کو بیان کرتی ہے بلکہ متعدد مسائل واحکامِ اسلام کو بھی سامنے لاتی ہے اور اس کے علاوہ یہ امر بھی کہ وہ اس صورت میں کیوں آتے تھے لہٰذا الگ خاص عنوان کے تحت اس بحث کو لانا زیادہ موزوں و مناسب سمجھا گیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو نصیحت کی کہ بازار میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے آخر میں آنے والے نہ بنیں کیونکہ وہ کارگہِ شیطانی ہے جہاں اس کا پرچم لہراتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا

تبصرہ یاذریعہ خبر وہ حدیث ہے جس میں بقول ان کے مجھے بتایا گیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور اس وقت آپ ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہؓ تشریف فرما تھیں۔ وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے رہے پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا وہ کون ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ وہ دحیہؓ کلبی ہیں۔ ان کا مزید بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں انھیں کو سمجھتی رہی تا آنکہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کا خطبہ سنا جس میں ہم کو ہماری خبر دے رہے تھے......

[۱۰۰](۲۴۵۱):۔عن سلمان قال: لا تكونن ان استطعت اول من يدخل السوق، ولا آخر من يخرج منها فانها معركة الشيطان،وبها ينصب رأيته،قال: وانبئت ان جبريل عليه السلام اتى نبي الله ﷺ وعنده ام سلمة، قال:فجعل يتحدث ثم قال،فقال نبي الله ﷺ لام سلمة من هذا،او كما قال،قالت: هذا دحية، قال: فقالت ام سلمة:ايم الله ماحسبته الا اياه حتى سمعت خطبة نبي الله ﷺ يخبر خبرنا،او كما قال......(مسلم،كتاب فضائل الصحابة،باب من فضائل ام سلمةؓ؛نووی،المنہاج، ۶/۸-۹)

امام نووی نے تشریح حدیث میں وضاحت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خبر جبریل علیہ السلام سے ہم کو باخبر کیا تھا یعنی یہ حکمِ الٰہی تھا جو حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آپ ﷺ کو دیا گیا تھا۔ امامِ موصوف نے اس میں مختصر نکتہ یہ بھی نکالا ہے کہ انسان ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں مگر آدمیوں کی صورت میں، کیونکہ وہ ان کی اصل صورت دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے۔ رسولِ اکرم ﷺ زیادہ تر حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت دحیہؓ کی صورت میں دیکھا کرتے تھے اور ان کی اصل صورت میں صرف دوبار دیکھا تھا:
”وفيه جواز روية البشر الملائكة،ووقوع ذلك،ويرونهم على صورة الآدميين لانهم لا يقدرون على رويتهم على صورهم،وكان النبي ﷺ يرى جبريل على صورة دحية غالبا، ...... ورآه مرتين على صورته الاصلية“. امام موصوف کی یہ تشریح احادیثِ نبوی پر مبنی ہے۔

امورِ نماز سے متعلق وحیِ حدیث

فترۂ وحیِ قرآنی کے پس منظر اور سورۂ مدثر کی اولین آیاتِ کریمہ کے نزول سے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی ایک حدیث ہے۔ اس کا سارا مدار رسولِ اکرم ﷺ کے بیان پر ہے اور وہ وحیِ حدیث کے زمرے میں آتا ہے۔ بالخصوص اس کا ابتدائی حصہ: بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المدثر، ٤-باب ﴿وثيابك فطهر﴾؛ فتح الباری، ۸/ ۸۷۷-۸۷۸؛ مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی الرسول محمد ﷺ جبریل علیہ السلام؛ نووی، المنہاج، ۱/ ۳۵۵-۳۵۶ و مابعد؛ نیز ابن اسحاق / ابن ہشام وغیرہ اہلِ سیر کی روایات متعلقہ: ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۱۷-۱۸: "...... فاذا الملك الذى جاء نى بحراء جالس على كرسى بين السماء والارض فجئثت منه" وهذا صريح فى تقدم اتيانه اليه و انزاله الوحى من الله عليه......"

پنجگانہ نماز کے اوقات کی تعیین سے متعلق کتبِ حدیث و سیرت دونوں میں مختصر یا مفصل احادیثِ موجود ہیں۔ اسراء و معراج کی صبح کو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور رسولِ اکرم ﷺ کو پہلے دن پانچوں نمازیں ان کے اولین اوقات میں پڑھائیں۔ دوسری صبح کو حضرت جبریل علیہ السلام نے پانچوں نمازوں کو ان کے آخری وقت میں پڑھایا اور پھر رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی نمازوں کے صحیح اوقات ان دونوں اطراف کے درمیان ہیں۔ اہلِ سیر بالخصوص ابنِ اسحاق کی روایت میں صحیح وقت ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ صحیحین اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں نہیں پایا جاتا۔ ان کی احادیث میں پانچ نمازیں پڑھنے پڑھانے کا مجمل بیان ملتا ہے جس کی شرح کی گئی ہے۔

(بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، ۱-باب مواقیت الصلاۃ وفضلها؛ حدیث: ۵۲۱ مع اطراف: فتح الباری، ۲/ ۵-۱۰ و مابعد؛ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب اوقات الصلوات الخمس؛ ابن ہشام، ۱/ ۲۴۳؛ سہیلی، ۳/ ۷ نیز ۱۱-۱۵؛ ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۱۱۷-۱۱۸؛ نیز بخاری، کتاب المغازی، ۲-باب بلا عنوان؛ حدیث: ۴۰۰۷: ...... نزل جبريل فصلى رسول الله ﷺ خمس

صلوات ثم قال: هكذا امرت؛فتح الباری، ۷/۳۹۶)

نہ صرف اوقاتِ نماز بلکہ نمازوں کی رکعات اور ہیئات بھی وحیِ حدیث پر مبنی ہیں۔ ان کا واضح ذکر موجود ہے۔ شروع میں دو دو رکعات نماز فرض کی گئی، صرف مغرب میں تین رکعات تھیں۔ بعد میں وحیِ حدیث کی ہی بنا پر ظہر و عصر و عشاء میں دو دو رکعات کا اضافہ مدینہ منورہ میں کیا گیا۔ اسی طرح دن کی نمازوں میں قراءت بالسر اور شب کی نمازوں میں قراءت بالجہر کا حکم بھی وحیِ حدیث پر مبنی ہے۔ بعد میں نمازِ جمعہ کی دن کی نماز بھی قراءت بالجہر سے ادا کی گئی اور اس کا حکم بھی حدیث میں پایا جاتا ہے اور حدیثِ متعلقہ وحیِ الٰہی پر مبنی ہے (مذکورہ بالا ماخذ و حوالہ جات کے علاوہ: بخاری، کتاب الاذان، باب الجهر بقراءة صلاة الفجر، حدیث: ۷۷۴؛فتح الباری، ۲/۳۲۸-۳۳۰؛نیز دوسری نمازوں سے متعلق ابوابِ بخاری و فتح الباری، ابن کثیر، البدایة، ۳/۱۱۸: قرأ النبی ﷺ فيما أمر، وسكت فيما أمر ...... حدیثِ ابنِ عباس)

فترۂ وحی کا خاتمہ

سورۃ الضحیٰ کی شانِ نزول سے متعلق ایک حدیث یہ ملتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر ہوئی تو مشرکوں نے طنز کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کو تنِ تنہا چھوڑ دیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے سورۂ مذکورہ نازل فرمائی۔ دوسری حدیث میں ایک عورت کے طعنہ کا ذکر ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے دو تین دن صاحبِ فراش رہنے کا بھی۔ اس میں یہ طعنہ بھی پایا جاتا ہے کہ غالباً شیطان داغِ مفارقت دے گیا۔ پہلی کا متنِ مسلم یہ ہے:

[۱۱۴] (۱۷۹۷)"......انه سمع جندبا يقول: ابطأ جبريل على رسول الله ﷺ فقال المشركون: قد وُدِّع محمد، فانزل الله عزوجل: ﴿والضحىٰ والليل اذا سجى ما ودعك ربك وما قلىٰ﴾ (مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب ما لقى النبى ﷺ من اذى المشركين والمنافقين؛نووی، ۴/۴۸۷)

وحیِ قرآنی وحدیثی میں تفاعل

وحیِ قرآن ہو یا وحیِ حدیث، حضرت جبریل علیہ السلام کی تنزیلِ وحی اور رسولِ اکرم ﷺ کے قبولِ وحی میں باہمی تفاعل پایا جاتا تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے الفاظ و معانی آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتے تو آپ ﷺ جلدی جلدی اپنی زبانِ مبارک کو حرکت دیتے تاکہ وہ الفاظ و کلام یاد ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اخذِ وحی میں رسولِ اکرم ﷺ کو سخت شدت و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو بار بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مشقت سے زیر باری دور کرنے کے لئے ہدایتِ قرآنی نازل فرمائی کہ آپ ﷺ جلدی کر کے زبان کو حرکت نہ دیا کریں بلکہ غور سے سنا کریں، اسے یاد کرانا اور دل و دماغ میں پیوست کرانا اور پھر اس کا بیان و جمع سب ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ خاطرِ نبوی کے لئے خاص رحمتِ حق تھی۔ حدیثِ نبوی کے مطابق اس ہدایت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ القائے جبریل علیہ السلام کو غور سے سنا کرتے تھے اور جب وہ چلے جاتے تو اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے پڑھا تھا۔ اس حدیثِ نبوی میں وحیِ الٰہی کے جبریلی و محمدی تفاعل کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے۔

اس سے زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے زبان کو حرکت دینے اور وحی قبول کرنے کا انداز صحابہ کرامؓ کو بھی معلوم تھا۔ بالخصوص اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو، کیونکہ انھوں نے اپنے سامعین اور شاگرد راویوں کو اسی طرح حرکتِ لسانی دکھائی تھی جس طرح رسولِ اکرم ﷺ پہلے کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرتِ ابن عباسؓ نے یا تو خود اس کا مشاہدہ کیا تھا یا اسے حدیث کی طرح رسولِ اکرم ﷺ سے اخذ کیا تھا۔ دوسری صورت کا امکان زیادہ ہے کیونکہ سورۂ قیامہ کے نزول کے وقت حضرت ابنِ عباسؓ بہت ہی چھوٹے تھے۔ بہر کیف دونوں میں سے کوئی سی صورت رہی ہو یا دونوں ہی رہی ہوں اس حدیث کی روایت میں راوی شیخ کا اپنی زبان کو حرکت دینا بھی سنت

وطریقہ بن گیا تھا کہ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد راوی حضرت سعید بن جبیرؒ بھی اسی طرح اپنے لبوں کو حرکت دیتے تھے جس طرح انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو طریقہ محمدی کی پیروی کرتے دیکھا تھا۔ آخر میں اس حدیث کا متنِ بخاری ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس کی شرح میں حافظ ابن حجر نے اور نکات کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ کے لبِ نبوی کی تحریک کو آپ ﷺ کی تعلیم کی طرف زیادہ راجع کیا ہے۔

۵-:......عن ابن عباس فی قوله تعالی ﴿لا تحرك به لسانك لتعجل به﴾ قال: كان رسول اللهﷺ يعالج من التنزيل شدة، وكان مما يحرك شفتيه، فقال ابن عباس: فانا احركهما لكم كما كان رسول اللهﷺ يحركهما، وقال سعيد: انا احركهما كما رأيت ابن عباس يحركهما -فحرك شفتيه- فانزل الله تعالی ﴿لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه﴾ قال: جمعه لك فی صدرك وتقرأه ﴿فاذا قراناه فاتبع قرآنه﴾، قال: فاستمع له وانصت، ﴿ثم ان علينا بيانه﴾ ثم ان علينا ان تقرأه، فكان رسول اللهﷺ بعد ذلك اذا اتاه جبريل، استمع، فاذا انطلق جبريل قرأه النبیﷺ كما قرأه" (كتاب بدء الوحی، ۴-بلا عنوان باب؛ فتح الباری، ۱/ ۳۹-۴۱؛ اطراف حدیث: ۴۹۲۷، ۴۹۲۸، ۴۹۲۹، ۵۰۴۴، ۷۵۲۴، ابن کثیر، البدایة، ۳/ ۲۳ ومابعد؛ مسلم، کتاب الصلاة، باب التوسط فی القراءة [۴۷] (۴۴۸)؛ نووی، المنهاج، ۲/ ۱۲۳-۱۲۴)

سالانہ مذاکرہ قرآنی

وحیِ قرآنی حضرت جبریل علیہ السلام اکثر و بیشتر لایا کرتے تھے۔ وہ دوسرے ذرائع سے بھی نازل ہوتی تھی۔ لیکن ہر رمضان میں قرآن مجید کے نازل شدہ حصے کا "مذاکرہ و مدارسہ" حضرت جبریل علیہ السلام ہی آکر آپ ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ متعدد احادیثِ بخاری اور دیگر کتب میں اس مضمون کا ذکر صراحت کے ساتھ ملتا ہے اور امام

بخاری نے اپنی فقہِ حدیث کے سبب ایک ایسی حدیثِ نبوی جبریلی کا ذکر اولین باب میں ہی کیا ہے۔ پہلے اس کا متن اور پھر اس پر بحث و تبصرہ:

۲-:......عن ابن عباس قال: کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس، و کان اجود ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل و کان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن؛ فلرسول اللہ ﷺ اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (بخاری، کتاب بدء الوحی، ۵-باب (بلا عنوان)؛ اطرافِ حدیث: ۱۹۰۲؛ ۳۲۲۰، ۳۵۵۴، ۴۹۹۷؛ ۴۹۹۸؛ فتح الباری، ۱/۴۱-۴۳؛ ۶/۳۶۷، ۶۹۱؛ ۸/ ۹۲۴؛ ۹/ ۵۲-۵۸)

شارحینِ حدیث کے کلامِ بلاغت نظام سے قبل اس حدیثِ نبوی کے حوالے سے چند ضروری نکات کا ذکر:

-اول یہ کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اولین باب اور بدءِ وحی (آغازِ وحی) میں ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ ہر رمضان کا دستور تھا۔

-دوم ان "رمضانات" (جمع بحوالہ ابن حجرؒ) میں تیرہ سال کے مکی رمضان بھی شامل ہیں کہ قرآن کا نزول ان میں ہو تا رہا تھا۔

-سوم رمضان کی ہر رات میں حضرت جبریل علیہ السلام کی ملاقات رسولِ اکرم ﷺ سے ہوا کرتی تھی اور اس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

-چہارم جتنا بھی قرآن مجید کا حصہ نازل ہو چکا تھا اس کا مدارسہ، مذاکرہ اور باہمی قراءت و سماعت کا کام ہوتا تھا۔

-پنجم مدارسہ و مذاکرۂ قرآن مجید کا ذکر صرف وحیِ حدیث ہی میں ملتا ہے جو وحیِ قرآنی کی حفاظت کا سامان بھی کرتی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ اور دوسرے شارحینِ حدیث نے اس حدیث پر مفصل کلام کیا ہے اور ان میں سے بیشتر کا یہی خیال ہے۔ وہ مکی اور مدنی دونوں "رمضانوں" کو شامل کرتے ہیں۔ بلاشبہ کم و بیش حصہ قرآن کے مدارسہ پر بھی اختلافی کلام بھی ملتا ہے جس سے ہمیں بحث

نہیں۔ حافظ موصوف نے امام بخاری کی کتاب فضائل القرآن میں وارد آخری دو حدیثوں سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مدارسہ کو صرف ہجرت کے رمضانات تک محدود نہیں کیا جاسکتا، یہ تمام دور نبوی - تیئیس سال - کو محیط ہے: "ولا یختص ذلك برمضانات الهجرة......" (۵۵/۹)

مدارسہ قرآن کے معاملہ سے متعلق حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکرِ خیر اور سیرتِ نبوی میں ان کے طویل کردار کا ایک آخری امر بھی ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے شارحینِ حدیث کی گذشتہ بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان میں نازل شدہ قرآن کا مذاکرہ و مدارسہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ان "رمضانات" میں اولین رمضان سے لے کر مکی دور کے تمام بارہ / تیرہ رمضان شامل تھے اور مدنی عہد کے بقیہ دس رمضان بھی۔ مدنی دور کے آخری رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس بار دو مرتبہ مدارسہ کیا تھا جبکہ اس سے قبل رمضانات میں صرف ایک بار کیا کرتے تھے۔ اسی سے رسولِ اکرم ﷺ نے نتیجہ نکالا تھا کہ آپ ﷺ کی دنیاوی حیاتِ طیبہ کا وہ آخری رمضان ہے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آگیا ہے۔

دوسری کتبِ حدیث میں اتنی وضاحت سے یہ حقیقتِ محمدی نہیں ابھرتی جتنی کہ امام مسلم کی ایک انتہائی اہم حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے حضرت فاطمہؓ کے فضائل کے باب میں وہ بیان ہوئی ہے۔ اس کا ذکر دوسری جگہ دوسرے زاویے سے کیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی آخری بیماری میں حضرت فاطمہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان سے ایسی سرگوشی کی کہ چہیتی بیٹی بے اختیار گریہ کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے دوسری بار سرگوشی کی تو وہ بے اختیار ہنسنے لگیں۔ ازواجِ مطہرات نے حضرت فاطمہؓ سے سبب پوچھا تو انھوں نے رازِ نبوی کھولنے سے انکار کردیا۔ وفات نبوی کے بعد حضرت عائشہؓ کے اصرار پر راز فاش کیا کہ آپ ﷺ نے پہلی سرگوشی میں فرمایا تھا

کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ہر سال قرآن کا معارضہ ایک بار کیا کرتے تھے اور اس بار دوبار معارضہ قرآن کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وقتِ رخصت قریب آگیا ہے۔ لہٰذا تم تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو اور میں تمہارا بہترین پیشرو ہوں گا یعنی تم سب سے پہلے آکر مجھ سے ملو گی۔

[۹۷] (۲۴۵۰ کا دوسرا متن):......عن عائشة قالت......فلما قام رسول الله ﷺ سألتها: ما قال لك رسول الله ﷺ؟ قالت: ماكنت افشي على رسول الله ﷺ سره، قالت: فلما توفي رسول الله ﷺ قلت: عزمت عليك بما لي عليك من الحق لما حدثتيني ما قال لك رسول الله ﷺ فقالت: اما الآن فنعم، اما حين سارني في المرة الاولى فاخبرني: ان جبريل كان يعارضه القرآن في كل سنة مرة اومرتين [كذا]، وانه عارضه الآن مرتين، واني لا ارى الاجل الا قد اقترب، فاتقي الله واصبري، فانه نعم السلف انا لك...... (مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمةؓ؛ نووی، ۶/۷-۸ ومابعد)

متن میں "مرة" کے بعد "او مرتین" لکھا ہے جو یقیناً غلط ہے اور ظاہر میں یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اس صورت میں اگلے جملہ کا مفہوم خبط ہو جاتا ہے۔ اگلی حدیثِ باب [۹۹] کے متن میں اس کی تصحیح ملتی ہے اور اس میں صراحت ہے: "ان جبريل كان يعارضه بالقرآن كل عام مرة، وانه عارضه به في العام مرتين"۔ اس حدیث میں دوسری متعلقہ احادیث کی توضیح کے علاوہ ایک اہم نکتہ مطالعہ احادیث سے بھی متعلق ہے اور وہ یہ کہ ایک موضوع کی متعدد و مختلف احادیث کا مجموعی تقابلی مطالعہ ضروری ہے کہ ایک یا دو روایات صرف ایک پہلو یا ایک جہت ہی اجاگر کرتی ہیں جبکہ حقیقت کا علم اجتماعی مطالعہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قراءاتِ قرآن کی وحیِ حدیث

قراءتِ قرآن کی ایک پیچیدہ اور مشکل ترین بحث ان کے سات حروف پر نازل ہونے سے متعلق ہے ﴿انزل القرآن علی سبعة احرف﴾۔ علماء کے مباحث اور ماہرین کے نظریات و آراء سے یہاں بحث نہیں لیکن اس کے نزول میں حضرت جبریلؑ علیہ السلام کے کردار سے البتہ تعرض کرنا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا یہ بیان متعدد محدثینِ کرام اور علماءِ قرآن و تفسیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعہ کیا اور برابر درخواست کرتا رہا کہ وہ "حرفِ" قراءت کی تعداد میں اضافہ کریں اور وہ ایک ایک "حرف" کا اضافہ کرتے رہے تا آنکہ سات "حروف" تک پہونچ گئے۔ بعض احادیث میں اس کی وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا، جس پر چاہو تم پڑھا کرو:

[۲۷۰](۸۱۸):......سمعت عمر بن الخطاب یقول......فقال رسول الله ﷺ......: ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فأقرؤوا ما تیسر منه[۲۷۱]

[۲۷۲](۸۱۹):عن ابن عباس حدثه ان رسول الله ﷺ قال: أقرأنی جبریل علیه السلام علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده فیزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف......

[۲۷۳]......عن ابی بن کعب قال:......فقال لی: یا ابی! أُرسِل الیّ ان اقرأ القرآن علی حرف، فرددت الیه ان هوّن علی امتی، فرد الیّ الثانیة اقراه علی حرفین، فرددت الیه ان هوّن علی امتی، فرد الیّ الثالثة، اقراه علی سبعة احرف، فلك......

[۲۷۴](۸۲۱):......عن ابی بن کعب :ان النبی ﷺ کان عند أضاة بنی غفار قال: فاتاه جبریل علیه السلام فقال: ان الله یأمرك ان تقرأ امتك

القرآن علی حرف،فقال: اسأل الله معافاته و مغفرته ،وان امتی لا تطیق ذلک، ثم اتاه الثانیة،فقال:ان الله یأمرك ان تقرأ امتك القرآن علی حرفین،فقال:اسأل الله معافاته ومغفرته وان امتی لا تطیق ذلك،ثم جاء ه الثالثة فقال:ان الله یأمرك ان تقرأ امتك القرآن علی ثلاثة احرف:فقال :اسأل الله معافاته و مغفرته وان امتی لا تطیق ذلك، ثم جاء ه الرابعة فقال:ان الله یأمرك ان تقرأ امتك القرآن علی سبعة احرف،فایما حرف قرؤوا علیه فقد اصابوا.(مسلم،کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا؛باب القرآن علی سبعة احرف ؛نووی،المنہاج،۲/ ۴۲۲-۴۲۴ ومابعد)

ان تمام روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی امتِ امی کی آسانی کی خاطر بار بار درخواست کر کے یہ سہولت حاصل کی تھی۔امتِ محمدی ایک حرف پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں مشقت وزحمت سے دوچار ہوتی۔اس لئے رسولِ اکرم ﷺ اپنی امت کے لئے آسانی فراہم کرنے کی خاطر درخواست کرتے رہے اور حضرت جبریل علیہ السلام حضرتِ الٰہی سے ایک ایک حرف کا اضافہ لاتے رہے اور بالآخر سات حروف تک ان کی تعداد پہونچ گئی۔امت کو قیامت تک کے لئے سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت مل گئی اور یہ ساتوں حروف موجودہ مصحفِ عثمانی کے رسم الخط میں موجود ہیں اور ان میں سے ایک حرف بھی کم نہیں کیا گیا کہ تنزیلِ قرآنی میں فرق جائز نہیں (بحث کے لئے ملاحظہ ہو:خاکسار کے مضمون "کیا مصاحف عثمانی ایک قراءت پر مبنی ہیں؟اور انزل القرآن علی سبعة احرف وغیرہ)

فضائلِ قرآن سے متعلق وحیِ جبریل

حضرت جبریل علیہ السلام قرآنِ کریم کی وحیِ الٰہی لانے کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے متعلق فرائض واحکام اور امور بھی انجام دیا کرتے تھے۔ان میں قرآنِ کریم اور اس کے نزول سے وابستہ متعدد احادیث کی وحی بھی شامل ہے جو بعض غیبی امور کے

انکشاف و کشف کا اظہار بھی کرتی ہے۔ ائمہ حدیث و قرآن نے ایسی متعدد روایات و احادیث مختلف قرآنی سورتوں اور ان کی آیاتِ کریمہ کے فضل و فضیلت اور اثر کے باب میں بیان کی ہیں۔ شیخین کی صحیح میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران کو نبوی اصطلاح میں زھراوین (دو پھول) قرار دے کر ان کی فضیلت و اثر انگیزی کا ذکر کیا گیا ہے۔ متعدد احادیث میں حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے غیبی امور کا حوالہ نہیں ملتا تاہم بعض قرآنی سورتوں اور آیاتِ کریمہ میں ملتا ہے اور وہ وحیِ حدیث کا موضوع بن جاتا ہے۔

ان میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیاتِ کریمہ کے فضائل کا ذکر بعض احادیثِ اسراء و معراج میں خوب کیا گیا ہے۔ ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ دونوں خاص الٰہی انعامات تھے جو رسولِ اکرم ﷺ کو جنابِ الٰہی یا حضرت القدس سے براہ راست عطا ہوئے تھے۔ جس طرح تمام فرائض و احکامِ اسلامی میں پنجگانہ نمازوں کا عطیہ الٰہی براہِ راست اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ خاص کے ذریعہ آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا اور اسی کے ساتھ ایک نیکی کا دس گنا اجر کا اصول و انعام بھی براہ راست آپ ﷺ کو ملاقات کے دوران دیا تھا اور وہ حدیث کی وحی کے ذریعہ معلوم ہوا۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیاتِ مقدسہ سے متعلق حضرت جبریل کے بعض انکشافِ غیبی ایک دوسری حدیثِ نبوی سے معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجلسِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ اپنے اوپر دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو صرف آج ہی کھلا ہے اور اس سے قبل کبھی نہیں کھولا گیا، اس سے ایک فرشتہ اترا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو زمین کی طرف آج ہی اترا ہے اور آج سے پہلے نہیں اترا تھا۔ اس نے آکر سلام کیا اور بتایا کہ آپ ﷺ کو دو نوروں کی بشارت دی گئی ہے جو آپ ﷺ کو عطا ہوئے اور وہ دونوں نور آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کا نصیب نہیں بنے۔ وہ فاتحة الكتاب اور خواتيم سورة

البقرۃ ہیں۔ آپ ﷺ ان میں سے کوئی ایک حرف بھی قراءت کریں گے وہ آپ ﷺ کو عطا کر دیا جایا کرے گا: [۲۵۴](۸۰۶):عن ابن عباس قال:بینما جبریل قاعد عند النبی ﷺ سمع نقیضا من فوقه فرفع رأسه فقال:هذا باب من السماء فتح الیوم لم یفتح قط الا الیوم،فنزل منه ملك فقال:هذا ملك نزل الی الارض لم ینزل قط الا الیوم،فسلم وقال:ابشر بنورین اوتیتهما لم یوتهما نبی قبلك:فاتحة الکتاب و خواتیم سورة البقرة،لن تقرأ بحرف منها الا اعطیته(مسلم،کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها ،باب فضل الفاتحة و خواتیم سورۃ البقرة؛نووی،۲/۴۱۶-۴۱۷)

احادیثِ مناقب کی وحی

مناقب کے بیان میں دو احادیثِ جبریل علیہ السلام ملتی ہیں اور دونوں کا تعلق دو امہات المومنین سے ہے۔ایک مکی حدیث حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ کی منقبت میں ہے اور دوسری مدنی حدیث حضرت عائشہ بنت ابی بکر تیمیؓ کے لئے ہے۔ پہلی حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت خدیجہ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہونچایا تھا اور دوسری حدیث میں حضرت عائشہ کو۔ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کو جنت میں ایک پر سکون و عظیم موتی محل کے عطیہ الٰہی کی بشارت دی گئی ہے جبکہ دوسری حدیث میں بشارت کا ذکر نہیں ہے۔ان دونوں مکی و مدنی حدیثوں کا متن ذیل میں برائے مقابلہ درج کیا جاتا ہے۔

۳۸۲۰:-عن ابی هریرةؓ قال:اتی جبریل النبی ﷺ فقال: یا رسول الله هذه خدیجة قد اتت، معها اناء فیه ادام اوطعام اوشراب،فاذا هی اتتك فاقرأ علیها السلام من ربها ومنی، وبشرها ببیت فی الجنة من قصب، لا صخب فیه و لا نصب،طرفه:۷۴۹۷(بخاری،کتاب مناقب الانصار،باب تزویج النبی ﷺ خدیجة وفضلهاؓ؛فتح الباری، ۷/۱۶۷-۱۷۵؛مسلم،کتاب الفضائل،باب من فضائل خدیجةؓ [۱۷]

(۲۴۳۲) نیز مابعد؛ نووی، ۵/ ۵۶۹-۵۷۱ ومابعد)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسری کتبِ حدیث جیسے صحیح مسلم، طبرانی کی الاوسط اور الکبیر وغیرہ کی روایات بھی نقل کی ہیں۔ امامِ سیرت ابن اسحاق نے یہی روایت حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ کی سند سے نقل کی ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ان کے جامع و مرتب امام ابن ہشام نے اپنی مجہول سند والی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سلامِ الٰہی پہونچانے کا ذکر کیا ہے اور حضرت خدیجہ کے فقیہانہ جواب کا بھی جس پر عمدہ بحث حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ ابن ہشام کے شارح امام سہیلی نے بھی اس روایت و حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور عمدہ نکات پیش کئے ہیں وہ سب "وحیِ حدیث" کے باب میں ہیں (ابن ہشام، ۱/ ۲۴۱؛ سہیلی، ۲/ ۴۲۹)

وحیِ حدیث کے نقطہ نظر سے حضرت عائشہؓ کی منقبتِ حضرت خدیجہؓ میں ایک حدیث بہت اہم ہے۔ امام بخاری نے وہ روایت کتاب النکاح کے باب "غیرۃ النساء و وجدھن" میں دوسری سند سے حسبِ دستور بیان کی ہے۔ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی پر مجھے اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہؓ پر کہ آپ ﷺ بکثرت ان کا ذکر کرتے تھے اور ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی بھیجی گئی تھی کہ ان کو جنت میں ایک موتی محل ملنے کی بشارت دیں......

۵۲۲۹:...... ما غرت علی امرأۃ لرسول اللہ ﷺ کما غرت علی خدیجۃ لکثرۃ ذکر رسول اللہ ﷺ ایاھا و ثنائہ علیھا، و قد اُوْحِیَ الی رسول اللہ ﷺ ان یبشرھا ببیت لھا فی الجنہ من قصب" (فتح الباری، ۹/ ۴۰۴-۴۰۵)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ کے واسطہ ہی سے سلامِ الٰہی پہونچایا تھا جس طرح انھوں نے حضرت خدیجہؓ تک سلام و بشارت پہونچانے کے لئے وسیلہ نبوی کی خدمت لی تھی۔ امام بخاری نے حسبِ معمول اس حدیث کو بھی متعدد ابواب میں مختلف اسناد کے ساتھ کم و بیش متن کے ساتھ بیان کیا ہے:

۳۷۶۸:......ان عائشةؓ قالت: قال رسول اللہﷺ یوما: یا عائش! هذا جبریل یقرئك السلام، فقلت: وعلیه السلام ورحمة الله وبرکاته، تری ما لا اری، ترید رسول اللہﷺ (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیﷺ، باب فضل عائشةؓ؛ فتح الباری، ۷/ ۱۳۴-۱۳۸)

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی منقبت میں مذکورہ بالا حدیث مختلف کتب اور ان کے مختلف ابواب میں نقل کی ہے۔ سند کے ساتھ ان کے متن میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ ان کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ وحی حدیث کا یہ باب مکمل ہو جائے:

۶۲۰۱: عن عائشةؓ انها قالت: قال رسول اللہﷺ: یا عائش! هذا جبریل یقرئك السلام، قلت: وعلیه السلام ورحمة الله، قالت: وهو یری ما لا اری.

(کتاب الادب، باب من دعا صاحبه فنقص من اسمه حرفا؛ فتح الباری، ۱۰/ ۱۲-۱۴۷ ومابعد؛ اطراف حدیث: ۳۲۱۷:......فقلت: وعلیه السلام ورحمة الله وبرکاته، نیز ۳۷۶۸، ۶۱۴۹، ۶۱۵۳ وغیرہ؛ فتح الباری، ۶/ ۳۶۷ ومابعد وغیرہ؛ مسلم کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عائشةؓ [۹۰] (۲۴۴۷)؛ نووی، ۵/ ۵۷۹ ومابعد)

یہاں مقطع میں سخن گسترانہ بات آگئی ہے اس لئے مختصر تبصرہ پیش ہے ورنہ وہ ہمارے موجودہ موضوع کے دائرے سے خارج ہے اور اس پر بحث کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے شارحینِ بخاری و امامانِ حدیث کا حوالہ دینا کافی ہے۔ حضرت عائشہ کے سلام جوابِ سلام میں بعض الفاظ کی کمی بیشی پائی جاتی ہے اور بہ ظاہر وہ بعد کے راویوں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ راویوں پر کسی قسم کا الزام عائد کرنا مقصود نہیں ہے کہ وہ بالعموم امانت و دیانت کے پیکر تھے مگر روایت بالمعنی میں بعض اوقات الفاظ گھٹ بڑھ جاتے ہیں یا کم از کم ان کی کمی بیشی کا امکان ہے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے حضرت عائشہؓ کے سلام کرنے اور ام المومنین کے جوابِ سلام میں پایا جاتا ہے۔ اصولِ توجیہ و تطبیق کے مطابق یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کو ایک سے زاید بار

سلام کیا ہو اور ام المومنین کا جواب کسی بار مختلف رہا ہو۔ منطقی طور سے یہ واقعہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مسلسل تشریف لاتے تھے اور حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں متعدد بار سلام کر سکتے تھے اور کرتے تھے لہذا ام المومنین کا جواب مختلف ہو سکتا ہے۔

محبوبیتِ الٰہی کی حدیث

وحیِ حدیث سے متعلق ایک اور حدیثِ جبریل علیہ السلام ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس کا عنوان / ترجمہ باب بھی بہت معنی خیز ہے کہ "حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ کلامِ رب اور ملائکہ کو ندائے الٰہی کا باب"۔ اس باب کی اولین حدیثِ بخاری کا متن درجِ ذیل ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی بندے کو پیار کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو خبر دیتا ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر وہ تمام ملائکہ اور آسمان والوں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ چنانچہ سب اہلِ آسمان و دنیا اس بندے کو محبوب بنا لیتے ہیں اور اس کو زمین والوں میں مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے:

۷۴۸۵:......عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ان الله تبارك و تعالىٰ اذا احب عبدا نادىٰ جبريل: ان الله قد احب فلانا فاحبه ،فيحبه جبريل،ثم ينادى جبريل فى السماء ان الله قد احب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء، و يوضع له القبول فى اهل الارض.

(بخاری، کتاب التوحید،باب كلام الرب مع جبريل ونداء الله الملائكة؛ فتح البارى، ۱۳/ ۵۶۳ ومابعد؛ مسلم، كتاب البر والصلة والآداب،باب اذا احب الله عبدا امر جبريل فاحبه[۱۵۷](۲۶۳۷)؛نووی، ۶/ ۱۴۰-۱۴۱)

اسی باب وکتاب میں امام بخاریؒ نے ایک اور حدیثِ جبریل نقل کی ہے جو ہر لحاظ سے بہت اہم ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور

مجھے خوشخبری سنائی کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک کا جرم نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے کہا: خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو؟ فرمایا: خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو:

۷۴۷۸:......عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال: اتانی جبریل فبشرنی انه من مات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة، قلت: وان سرق وان زنی؟ قال: وان سرق وان زنی(فتح الباری، ۱۳/ ۵۶۳ ومابعد؛ مسلم، کتاب الایمان، باب من مات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة[۱۵۳] (۹۴)؛ نووی، المنهاج، ۱/ ۲۷۲، نیز کتاب الزکاة باب من مات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة؛ نووی، ۳/ ۶۲-۶۳)

امام بخاری نے اس حدیث کو اس سے قبل ایک اور کتاب اور اس کے باب میں حسبِ معمول مختلف انداز سے بیان کیا ہے:

۶۴۴۳:......عن ابی ذرؓ قال:......قال ﷺ: ذلك جبریل علیه السلام، عرض لی فی جانب الحرة قال: بَشِّر امتك انه من مات لا یشرك بالله شیئا دخل الجنة، قلت: یا جبریل، وان سرق، وان زنی؟ قال: نعم، قال: قلت وان سرق وان زنی؟ قال: نعم، قلت: وان سرق وان زنی؟ قال: نعم (بخاری، کتاب الرقاق، باب المکثرون هم المقلون؛ فتح الباری، ۱۱/ ۳۱۴-۳۱۸؛ نیز حدیث: ۶۴۴۴)۔ اس باب کی اول حدیث کافی مفصل ہے اور دوسری نسبتاً مختصر۔ مگر ان دونوں میں اس اہم حدیث کی وحی پر مواد موجود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اول حدیث پر کافی مفصل و مدلل بحث کی ہے جو حدیث کے پس منظر، معنی و مفہوم کے علاوہ اصل مسئلہ کو اجاگر کرتی ہے۔

ذکرِ الٰہی

بلا شبہ ذکرِ الٰہی سب سے بڑا ذکر ہے اور اس کی مختلف صورتیں اسلام میں مقرر کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک ذکر کے حلقے ہیں۔ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ حضرت

معاویہؓ نے ایک بہت اہم حدیث اس سلسلہ میں بیان کی جس میں ذکرِ جبریل علیہ السلام پایا جاتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا ایک حلقہ مسجد میں ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا کہ آپ ﷺ نے ان کے اجتماع کا سبب پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے اپنے فضلِ خاص سے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت کی اور اس کے احسان کی شکر گذاری میں لگے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ دریافت کیا کہ اس کے سوا اور کوئی سببِ اجتماع تو نہیں ہے؟ ان کے دوبارہ اثبات کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میں کسی تہمت لگانے کے سبب بار بار یہ نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ اس لئے دریافت کر رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ملائکہ پر فخر و افتخار کا اظہار فرما رہا ہے:

[۴۰](۲۷۰۱):......عن ابی سعید الخدری قال: خرج معاویة علی حلقة فی المسجد، فقال......: وان رسول اللہ ﷺ خرج علی حلقة من اصحابه فقال: ما اجلسکم؟ قالوا: جلسنا نذکر اللہ ونحمده علی ما هدانا للاسلام، ومنّ به علینا قال: آللہ ما اجلسکم الا ذاك؟ قالوا: و اللہ ما اجلسنا الا ذاك، قال: اما انی لم استحلفکم تهمة لکم، ولکنه اتانی جبریل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباهی بکم الملائکة (مسلم، کتاب الشکر و الدعاء و التوبة و الاستغفار، باب استحباب الاستغفار الخ؛ نووی، ۶/۱۹۰)

متعدد احادیث میں یہ بیان ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی مجالس میں اپنے ارضی بندوں کے شکر و ذکرِ الٰہی پر فخر کا اظہار فرماتا ہے کیونکہ فرشتے تو اپنی فطرت و طبیعت کی نیکی یا سرشت کی مجبوری سے تسبیح و حمدِ الٰہی میں لگے ہی رہتے ہیں مگر انسان اپنے اختیار و پسند سے اس کو قبول کرتا ہے لہٰذا انسانی ذکرِ الٰہی اور شکرِ ربانی اور تسبیح و تحمید زیادہ معنی خیز بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند بھی۔ اس لئے وہ ان پر فخر و افتخار کا اظہار فرماتا ہے کہ میں نے ایسی مخلوق کو پیدا کیا جس کے بارے میں تمہارے کیا کیا گمان تھے اور دیکھو وہ کیسے نکلے۔ مذکورہ بالا حدیث اسی حکمتِ الٰہی اور اس کے سر و رمز کو فاش کر رہی ہے۔

سوالات کے جواب میں وحیِ حدیث

بیداری میں حضرت جبریل علیہ السلام کے وحیِ حدیث لانے کے بہت سے واقعات کا ذکر کتبِ حدیث میں ملتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ سے بسااوقات صحابہ کرامؓ مختلف نوعیت کے دینی، سماجی اور تہذیبی سوالات واستفسارات کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے جوابات بھی دیا کرتے تھے اور بسااوقات وہ فقہِ نبوی، صوابدیدِ محمدی اور حکمتِ رسولی پر مشتمل ومبنی ہوتے تھے۔ امام بخاری نے ایک باب کا عنوان ہی یہی باندھا ہے: **باب ما کان النبی ﷺ یسأل مما لم ینزل علیه الوحی فیقول: لا ادری، اولم یجب حتی ینزل علیه الوحی، ولم یقل برأی ولا قیاس......** (کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة؛ فتح الباری، ۱۳/۳۵۵ مابعد) لیکن کبھی کبھی سوالات کی نوعیت ایسی ہوتی کہ آپ ﷺ توقف فرماتے اور وحی کے آنے کا انتظار فرماتے تھے۔ کبھی یہ وحی قرآنی آیاتِ کریمہ کی صورت میں نازل ہوتی اور کبھی وحیِ حدیث بن جاتی اور وہ وحیِ حدیث بسااوقات حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آتی۔

وحیِ حدیثِ جبریلی کا ایک نمونہ اس حدیث میں ملتا ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ سے ایک سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا علاقہ / دیار پسند ہے اور کون سا مبغوض ترین؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جانتا، میں معلوم کروں گا۔ اس کے بعد ہی حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور وحی لائے۔ حافظ ابن حجر نے یہ روایت نقل کی ہے مگر ادھوری کہ جوابِ جبریل علیہ السلام یا سوالِ صحابہؓ کا جواب مفقود ہے۔ حافظ موصوف نے امام ابن مردویہ کے حوالہ وسند سے یہ روایت ایک حدیث کے ضمن میں نقل کی ہے:

......عن انس قال: سئل النبی ﷺ ای البقاع احب الی الله وایها ابغض الی الله؟ قال: ما ادری حتی اسأل، فنزل جبریل، وکان قد ابطأ علیه "الحدیث" (فتح الباری، ۸/۵۴۵)

اس حدیث کے علاوہ بعض دوسری احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سوالات کے جوابات دینے میں توقف فرماتے تھے اور اکثر و بیشتر "وحی" کا انتظار فرماتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی صوابدیدِ نبوی سے جواب عطا فرمایا اور معاً اس کی تصدیق وحیِ حدیث سے ہو گئی اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ وحیِ قرآنی نے اس کی تصدیق و تائید کر دی۔ وہ دراصل نطقِ نبوی کا معاملہ ہے جسے وحیِ الٰہی ہی پر مبنی قرار دیا گیا ہے اور خود قرآن کریم کی آیتِ الٰہی ﴿وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی﴾ نے اسے وحی بتایا ہے۔ اب خواہ وحی کے نزول کا کسی معاملہ میں ثبوت ملے یا نہ ملے اسے وحیِ حدیث ہی سمجھا جائے گا۔ امام بخاری نے اپنے مذکورہ بالا باب میں اسی اصول بلکہ حقیقتِ امری کا ذکر حکیمانہ انداز سے فرمایا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام اور تعلیم دین

حضرت جبریل علیہ السلام بہر حال کسی بھی شکل و صورت میں آئیں ان کا بنیادی مقصد دین کی تعلیم دینا تھا۔ وہ وحیِ قرآن و حدیث کی صورت میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر اور تعلیمات لاتے تھے اور وہ تعلیمِ دین کی اولین صورت تھی۔ صحابہ کرامؓ کی مجلسِ عام میں یا رسولِ اکرم ﷺ کے خانہ خلوت کی مجالسِ خاص میں آتے تھے تو کسی نہ کسی دینی تعلیم پہونچانے کی خاطر ہی آتے تھے۔ مختلف دینی امور و احکام سے متعلق تعلیماتِ جبریل علیہ السلام کا باب بہت وسیع ہے اور ان کا ذکر ان کے عناوین و موضوعات کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اسلام کی بنیادی اور تمام جہات کی جامع تعلیم دین حدیثِ جبریلی میں ملتی ہے اور اس کو متعدد امامانِ حدیث نے بیان کیا ہے۔ امام مسلمؒ کی روایت سے آغاز کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے

تھے کہ ایک شخص آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ انتہائی سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور ان کے بال انتہائی سیاہ تھے، ان پر سفر کے آثار بھی نظر نہ آتے تھے اور نہ ہم میں سے کوئی ان کو جانتا تھا حتیٰ کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ پاس آکر بیٹھ گئے اور اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے زانوؤں پر رکھ لیں اور کہا: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم "لا اله الا الله محمد رسول الله" کی شہادت دو، نماز پڑھو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو، اس شخص نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ راوی حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ شخص آپ سے سوال بھی پوچھ رہا ہے اور تصدیق بھی کرتا جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔ فرمایا: ایمان کا مطلب ہے کہ تم اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یومِ آخرت پر اور تقدیر کے اچھے برے ہونے پر ایمان رکھو، اس نے کہا: آپ ﷺ نے بالکل صحیح فرمایا۔ پھر اس نے پوچھا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔ فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن تم اسے دیکھنے کے بارے میں فکر نہیں کر سکتے تو یہ یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا: مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے، فرمایا: جس سے سوال پوچھا گیا وہ سوال پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ کہا: اچھا اس کی نشانیاں بتائیے۔ فرمایا کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی اور تم ننگے بھوکے بکریاں چرانے والوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں بنا رہے ہیں"۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ شخص چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا رہا۔ پھر مجھ سے آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ خبر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس آئے تھے تاکہ تم کو تمہارے دین کی تعلیم دیں"۔

......حدثنی ابی عمر بن الخطاب قال: بینما نحن عند رسول الله ﷺ ذات یوم، اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب، شدید سواد الشعر، لا یری علیه

اثر السفر، ولا یعرفه منا احد،حتی جلس الی النبی ﷺ،فاسند رکبتیه الی رکبته ووضع کفیه علی فخذیه، وقال:یا محمد اخبرنی عن الاسلام،فقال رسول الله ﷺ: الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله،وتقیم الصلوٰة، وتوتی الزکوة،وتصوم رمضان و تحج البیت، ان استطعت الیه سبیلا، قال: صدقت ، قال:فعجبنا له یسأله ویصدقه،قال:فاخبرنی عن الایمان،قال:ان تومن بالله وملائکته و کتبه ورسله والیوم الآخر،وتومن بالقدرخیره و شره، قال: صدقت، قال:واخبرنی عن الاحسان،قال: ان تعبد الله کأنك تراه،فان لم تکن تراه فانه یر اك، قال:فاخبرنی عن الساعة،قال:ما المسئول عنها باعلم من السائل، قال: فاخبرنی عن امار اتها،قال:ان تلدالامة ربتها،وان تری الحفاة العراة رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان.قال:ثم انطلق، فلبثت ملیا،ثم قال لی:یا عمرا أتدری من السائل؟قلت:الله و رسوله اعلم، قال:فانه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم (مسلم،کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان...... الخ:نووی،المنهاج،۱/۱۳۱-۱۳۳،حدیث[۱](۸)

امام نووی نے اپنی تشریح میں لکھا ہے کہ اسلام وایمان اور احسان کا مجموعہ ہی دین ہے اور یہ حدیث تمام علوم و معارف اور آداب و لطائف کی حامل ہے بلکہ وہی اصل اسلام ہے جیساکہ ہم نے قاضی عیاضؒ سے نقل و بیان کیا ہے۔ان کے الفاظ ہیں:"ان الایمان، والاسلام والاحسان تسمی کلها دینا، واعلم ان هذا الحدیث یجمع انواعا من العلوم والمعارف والآداب واللطائف، بل هو اصل الاسلام، کما حکیناه عن القاضی عیاض ...... الخ"(۱/۱۳۳کاحاشیہ)

یہی حدیث حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ سے بھی مروی کی ہے اور اس میں بعض اضافات اور ترمیمات بھی پائی جاتی ہیں مگر مفہوم ایک ہے۔اس کے آخر کا اضافہ البتہ بہت اہم ہے۔جب وہ شخص چلا گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو ذرا پھر سے بلالاؤ مگر وہ ان کو نہیں ملا۔تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے (مسلم، مذکورہ بالا[۵](۹)؛المنهاج،۱/۱۳۴-۱۳۶ نیز حدیث[۷](۱۰) بروایتِ حضرت ابو ہریرہؓ ۱/۱۳۷-۱۳۸)

حلال وحرام سے متعلق وحیِ حدیث

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور خدمتِ نبوی میں حاضری کسی نہ کسی حکم اور اسلامی معاملہ اور تشریعی امر کے لئے ہوتی تھی۔ ذکر کیا جاچکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی آیا کرتے تھے حالانکہ رسولِ اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ جلد جلد اپنی تشریف آوری سے مسرور کیا کریں۔ آپ ﷺ کی خواہش بھی محض نفس کی خاطر نہ تھی بلکہ اس میں بھی اپنے رحیم و کریم رب جلیل سے رابطہ وواسطہ کی پیہم استواری کی خاطر تھی۔ وہ آتے تھے تو قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ لاتے تھے یا وحیِ حدیث کے ساتھ اور دونوں ہی آپ ﷺ کو عالم الغیب والشہادۃ سے جوڑ دیتے تھے۔ ان میں سے ایک صورت عصمتِ انبیاء کے معاملہ سے متعلق بھی تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ناپسندیدہ اور غیر مطلوب معیاراتِ حیات سے محفوظ رکھا جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ایک قبائے دیباج ہدیہ کی گئی تو زیب تن فرمائی پھر جلد ہی اسے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس اسے بھیج دیا۔ عرض کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ آپ نے اتنی جلدی اسے کیوں اتار دیا۔ فرمایا: مجھے اس کے پہننے سے جبریل علیہ السلام نے منع کیا ہے۔ حضرت عمر روتے ہوئے خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور ﷺ آپ نے ایک چیز کو ناپسند فرمایا مگر مجھے دے دیا، اب میں کیا کروں؟ فرمایا: تم کو پہننے کے لئے نہیں دی بلکہ اس لئے دی کہ بیچ کر اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ انھوں نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ دیا۔

[۱۶](۲۰۷۰):......عن جابر بن عبداللہ یقول: لبس النبی ﷺ یوما قباء من دیباج اھدی لہ، ثم اوشك ان نزعہ، فارسل الی عمر بن الخطاب، فقیل لہ: قد اوشك ما نزعتہ یا رسول اللہ ﷺ ؟ فقال: نھانی عنہ جبریل. فجاءہ عمر یبکی، فقال: یا رسول اللہ! کرھت امرا و اعطیتنیہ فما لیَ؟ قال: انی لم اعطکہ

لتلبسه، انما اعطیتکه تبیعه، فباعه بالفی درهم (مسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب تحریم الذهب و الحریر علی الرجال و اباحته للنساء؛ نووی، ۵/ ۲۴۰)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں اور زیوروں کے استعمال اور حریر و ریشم کی مردوں کے لئے حرمت وحیِ جبریلی پر مبنی ہے۔ اس سے یہ بھی استنباط کیا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جن چیزوں کو حدیث میں حلال قرار دیا یا حرام ٹھہرایا وہ خالص وحیِ آسمانی پر مبنی ہوتا تھا جو کبھی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آتی تھی اور کبھی دوسری صورتوں اور ذریعوں سے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ قبائے دیباج کے پہلے زیبِ تن فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہدیہ قبول فرمالیتے تھے خواہ وہ کسی غیر مسلم کا پیش کردہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ قبا زیب تن کرنے کے لئے ہی پیش کی گئی تھی لہذا آپ ﷺ نے پہن لی۔ وحیِ آسمانی نے آپ ﷺ کے اصولِ قبول کی بھی رعایت رکھی کہ ذرا تاخیر سے اتری، ورنہ وہ پہلے بھی اتر سکتی تھی۔ معاً بعد حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول ہوا اور حکمِ اسلامی بشکلِ وحی آیا اور صحابہ کرامؓ کو بصورتِ حدیث معلوم ہوا۔ امام نووی نے اسی معنی کی دوسری حدیث پر بحث کرتے ہوئے بجا لکھا ہے کہ یہی اول تحریم تھی جو لباسِ حریر کے ضمن میں آئی تھی: "...... فیکون هذا اول التحریم" (۵/ ۲۴۴)

نکاحِ حضرت زینب بن جحشؓ

ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کی اولین شادی ایک سماجی واقعہ کہا جاسکتا ہے مگر وہ بھی اپنی شرعی اور دینی اساس رکھتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ اپنی بعثت سے پہلے کی زندگی میں دینِ حنفی اور شریعتِ ابراہیمی کی پیروی کرتے تھے۔ ان میں تمام سماجی اور دینی معاملات شامل تھے۔ عہدِ جاہلی میں نکاح وغیرہ کے تمام سماجی امور شریعتِ ابراہیمی کے مطابق انجام دئے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ سے رسولِ اکرم ﷺ کی پہلی شادی دینِ ابراہیمی کے تقاضوں کے مطابق انجام دی گئی تھی اس

لئے اس کی دینی جہات بھی ہیں جو محمدی شریعت میں بھی بسا اوقات قبول کی گئیں۔

دوسری تمام ازواجِ مطہرات سے رسولِ اکرم ﷺ کا نکاح نبوت و بعثت کے بعد ہوا اور ان تمام نبوی شادیوں کو دینی ضروریات اور اسلامی مصالح کے تحت رچایا گیا تھا۔ ان میں بعض سماجی و سیاسی جہات بھی شامل تھیں۔ حضرت زینب بنت جحشؓ سے شادی بعض اسلامی احکام اور سماجی قوانین کو وضع کرنے کے علاوہ ایک آفاقی دینی تقاضا پورا کرنے کی خاطر بھی تھی۔ ان کے اولین شوہر حضرت زید بن حارثہ کلبیؓ رسولِ اکرم ﷺ کے متبنیٰ تھے اور جاہلی قوانین میں گود لیا ہوا بچہ حقیقی اولاد اور اس کی بیوی حقیقی بہو سمجھی جاتی تھی۔ طلاق کے بعد حضرت زینب کی شادی رسولِ اکرم ﷺ سے اسی جاہلی قانون کو توڑنے کے لئے بنفس نفیس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کروائی تھی جس پر وہ فخر کرتی تھیں۔

اسی حدیثِ فخر و ناز میں حضرت جبریل علیہ السلام کا کردار نظر آتا ہے اور نکاح و شادی کا پیغام لانے کا ذکر بھی کتبِ حدیث میں ملتا ہے۔ امام طبری کی ایک روایت ہے کہ حضرت زینبؓ فرمایا کرتی تھیں، اور وہ بھی رسولِ اکرم ﷺ سے، کہ آپ سے میرا رشتہ تین چیزوں کے سبب دوسری ازواج کے مقابلے میں زیادہ استوار ہے: اول یہ کہ آپ ﷺ اور میرے جدامجد ایک ہیں۔ ان سے ان کی مراد عبدالمطلب ہاشمی سے تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے والد کے والد تھے اور حضرت زینب کی ماں کے باپ تھے یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب ہاشمی اور دوسرے یہ کہ اللہ عزوجل نے آسمان پر میرا نکاح آپ سے کیا اور تیسرے یہ کہ سفیر نکاح جبریل علیہ السلام تھے:

......عن الشعبی قال: کانت زینب تقول للنبی ﷺ انی لادل علیك بثلاث، ما من نسائك امراۃ تدل بهن: ان جدی و جدك واحد، تعنی عبد المطلب فانه ابو ابی النبی ﷺ و ابو امها امیمة بنت عبدالمطلب، وانی انکحنیك الله عزوجل من السماء، وان السفیر جبریل علیه السلام (ابن کثیر، البدایۃ، ۱۴۶/۴ بحوالہ ابن جریر طبری و بخاری: فتح الباری، ۸/۶۷۱-۶۷۳ و مابعد؛ نیز تفسیر ابن کثیر متعلقہ مباحث)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے شارحینِ حدیث نے اور ان سے قبل متعدد ائمہ تفسیر و قرآن نے رسول اکرم ﷺ سے حضرت زینب بنت جحش اسدیؓ کی شادی پر مفصل بحث کی ہے اور بعد کے تمام سیرت نگاروں نے بھی خوب خوب لکھا ہے۔ان کی روایات و مباحث میں اللہ تعالیٰ کے نکاح کرنے کا ذکر ضرور ملتا ہے اور وہ قرآن مجید کی سورۂ احزاب-۳۶: ﴿فلما قضیٰ زید منها وطرا زوجنكها لكی لا يكون علی المومنين حرج فی ازواج ادعيائهم اذا قضوا منهن وطرا ط وكان امر الله مفعولا﴾ پر دراصل مبنی ہے جس میں اس حقیقت کی صراحت ہے لیکن حضرت جبریل علیہ السلام کی سفارت کا ذکر صرف امام طبری اور ابن کثیر کی بیان کردہ روایات میں ہی ملتا ہے۔اس لئے اس بحث کو یہاں اس حوالے سے پیش کیا گیا۔

پڑوسی کے حقوق

اسلام میں پڑوسی کے حقوق کی حفاظت و رعائت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ متعدد احادیث کے علاوہ قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے۔دراصل وہ حسنِ معاملہ کے علاوہ حسنِ معاشرت کا ایک حصہ ہے جس سے اجتماعی زندگی بہتر بنتی ہے اور سماج میں انصاف پیدا ہوتا ہے۔انھیں حقوق کے ادا کرنے کا حضرت جبریل علیہ السلام اس قدر ذکر اور اصرار کرتے رہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو خیال گذرا کہ وہ ان کو ترکہ و وراثت میں حصہ دار بھی بنا دیں گے۔حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے علاوہ ایک دوسرے صحابی حضرت محمدؓ سے بھی مروی ہے اور ان کے الفاظ میں معمولی فرق پایا جاتا ہے:

[۱۴۰](۲۶۲۴)......عن عائشة تقول:سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما زال جبريل يوصينی بالجار حتی ظننت انه ليورثه.

[۱۴۱](۲۶۲۵)......عن عمر بن محمد عن ابيه قال:قال رسول الله

ﷺ:ما زال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه.

(مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب الوصية بالجار والاحسان اليه ؛نووی، ۶/ ۱۳۵-۱۳۶)

پڑوسی کے حقوق میں صرف اسی حدیث میں وحی یا حضرت جبریل علیہ السلام کی نازل کردہ وحی کا حوالہ اب تک مل سکا ہے لیکن اس کا قرینہ ہی نہیں پختہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت کرنے سے متعلق تعلیمات وحیِ الٰہی پر مبنی تھیں، بالخصوص سنت نبوی متواترہ کی موجودگی ایسا ثابت کرتی ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام دیگر ملائکہ کے ساتھ

متعدد روایاتِ سیرت وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کبھی کبھی دیگر ملائکہ کے ساتھ آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی آمد بھی امر رب سے ہوتی تھی جیساکہ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ جبریلی سے ثابت ہوتا ہے۔ مگر دوسرے ملائکہ کسی خاص مقصد سے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور وہ بھی کسی نہ کسی حدیث کی وحی کا سبب یا حصہ بن جاتے تھے، مگر ان کے سرخیل، امام، متکلم اور رسولِ اکرم ﷺ سے متعارف کرانے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہوتے تھے کیونکہ وہی اصل واسطہ تھے۔

بعض اور احادیث و روایات میں دوسرے ملائکہ سے ملاقات و زیارت اور کلام کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ ان میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام ہی واسطہ بنتے ہیں جیسے ایک حدیثِ بخاری میں ہے کہ ایک رات رسولِ اکرم ﷺ نے دو انسانوں کو دیکھا جو حاضرِ خدمت ہوئے اور ان دونوں نے کہا کہ مالک تو جہنم کے خازن ہیں اور آگ جلاتے ہیں اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ یہ حدیث صرف زیارت پر نہیں وحیِ حدیث پر بھی مبنی ہے:

۳۲۳۶:عن سمرة قال:قال النبی ﷺ:رأيت الليلة رجلين اتيانی فقالا:الذی يوقد النار مالك خازن النار، وانا جبريل وهذا ميكائيل (بخاری، کتاب

بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین، الخ؛ فتح الباری، ۶/ ۳۷۷ ومابعد)

دوسرے ملائکہ کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد کا معاملہ خاص حالات سے متعلق معلوم ہوتا ہے جن کو ہم بحرانی حالات بھی کہہ سکتے ہیں۔ سفرِ طائف سے واپسی پر ملک الجبال کا آنا ہو، یا حضرت میکائیل علیہ السلام کے ساتھ مالک داروغہ جہنم کا دیدار، دونوں غیر معمولی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان سے زیادہ غزواتِ نبوی میں ان کی آمد دوسرے ملائکہ کے ساتھ ہوتی تھی کیونکہ وہ فوجی امداد کے ساتھ آتے تھے جو ملائکہ مجاہدین کی فوج پر مشتمل و مبنی ہوتی تھی۔ بالعموم ملائکہ کی ارضی آمد اور حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ان کی معیت کا ذکر غزواتِ نبوی کے ضمن میں زیادہ ملتا ہے اور وہ نہ صرف منطقی ہے بلکہ دینی و اخلاقی مضمرات بھی رکھتا ہے۔

طائف میں دعوتِ نبوی

حضرت عائشہؓ کی سند و روایت سے ایک اور حدیثِ وحیِ جبریلی کا ذکر امام بخاری نے کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ کو ندا دے کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قوم کا قول سنا اور آپ ﷺ پر ان کے اعتراض اور ردِ جواب کا بھی اسے علم ہے۔ اس حدیث کا متن درجِ ذیل ہے:

۷۳۸۹: عن عائشةؓ حدثته: قال النبی ﷺ: ان جبریل علیه السلام نادانی، قال: ان الله قد سمع قول قومك وما ردوا علیك (کتاب التوحید، باب "وکان الله سمیعا بصیرا" النساء- ۱۳۴؛ فتح الباری، ۱۳/ ۴۵۵-۴۵۹)

اس حدیث کے معانی و مفاہیم کو شارحِ بخاری حافظ ابن حجر نے اپنی شرح میں مفصل طور سے بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق اس کا تعلق مدینہ منورہ کے دو انصاری صحابہ حضرت خولہؓ بنت دلیح اور ان کے انصاری شوہرؓ کے واقعہ سے ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ مجادلہ کی اولین آیتِ کریمہ ﴿قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها و

تشتکی الی اللہ﴾ میں ہے۔ حافظ موصوف نے دوسرے امامانِ حدیث سے زیادہ بحث اس نکتہ پر کی ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات سمیع و بصیر کا ثبوت مقصود ہے اور معتزلہ کے نظریہ صفات الٰہی کی تردید میں اس حدیث سے استدلال بھی کیا ہے۔ لیکن متنِ حدیث کے الفاظ اس توجیہ و تفسیر کی تائید نہیں کرتے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی ندا کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کی قوم کا قول اور آپ ﷺ کے قومی رد کو سنا۔ بظاہر متن مکی دور کے دشمنوں کی مخالفت کے واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اکابرِ قریش و مکہ مختلف قسم کے اعتراضات کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں شاید اسی طرف تلمیح ہو سکتی ہے لیکن یہ محض متن کی بنیاد پر استنباط ہی کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک حافظ ابن حجر کی شرح کا تعلق ہے تو وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ مدنی دور کے واقعہ میں ایک زوجہ کی اپنے شوہر کے خلاف شکایت کا واضح ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے سماعت فرمانے کا بھی۔ وہ دونوں قوم نہ تھے پھر قولِ زوجہ کو قومی ردِ نبوی سے تعبیر کرنا ذرا دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔

عقلی استدلال کے علاوہ حدیثی شہادت بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ حدیث دراصل ایک طویل و مفصل حدیث کا حصہ ہے اور اس کا تعلق سفرِ طائف سے واپسی پر حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور اکابرِ طائف کے طرزِ عمل سے ہے۔ حدیثِ بخاری: ۳۲۳۱ میں مذکورہ بالا حدیث: ۷۳۸۹ کا پورا متن ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں طائف سے مغموم لوٹ رہا تھا کہ میں نے اپنے سر پر ایک بادل کے ٹکڑے کو سایہ فگن دیکھا۔ اس میں مجھے جبریل علیہ السلام نظر آئے اور انھوں نے آواز دے کر کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات آپ ﷺ کے لئے اور ان کے لئے آپ ﷺ کی تردید سنی اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے کہ آپ ﷺ جو چاہیں اسے حکم دیں وہ انجام دیں گے۔ تب پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے ندا دی اور سلام کر کے عرض کیا: اے محمد! یہ آپ ﷺ کی مرضی پر منحصر ہے، آپ ﷺ فرمائیں تو میں ان

پر دونوں پہاڑوں کو طبق کی مانند اوندھا کر دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صلبوں سے ان لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے۔" مرتبینِ کرام نے اس حدیث کی دوسری طرف: مذکورہ بالا حدیث: ۳۸۹۷ کو بیان کیا ہے۔ حدیث کے مکمل متن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۲۳۱: ......[عن عائشة......]: "انما قالت للنبی ﷺ: هل اتیٰ علیك یوم كان اشد من یوم احد؟ قال: لقد لقیت من قومك ما لقیت، وكان اشد ما لقیت منهم یوم العقبة اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن عبد كلال، فلم یجبنی الی ما اردت، فانطلقت وانا مهموم، علی وجهی، فلم استفق الا وانا بقرن الثعالب، فرفعت رأسی، فاذا انا بسحابة قد اظلتنی، فنظرت فاذا فیها جبریل، فنادانی، فقال: "ان الله قد سمع قول قومك لك وما ردوا علیك"، وقد بعث الله الیك ملك الجبال لتأمره بما شئت فیهم، فنادانی ملك الجبال فسلم علیّ ثم قال: یا محمد، فقال: ذلك فیما شئت، ان شئت ان اطبق علیهم الاخشبین فقال النبی ﷺ: بل ارجو ان یخرج الله من اصلابهم من یعبد الله وحده لا یشرك به شیئا".

(بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین......؛ فتح الباری، ۶/۳۷۶-۳۸۱ ومابعد؛ مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین؛ حدیث: ۱۱۱(۱۷۹۵)؛ نووی، المنہاج، ۴/۴۸۵-۴۸۶؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/۱۳۷ بحوالہ صحیحین)

حافظ ابن حجرؒ سے کتاب التوحید میں ایک روایت کی تقلید کرنے کے سبب تسامح ہو گیا۔ وہ اگر اپنی ہی بیان کردہ پہلی تشریح اور اصل حدیث پر بحث ملاحظہ فرما لیتے یا اسے دھیان میں رکھتے تو کتاب التوحید میں دوسری غیر متعلقہ روایات سے دھوکہ نہ کھاتے۔ بہر کیف رسولِ اکرم ﷺ کی یہ حدیث اس وحی پر مبنی ہے جو حضرت جبریل

علیہ السلام کے علاوہ ملک الجبال نے طائف کے سفر سے واپسی پر نازل کی تھی۔اس حدیث سے ایک اور نکتہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بسااوقات جن کاموں کا تعلق دوسرے فرشتوں سے ہوتا تھاان کے کارِ منصبی کو انجام دینے کے لئے ان کو بھیجا جاتا تھااور وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں خاص پیغام الٰہی لاتے تھے لیکن ان کے تعارف و روشناسی کا فریضہ حضرت جبریل علیہ السلام ہی انجام دیتے تھے کہ بنیادی پیغامبر وحیِ الٰہی وہی تھے اور ان کی وساطت سے دوسرے ملائکہ بھی وحیِ الٰہی لانے کا باعث بن جاتے تھے۔

حضرت جبریل علیہ السلام اور غزواتِ نبوی

غزواتِ نبوی میں حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و شرکت وحیِ الٰہی کی ایک بالواسطہ صورت تھی مگر ایک جہت سے۔دوسری جہت سے وہ باقاعدہ اور دستوری طور پر وحیِ الٰہی لاتے تھے اور وہ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ کے علاوہ خالص وحیِ حدیث بھی ہوتی تھی۔کتبِ حدیث و سیرت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے مختلف غزواتِ نبوی میں شرکت کرنے اور احکام لانے کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔چونکہ وہ ایک خاص سلسلہ موضوع سے متعلق و وابستہ ہیں لہذاان کو ایک خاص ترتیب سے یہاں ایک الگ عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔غزواتِ نبوی کی تاریخی ترتیب بلکہ امام بخاریؒ کی ترتیبِ غزوات کو آسانی کی خاطر اختیار کر لیا گیا ہے کہ وہ بھی اتباع حدیث ہی ہے۔

غزوۂ بدر:امام بخاری نے غزوۂ بدر سے متعلق حدیث ۳۹۸۷ نقل کی ہے جو دارِ ہجرت کے خواب کا ایک حصہ ہے کہ اصلاً رسولِ اکرم ﷺ کو دارِ ہجرت کے اس عظیم رویا میں خوابوں کا سلسلہ دکھایا گیا تھااور وہ متعدد واقعات بالخصوص غزواتِ نبوی سے متعلق تھے۔ اس پر مختصر بحث پہلے گذر چکی ہے۔ مختصر ترین خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے بعد دارِ ہجرت میں انعاماتِ جلیلہ سے نوازنے کا وعدہ کیا تھااور غزوۂ بدر میں ان

کو پورا کیا گیا بلکہ ایک طرح سے غزوۂ بدر سب سے بڑا انعامِ الٰہی تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد تو انعامات کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ حدیث کے متن کا یہی مطلب ہے: "واذا الخیر ما جاء الله به من الخیر بعد، وثواب الصدق الذی آتانا بعد یوم بدر......" (فتح الباری، ۷/۳۸۳ومابعد)

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور ان کی وحیِ حدیث کا تعلق اصلاً بدری صحابہؓ کی فضیلت سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ آپ لوگوں میں اہلِ بدر کی کیا وقعت ہے؟ فرمایا: افضل مسلمانوں میں ہیں یا اسی جیسا کلمہ فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی جیسے وہ ملائکہ ہیں جو بدر میں حاضر و شریک ہوئے۔ اس متن اور معنی کی تین احادیث امام بخاری نے نقل کی ہیں: ۳۹۹۲-۳۹۹۴:

۳۹۹۲: "عن رافع الزرقی قال: جاء جبریل الی النبی ﷺ فقال: ما تعدون اهل بدر فیکم؟ قال: من افضل المسلمین او کلمة نحوها، قال: و کذلك من شهد بدرا من الملائكة (فتح الباری، ۷/۳۸۹ ومابعد؛ نیز ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/۳۴۷؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/۲۷۹؛ ۳/۳۲۹ بحوالہ بخاری)

اس حدیثِ نبوی کا واضح مطلب یہ ہوا کہ بدری صحابہؓ کی افضلیت صرف زبانِ نبوی اور فیصلہ محمدی سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ وہ بھی کافی تھی، بلکہ راست وحی پر مبنی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ بدری صحابہؓ کے ساتھ بدری ملائکہ کو بھی یہ مقامِ بلند ملا اور وہ بھی وحیِ الٰہی و وحیِ حدیث ہے۔

امام بخاریؒ نے اس باب کا عنوان ہی رکھا ہے: "بدر میں ملائکہ کی حاضری و شرکت (باب شهود الملائكة بدراً) جس سے عام ملائکہ کی بدر میں شرکت، سعادت و فضیلت کے علاوہ "رجالِ غیب" کے مردانِ کار کے ساتھ معاونت و مماثلت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان میں سے افضل ترین تھے۔ ان کی شرکتِ سعادت کا ذکر

ایک دوسری حدیث میں ملتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: "یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی راس پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے جسم پر جنگی ہتھیار سجے ہوئے ہیں"، اس حدیث کا ایک اور روپ یا طرف بھی ملتا ہے:

۳۹۹۵: عن ابن عباس ؓ "ان النبی ﷺ قال یوم بدر: ھذا جبریل آخذ برأس فرسه، علیه اداة الحرب" (بخاری، باب شھود الملائکة بدرا؛ فتح الباری، ۷/۳۸۹-۳۹۱؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/۲۸۰؛ ابن ہشام میں ہے: وقد خفق رسول الله ﷺ خفقة وھو فی العریش ثم انتبه فقال: "ابشر یا ابابکر، اتاك نصر الله، ھذا جبریل آخذ بعنان فرسه یقوده علی ثنایاه النقع"؛ ۱/۶۲۷؛ طبری، تاریخ، ۲/۴۴۸؛ عیون الاثر، ۱/۳۳۷-۳۳۸؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/۲۷۶-۲۸۴ بحوالہ اموی وغیرہ)

حافظ ابن حجر کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد سے باخبر کیا تھا۔ انھوں نے متعدد دوسری احادیث بھی حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق نقل کی ہیں۔ امام ابن اسحاق کی روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول اور امدادِ غیبی کے آنے کی کیفیت کو بھی بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ پر نیند کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اس کے بعد ہوشیار ہو گئے۔ یہ روایتِ سیرت ان احادیث کی، جو مختلف کتبِ حدیث و سیرت سے لی گئی ہیں، تائید کرتی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے ملائکہ یا آسمانی امداد کے باب میں ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بھی وحی پر مبنی ہیں۔

متعدد روایاتِ سیرت و حدیث کا بیان ہے کہ بعض بڑے قریشی سردار جیسے ابو جہل مخزومی وغیرہ کے قتل میں ملائکہ کا باقاعدہ ہاتھ تھا جیسے بیہقی میں ہے: "الملائکة وابن مسعود قد شرك فی قتله"۔ دشمن کے مقتولوں کو ان کی ضربات سے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ ملائکہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے (ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/۳۴۴: ......فاتی النبی ﷺ فاخبره فقال: ذاك ضرب الملائکة، قتل ابو جہل مخزومی؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/۲۸۰-۲۸۱-۲۸۹)۔ ملائکہ کی مدد کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تیسرے

آسمان سے مدد غیبی آئی ہے: فقال النبی ﷺ : ذلک مدد من السماء الثالثة"۔

ابن اسحاق و ابن ہشام کے مطابق غزوۂ بدر میں ملائکہ کا نشانِ امتیاز سفید عمامے تھے جن کے شملے انھوں نے اپنی پشت پر ڈال رکھے تھے: عن ابن عباس: کانت سیما الملائکة یوم بدر عمائم بیضاء، قد ارسلوھا علی ظھورھم ......اور حضرت جبریل علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا تھا:......الا جبریل فانه کانت علیه عمامة صفراء (۱/ ۶۳۳؛ تاریخِ طبری، ۲/ ۴۵۴)

امام طبری نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو ایک اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ملائکہ نے سوائے غزوۂ بدر کے اور کسی غزوہ میں باقاعدہ جنگ نہیں کی۔ دوسرے غزوات میں ان کی شرکت صرف مدد اور تعاون کی ہوتی تھی اور وہ مار کاٹ نہیں کرتے تھے۔" ......ولم تقاتل الملائکة فی یوم من الایام سوی یوم بدر، و کانوا یکونون فیما سواہ من الایام عُدَدا ومددا، لا یضربون" (نیز عیون الاثر، ۱/ ۳۴۱-۳۴۲)

خاص حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں ایک اور حدیث یہ نقل کی ہے کہ "حضرت جبریل علیہ السلام غزوۂ بدر کے بعد ایک خوبصورت سرخ گھوڑے پر سوار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت تک رہوں جب تک آپ ﷺ کی رضا ہو۔ تو کیا آپ ﷺ راضی ہو گئے۔ فرمایا: ہاں"۔ ایک دوسری روایت کے مطابق تین بار شدید تیز ہوا چلی، اول میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے، دوسری میں میکائیل علیہ السلام اور تیسری میں اسرافیل علیہ السلام۔ میکائیل علیہ السلام نبی ﷺ کے داہنے جانب تھے جہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے اور اسرافیل علیہ السلام آپ ﷺ کے بائیں جانب تھے اور حضرت علیؓ ان کے ساتھ تھے (نیز ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/ ۳۳۷؛ ابن کثیر، البدایة، ۳/ ۲۷۹، ۲۸۳)

ایک دو اور روایات بھی اس نوعیت کی بیان کی ہیں۔

ان سے زیادہ اہم اس سوال کا جواب ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ملائکہ کی

شرکتِ جہاد کی کیا حکمت ہے جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنے پر کی ایک جنبش سے ہلاکت خیزی پر قادر تھے۔ امام تقی الدین سبکی نے اس کا جواب یہ دیا کہ ایسا اس لئے ہوا کہ اس عالمِ اسباب میں اللہ تعالیٰ کی سنت و قاعدے کے مطابق کام ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت یہ اختیار کی گئی کہ فعل تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کا ہو اور ملائکہ جیوش اور لشکروں کی مدد کے اصول کے تحت اس میں شرکت کریں۔ یہ اصلاً اسباب و عوامل کی رعائت کے لئے تھے ورنہ فاعلِ حقیقی تو بس اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بدر کے میدان میں رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابِ کرامؓ کے پہونچنے کے بعد میدانِ جنگ کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جو حصہ میدان منتخب فرمایا وہ حضرت حباب بن منذرؓ کے خیال میں فوجی اور جنگی لحاظ سے پانی کے ذخیرے سے دور تھا لہٰذا صحابیِ موصوف نے یہ معلوم کرنے کے بعد یہ نبوی انتخاب نہیں ہے بلکہ محض رائے پر مبنی ہے آپ ﷺ کو کنوؤں کے قریب خیمہ زن ہونے کا مشورہ دیا۔ عام کتبِ سیرت میں ذکر آتا ہے کہ جنگی مصالح کے تحت رسولِ اکرم ﷺ نے اسے قبول فرمالیا۔ ان میں کسی الٰہی عنصر کی کارفرمائی نہیں نظر آتی۔ مگر امام ابن کثیر نے حافظ اموی کی سیرت کے ایک نادر بیان کو نقل کیا ہے جس کے مطابق مشورۂ حضرت حبابؓ میں تائیدِ الٰہی شامل تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کی سند سے حافظ اموی کی اس حدیث میں ذکر آتا ہے کہ جب رسولِ اکرم ﷺ نے میدانِ جنگ سجالیا اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے دائیں موجود تھے، ملائکہ میں سے ایک فرشتہ آیا اور عرض گذار ہوا: یا محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”وہی سلام ہے اور اسی سے سلام آتا ہے اور اسی کی طرف سلام رجوع کرتا ہے“، پھر فرشتہ نے کہا کہ معاملہ وہی ٹھیک ہے جس کا مشورہ حباب بن منذر نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا: کیا آپ اس کو جانتے ہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے

عرض کیا کہ تمام اہالیانِ آسمان کو میں جانتا ہوں اور یہ فرشتہ ہے اور سچا ہے اور شیطان نہیں ہے۔ تب رسولِ اکرم ﷺ نے اس جگہ میدان سجایا۔ بعض دوسرے اصحابِ سیرت کے حوالے سے انھوں نے حافظ اموی کی دوسری روایت اسی معنی کی بلاسند نقل کی ہے جو نسبتاً مختصر ہے:

"قال الاموی ......عن ابن عباس،قال:بینا رسول الله ﷺ یجمع الاقماص، وجبریل عن یمینه اذ اتاه ملك من الملائكة فقال:یا محمد! ان الله یقرأ علیك السلام،فقال رسول الله ﷺ:"هو السلام ومنه السلام والیه السلام"،فقال الملك:ان الله یقول لك ان الامر(هو) الذی امرك به الحباب بن المنذر، فقال رسول الله ﷺ:یا جبریل هل تعرف هذا؟قال:ما كل اهل السماء اعرف وانه لصادق وما بشیطان، فنهض رسول الله ﷺ......(ابن کثیر،البدایۃ، ۳/ ۲۶۷-۲۶۸)

امام ابن کثیر نے مختلف کتبِ حدیث و سیرت سے وہ روایات نقل کی ہیں جو غزوۂ بدر میں ملائکہ کی فوجی عددی طاقت بتاتی ہیں۔ بقول حافظ اموی ایک ہزار ملائکہ بطور کمک آئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿بالف من الملٰئكة مردفین﴾ (الانفال-۹)، مفسرینِ کرام -مجاہد، عبداللہ بن کثیر، عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ- کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ نے مردفین کے معنی بتائے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ کے پیچھے ایک اور فرشتہ ہوتا تھا(وراء كل ملك ملك)۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پانچ سو کے لشکر کے ساتھ تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام بھی اتنی ہی فوجی ٹکڑی رکھتے تھے اور یہی مشہور روایت ہے:"وامد الله نبیه والمومنین بالف من الملائكة:وكان جبریل فی خمسمائة مجنبة ومیكائیل فی خمسمائة مجنبة وهذا هو المشهور"، جبکہ امام طبری کی روایتِ تفسیر میں دونوں فرشتوں کے ساتھ ایک ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام میمنہ میں تھے اور ان کے ساتھ

حضرت ابو بکرؓ تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میسرہ میں تھے جن کے ساتھ راوی حدیث حضرت علیؓ بھی ایستادہ تھے۔ امام بیہقی کی کتاب الدلائل کی روایت کے مطابق فرشتوں کی تعداد تین ہزار تھی کہ ایک ہزار حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ بھی آئے تھے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے نہ صرف شرکت کی تھی بلکہ اپنے حربہ سے حملہ بھی کیا تھا اور ایسا کہ ان کی بغل خوناخون ہو گئی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے اس روایت پر کلام کیا ہے اور سند کو ضعیف قرار دیا ہے تاہم یہ بھی کہا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو گذشتہ اقوال کی تائید کرتی ہے اور تب مردَفین کی قراءت دال کے فتحہ کے ساتھ زیادہ صحیح ہو گی۔ اس پوری بحث میں متعدد روایات کو سمو دیا گیا ہے۔ اصل بحث مدِ ملائکہ سے ہے اور وہ ثابت ہے (ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۲۷۵ ومابعد؛ نیز ۳/ ۲۷۹ ومابعد)

مختلف روایات واحادیث سے ملائکہ کی شرکتِ جہاد کی ایک دوسری جہت کا بھی اندازہ بلکہ علم ویقین ہوتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ کئی روایاتِ امام ابن اسحاق، حافظ اموی، امام مسلم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے ملائکہ کو یا ان کے اثراتِ جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ صحابہ کرامؓ تو اپنی قوتِ ایمانی کے سبب ان کے دیدار کو برداشت کر گئے مگر بعض مشرک مشاہدین کے لئے ان کا نظارہ ہی قاتل ثابت ہوا جیسے ایک غفاری طالبِ غنیمت کا جگر شق ہو گیا تھا اور دوسرا مرتے مرتے بچ گیا کہ ایمان اس کا مقدر تھا۔

"......عن ابن عباس قال: بینما رجل من المسلمین یشتد فی اثر رجل من المشرکین امامه اذ سمع ضربة بالسوط فوقه وصوت الفارس: اقدم حیزوم، فنظر الی المشرک امامه فخر مستلقیا، فنظر الیه فاذا هو قد خطم انفه وشق وجهه کضربة السوط، فاخضر ذلک اجمع فجاء الانصاری فحدث بذلک رسول الله ﷺ، فقال: صدقت، ذلک من مدد السماء الثالثة (ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۲۷۹؛ مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر و اباحة الغنائم؛ حدیث: ۱۷۶۳؛ نووی، المنہاج، ۱۲/ ۳۳۴-۳۳۵، لفظ صحیح مسلم، ابن کثیر میں بعض الفاظ کا فرق ہے)

امام ابن اسحاق نے ایک بدری صحابی حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ انھوں نے ملائکہ کو ایک وادی سے نکلتے دیکھا تھا۔ بعد میں جب ان کی بینائی جاتی رہی تھی تب وہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج میں بدر میں ہوتا اور میری بینائی میرے ساتھ ہوتی تو میں تم لوگوں کو اس وادی کا نظارہ کراتا جس سے ملائکہ آئے تھے اور جس میں مجھے آج بھی ذرا شک و شبہ نہیں: "**لو کنت الیوم ببدر ومعی بصری لاریتکم الشعب الذی خرجت منه الملائکة، لا اشك فیه ولا اتماری**......" (ابن کثیر، البدایۃ، ۳/۲۸۰ بحوالہ عبداللہ بن ابی بکر نیز بروایتِ واقدی)

غزوۂ بدر کے باب میں اہلِ سیرت کے علاوہ دوسرے علمائے حدیث نے بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں ملائکہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اور دوسری کتبِ حدیث میں کئی روایات اس عنوان پر ہیں کہ ملائکہ نے بالعموم اور حضرت جبریل علیہ السلام نے بالخصوص اس غزوہ میں حصہ لیا تھا۔ اوپر ان کا ذکر بھی آچکا ہے اور اصولی بحث بھی۔ ملائکہ کی شرکتِ غزوہ، وحیِ حدیث کی ایک قسم یا طریق کو اجاگر کرتی ہے لہذا کتبِ سیرت سے چند متعلقہ روایات:

امام طبری نے قریشی قیدیوں کے ضمن میں جو روایات بیان کی ہیں ان میں سے ایک حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کی گرفتاری سے متعلق ہے۔ ایک انصاری شخص نے حضرت عباس کو گرفتار کر کے رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو حضرت عباس نے عرض کیا: یارسول اللہ، قسم اللہ کی، اس شخص نے مجھ کو گرفتار نہیں کیا، مجھے تو اس شخص نے قید واسیر کیا ہے جو انتہائی خوبصورت تھا اور اس کے لمبے لمبے بال سر کے دونوں جانب لٹکے ہوئے تھے اور وہ ایک ابلق گھوڑے پر سوار تھا مگر مجھے اب قوم میں نظر نہیں آتا، لیکن انصاری صحابیؓ کہتے تھے کہ میں نے ان کو اسیر بنایا ہے، تب رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہاری مدد اللہ تعالیٰ نے بزرگ فرشتہ کے ذریعہ کی تھی: "......**فقال رسول اللہ ﷺ: لقد آزرك اللہ بملك کریم**" (طبری، تاریخ، ۲/۴۲۶)

حضرت ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی نے بھی ملائکہ کے قتل کرنے اور اسیر کرنے کا عینی واقعہ بعد میں بیان کیا تھا (طبری، تاریخ، ۲/ ۴۶۲)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کئی صحابہ کرام کے قریشی اسیروں کو ملائکہ نے قید و گرفتار کیا تھا اور اسیر ان بلا نے بھی اس کی تائید کی تھی اور سب سے اہم کہ رسول اکرم ﷺ نے متعدد صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہارے اسیر کو فرشتے نے قید کیا ہے لیکن اب وہ تمہارا اسیر ہے تاکہ ان کو غنیمت یا فدیہ کی رقم مل سکے۔ حضرت حکیم بن حزام اسدی نے، جو اس وقت مسلم نہ تھے، آسمانی امداد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس نے افقِ آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ یہی تاثر و مشاہدہ ایک دوسرے قریشی کبیر قوم حضرت جبیر بن مطعم نوفلی کا تھا۔ ابلیسِ لعین اسی مشاہدہ کے سبب بھاگا تھا جس کا حوالہ قرآن مجید میں آتا ہے (ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۲۸۱-۲۸۳ بحوالہ اموی، ابن اسحاق، طبرانی، واقدی وغیرہ)

ملائکہ کی آمد کا ذکر امام طبری نے بعض دوسرے راویوں کی سند پر بھی کیا ہے۔ وہ اگرچہ وحی حدیث کے زمرے میں نہیں آتی تاہم اس کی تائید فراہم کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ مجھ سے بنو غفار کے ایک شخص نے اپنا غیبی مشاہدہ بیان کیا کہ میں اپنے ایک چچازاد بھائی کے ساتھ بدر کے میدان کے قریب ایک پہاڑی پر چڑھ گیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ جس فریق کی شکست ہو اس کا مالِ غنیمت لوٹنے میں ہم بھی فاتحوں کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ ہم اس پہاڑ پر ہی تھے کہ ہمارے قریب ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور اس میں ہم نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی اور ایک کہنے والے کی آواز بھی سنی کہ "حیزوم" آگے بڑھو۔ میرے چچازاد کا دل پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ گر کر مر گیا، میں بھی موت کے قریب پہونچ گیا تھا لیکن کسی طرح بچ گیا۔ "حیزوم" حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام تھا۔ امام ابوذر خشنی نے اس روایت کی تشریح کی ہے: "......اذ دنت منا سحابة، فسمعنا فيها حمحمة الخيل فسمعت قائلا: يقول اقدم حيزوم......" (طبری، تاریخ، ۲/ ۴۵۳؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱/ ۳۴۱؛ ابن کثیر، البدایۃ، ۳/ ۲۷۹-۲۸۰ بحوالہ ابن اسحاق)

اس جہت سے یہ روایت بھی وحیِ حدیث بن سکتی ہے کہ اسے رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے اگر بیان کیا گیا ہو اور آپ ﷺ کی تقریری تائید اسے حاصل ہو گئی ہو جیسے بعض صحابہ کرامؓ نے ملائکہ کے شہود و شرکت کے بعض مظاہر دوسرے غزوات میں دیکھے اور ان کو آپ ﷺ کے حضور بیان کیا تو ان کو حدیث کا درجہ مل گیا۔ ان کا ذکر بعد میں آتا ہے اور امام طبری کی مذکورہ بالا روایت صحیح حدیث ہے بھی کیونکہ امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے ہی روایت کیا ہے اگرچہ اس کے الفاظ مختلف ہیں جیسا کہ اوپر ملائکہ کے قتل کرنے کے اثرات کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

شہادت کی فضیلت

بدری صحابہؓ کی افضلیت سے متعلق حدیثِ بخاری اوپر گذر چکی ہے۔ ان کی افضلیت حضرت جبریل کی وحیِ حدیث پر مبنی ہے۔ شہید کے درجے، مقام و مرتبے اور شہادت کی فضیلت پر رسولِ اکرم ﷺ کی متعدد احادیثِ صحیحہ کتبِ حدیث و سیرت میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اور دلچسپ حدیث امام ترمذی نے نقل کی ہے۔ وہ حضرت ابو قتادہؓ کی سند پر مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان کو افضلِ اعمال قرار دیا۔ ایک شخص نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو میری ساری خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کئے جاؤ اور تم ثابت قدم، ثواب کی نیت رکھنے والے اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہیں ہو تو۔ اس کے معا بعد رسولِ اکرم ﷺ نے پھر فرمایا: ہاں تم نے کیا پوچھا تھا؟ راوی نے کہا: میں نے عرض کیا تھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میری تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر تم ثابت قدم، ثواب و اجر کی نیت رکھنے والے اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے

رہے اور پیٹھ نہیں دکھائی تو، سوائے قرض کے (کہ وہ معاف نہیں ہوگا)۔یہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے ابھی ابھی کہا ہے۔امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دینے کے علاوہ دوسری اسناد سے بھی اس کے مروی ہونے کی صراحت کی ہے۔

۱۷/۱۶:......عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه انه سمعه يحدث عن رسول اللهﷺ انه قام فيهم فذكر لهم ان الجهاد فی سبيل الله والايمان بالله افضل الاعمال، فقال رجل: يارسول الله،ارأيت ان قتلت فی سبيل الله يكفر عنی خطاياى؟ فقال رسول اللهﷺ:نعم، ان قتلت فی سبيل الله وانت صابر محتسب، مقبل غير مدبر، ثم قال رسول اللهﷺ :كيف قلت؟ قلت:ارأيت ان قتلت فی سبيل الله،أ يكفر عنی خطاياى؟فقال رسول الله:نعم ،وانت صابر محتسب، مقبل غير مدبر،الا الدين،فان جبريل قال لی ذلك(ترمذی،كتاب الجهاد، باب ماجاء فيمن يستشهد و عليه دين؛ابن العربی مالکی،عارضة الاحوذی،۷/ ۲۰۴-۲۰۵)

امام ابن العربی مالکی نے اس حدیث کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ اس میں ہر چیز کی وضاحت وصراحت پائی جاتی ہے۔البتہ وحیِ حدیث کے لحاظ سے ایک بات بہت اہم ہے اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرنا ضروری ہے۔رسولِ اکرم ﷺ نے سائل کے سوال کا جواب عطا فرمادیا تھا۔حدیث کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی وقت آپ ﷺ پر وحیِ الٰہی نازل کی کہ شہید پر اگر قرض ہے تو وہ معاف نہیں ہوگا۔یہ آخری حصہ حدیث اور حضرت جبریل علیہ السلام کی عین وقت پر آمد و وحی ایک اہم نکتہ کو پیش کرتی ہے کہ کلامِ نبوی میں اگر کوئی بات رہ جاتی تھی تو فوری وحی سے اس کا تدارک کر دیا جاتا تھا۔اسی ازالہ و تدارک کی خاطر آپ ﷺ نے سائل سے دوبارہ سوال پوچھا تھا اور پھر اس کا صحیح تر جواب ارشاد کیا مع جبریلی حوالہ کے۔اسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر جوابِ نبوی مرضی الٰہی کے مطابق ہوتا تو اضافی یا تشریحی وحی نہیں آتی تھی۔بیانِ نبوی کی تصدیق وتائید سکوت سے کی جاتی تھی۔

غزوۂ احد اور حضرت جبریل علیہ السلام

امام بخاری کے حوالے سے غزوۂ بدر میں حضرت جبریل علیہ السلام کی شرکت سے متعلق جو حدیثِ نبوی نقل کی گئی ہے ہو بہو ویسی ہی غزوۂ احد کے بارے میں ہے۔ وہ بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی راس پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے جسم پر جنگی ہتھیار سجے ہوئے ہیں: ۴۰۴۱: "عن ابن عباسؓ قال: قال النبی ﷺ: هذا جبريل آخذ برأس فرسه، عليه اداة الحرب" (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة احد؛ فتح الباری، ۷/۴۳۵-۴۳۶)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ ناقلینِ بخاری ابی الوقت اور الاصیلی کی روایات میں یہ حدیث غلطی سے اس باب میں در آئی ہے۔ اصلاً وہ غزوۂ بدر کے بارے میں ہے، غزوۂ احد کے بارے میں نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرے متونِ بخاری میں اس کا ذکر غزوۂ احد کے باب میں نہیں ملتا ہے۔ یہ تبصرہ و نقد صحیح ہے مگر معناً یہ روایت یا حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے کیونکہ غزوۂ احد میں حضرت جبریل علیہ السلام کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

صحیحین میں رسولِ اکرم ﷺ کی حفاظت میں حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام کے شدید ترین قتال کرنے کا ذکر ایک اور حدیث میں ملتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ کی عینی شہادت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سفید مجاہدوں کو شدید ترین جنگ کرتے دیکھا جن کو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھا۔ ان کی مراد حضرات جبریل اور میکائیل علیہما السلام سے تھی۔ حافظ ابن کثیر نے بھی اس کو نقل کیا ہے مگر یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ دونوں فرشتوں کے اسماءِ گرامی کا ذکر صرف حدیثِ مسلم میں پایا جاتا ہے، حدیثِ بخاری میں صرف دو سفید پوشوں کا حوالہ ہے۔

"وثبت فی الصحیحین من حدیث...... عن سعد بن ابی وقاص قال: رأیت یوم احد عن یمین النبی ﷺ وعن یساره رجلین علیهما ثیاب بیض یقاتلان اشد

القتال، ما رأیتهما قبل ذلك و لا بعده،یعنی جبریل ومیکائیل علیهما السلام"
(بخاری، کتاب المغازی ،غزوة احد؛فتح الباری ،متعلقہ بحث ؛ مسلم ،کتاب الفضائل،باب اکرامه ﷺ بقتال الملائکة معه وشجاعته ﷺ؛[۴۸](۲۳۰۶)؛نووی،۵/ ۲۶۳؛ابن کثیر، البدایة،۴/ ۲۷)

حافظ موصوف نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد کا ذکر ابن ہشام کے حوالے سے کیا ہے۔لاشہ عم پر رسول اکرم ﷺ نے اپنے حزن و ملال کا اظہار فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ کو تسلی دی اور خوشخبری سنائی کہ ساتوں آسمانوں میں حضرت حمزہؓ کا خطاب "اسد الله واسد رسوله" لکھا ہے:
جاء نی جبریل فاخبرنی ان حمزة مکتوب فی السماوات والارض حمزة بن عبدالمطلب اسد الله واسد رسوله" (البدایة،۴/ ۴۰)۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ کا لقب "اسد اللہ" مبنی بر وحی تھا۔دیگر روایاتِ سیرت وحدیث میں اسے بالعموم قولِ نبوی بتایا جاتا ہے اور اس بنا پر وہ حدیث ہے مگر سابقہ روایت اسے وحیِ الٰہی پر مبنی ثابت کرتی ہے۔اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کے دوسرے القاب بھی وحی پر مبنی تھے۔

بعض شہداءِ احد پر ملائکہ کے سایہ کرنے یا ان کے غسل دینے کا ذکر روایات واحادیث میں باقاعدہ ملتا ہے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ کے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے لاشے پر فرشتوں نے سایہ کر رکھا تھا:"لم تزل الملائکة تظله حتی رفعتموه" (بخاری، کتاب المغازی،باب غزوة احد؛کتاب الجنائز،باب الدخول علی المیت وغیرہ؛ مسلم، کتاب الفضائل؛ابن کثیر،البدایة،۴/ ۴۴)۔حضرت حنظلہ بن ابی عامر عمرو اسیدی نے بحالتِ جنابت شہادت پائی تھی اور ان کو ملائکہ نے غسلِ طہارت دیا تھا اس لئے ان کو "غسیل الملائکہ" کا خطاب دیا گیا تھا۔(ابن کثیر ،البدایة، ۴/ ۴۴،نیز ما قبل ۲۱ وغیرہ؛ سہیلی، ۲/ ۱۳۳)
دوسرے شہداء کے بارے میں بھی متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں ان کی فضیلت، مقام و مرتبہ، مغفرت و بخشش کے علاوہ ان کے اکرام کا بھی ذکر ہے۔

غزوۂ ذوامر

غزوۂ ذی امر ۳ھ /۶۲۵ء میں پیش آیا۔ غطفان قبیلہ کے ایک حصہ بنو ثعلبہ بن محارب کی سرکشی کی سرکوبی اس کا محرک تھا۔ اسلامی لشکر کے پہونچنے پر اس علاقہ کے دشمنانِ دین وامان پہاڑوں میں جا چھپے اور رسولِ اکرم ﷺ نے ایک درخت کے سایہ میں استراحت کی۔ اسی دوران ان کا ایک مشہور اور بہادر سردار غورث (یا دعثور) بن حارث اچانک رسولِ اکرم ﷺ کے سرِ اقدس پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ عام روایات کے مطابق اس نے رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اب آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ ﷺ نے اطمینان سے جواب دیا کہ اللہ۔ وہ اس پر اتنا مبہوت و ششدر ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ عام سیرت کی روایات میں فرشتہ کی غیبی مدد کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن بعض روایاتِ حدیث وسیرت میں یہ ذکر یا حوالہ پایا جاتا ہے کہ دشمن کے للکارنے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کو دھکا دیا اور اس کی تلوار گر پڑی:

"......ودفع جبريل في صدره فوقع السيف من يده فاخذه رسول الله ﷺ......" (ابن کثیر، البدایۃ، ۴/ ۳ بحوالہ واقدی و بیہقی، غزوۂ ذات الرقاع؛ نیز مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب صلاۃ الخوف[۳۱۱] (۸۴۳) میں اور دوسری کتبِ حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا حوالہ نہیں مل سکا)

غزوۂ بنی لحیان ۴ھ /۶۲۶ء

اس غزوہ کی دینی اہمیت یہ ہے کہ دشمن قبیلہ کے سخت قتال کے سبب صلاۃ الخوف کا طریقہ قرآن مجید میں بتایا گیا۔ یہ غزوہ عسفان کے اپنے مقامِ جنگ کے نام پر بھی پکارا جاتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دشمن کے سامنے ہوتے ہوئے نمازِ ظہر باجماعت ادا کی کہ وہ عظیم ترین فرض تھا۔ دشمن نے منصوبہ بنایا کہ اگلی نماز کے وقت جب مسلمان نماز میں مشغول ہوں گے وہ اچانک حملہ کر دیں گے۔ لہذا حضرت جبریل علیہ السلام نمازِ ظہر اور نمازِ

عصر کے درمیان ان آیاتِ کریمہ کے ساتھ نازل ہوئے۔ انھوں نے آیاتِ قرآنی کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ کو دشمنوں کے منصوبہ سے بھی آگاہ کیا اور صلاۃِ خوف کا پس منظر بتایا:

"عن جابر قال: غزونا مع رسولِ اللہ ﷺ قوما من جهينة فقاتلوا قتالا شديدا، فلما ان صلى الظهر قال المشركون: لو ملنا عليهم ميلة لاقتطعناهم. فاخبر جبريل رسول اللہ ﷺ بذلك وذكر لنا رسول اللہ ﷺ وقال: وقالوا انه ستأتيهم صلاة هي احب اليهم من الاولاد" (ابن کثیر، البدایۃ، ۴/۸۴ بحوالہ مسلم و دوسری کتبِ حدیث؛ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها، باب صلاۃ الخوف [۳۰۸]؛ نووی؛ ۲/ ۴۴۳۔ حدیثِ مسلم میں بعض الفاظ کا معمولی فرق ہے مگر معنی یکساں ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے خبر دینے کی صراحت بھی ملتی ہے)

غزوۂ خندق میں حضرت جبریل علیہ السلام

اگرچہ امام بخاری اور دوسرے بعض محدثینِ کرام اور ان کے شارحین نے غزوۂ خندق /احزاب میں حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہ کی موجودگی، شرکت، اعانت کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ وحیِ حدیث کا اشارہ دیا ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہ غزوۂ خندق میں شریک تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام احکامِ الٰہی بھی لائے تھے۔ اس حقیقت اور امرِ واقعہ کا بالواسطہ بیان و پتہ احادیثِ بنی قریظہ سے چلتا ہے جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر بنو قریظہ کے خلاف کوچ کرنے کا اور بعد میں اس میں امداد و اعانتِ فرشتگان کے ساتھ ساتھ حکمِ الٰہی پہونچانے کا فریضہ ادا کیا تھا۔ حافظ ابن سید الناس نے سورۂ احزاب کی آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ غزوۂ خندق میں ہوا (آندھی) کے ساتھ ملائکہ بھی آئے تھے: "و کانت الجنود التی ارسل اللہ علیهم مع الریح الملائکة......" (۲/۵۷ و مابعد نیز صفحاتِ ماقبل)

حدیثِ بخاری میں یہ واضح بیان ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھی ملائکہ نے غزوۂ خندق کے خاتمہ کے بعد بھی ہتھیار نہیں اتارے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اور دیگر ملائکہ ان جنگی ہتھیاروں کے ساتھ سج کر غزوۂ احزاب میں شرکت کرنے اور اسلامی فوج کی اعانت ہی کے لئے آئے تھے۔ یہی قرینہ بلکہ اشارہ واضح کرتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے ساتھ خندق کے غزوہ میں بھی شرکت کی تھی۔ ان کی شرکت محض ایک جنگی معاون کی نہیں تھی کہ اس کے لئے دیگر ملائکہ کافی تھے۔ ان کی موجودگی اور شرکت کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی احکام وہدایات لاتے رہے تھے اور غزوۂ بنی قریظہ کے موقعہ پر ان کی پیغام رسانی سے اس امر کو تقویت ملتی ہے۔ امامانِ سیرت ومغازی کی روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فرشتوں نے مشرکینِ مکہ کا تعاقب حمراء الاسد تک کیا تھا جبکہ مسلمانوں نے نہیں کیا تھا، اور وہ جنگی محاذ سے سیدھے اپنے گھروں کو واپس آگئے تھے۔

غزوۂ بنی قریظہ کے تعلق سے حضرت جبریل علیہ السلام کی موجودگی اور اعانت کا ذکر دوسری احادیث میں ملتا ہے۔ حدیث: ۴۱۲۳-۴۱۲۴ کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے غزوۂ بنی قریظہ میں حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا تھا کہ مشرکین کی ہجو کریں اور جبریل بھی تمہارے ساتھ ہیں: "......اهج المشركين، فان جبريل معك"۔ یہ موقعہ غزوۂ بنی قریظہ کا ضرور تھا مگر اس ہجو کے مصداق مشرکینِ مکہ تھے۔ اس کی تائید امام ابن مردویہ کی حدیثِ حضرت جابرؓ سے بھی ہوتی ہے کہ احزاب کے غزوہ میں آپ ﷺ نے ان کو مشرکین کی ہجو کرنے کا حکم تھا کہ روح القدس تمہاری اعانت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ مشرکین سے بنو قریظہ کے اہلِ کتاب مراد نہ تھے بلکہ ان سے اکابرِ قریش مراد تھے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہجوِ قریش کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت کا صحیح مقام غزوۂ احزاب کا بیانیہ ہے نہ کہ غزوۂ بنی قریظہ کا (فتح الباری، ۷/۵۱۹-۵۲۰، ابن کثیر، ۴/۱۱۶-۱۱۸ ومابعد، بحث بر غزوۂ بنی قریظہ؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/۵۷-۶۰ وغیرہ)

غزوۂ بنی قریظہ میں شرکتِ جبریلی

مشہور حدیث ہے کہ غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب کے بعد رسولِ اکرم ﷺ واپس مدینہ منورہ لوٹے تو ہتھیار رکھ دیئے اور غسل فرمایا۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام خدمتِ نبوی میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے تو ہتھیار اتار دیئے لیکن ہم ملائکہ نے، اللہ کی قسم! ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ لہذا آپ ﷺ ان کی طرف کوچ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: کس طرف؟ فرمایا: اِدھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا اور نبی ﷺ نے ان کی طرف کوچ فرمادیا: "عن عائشةؓ قالت: لما رجع النبی ﷺ عن الخندق و وضع السلاح واغتسل، اتاه جبریل علیه السلام فقال: قد وضعت السلاح، والله ما وضعناه، فاخرج الیهم، قال: فالیٰ این؟ قال: ها هنا، واشار الی بنی قریظة، فخرج النبی ﷺ الیهم"

(بخاری، حوالہ درجِ ذیل؛ مسلم، کتاب الجهاد وا لسیر، باب جواز قتال من نقض العهد، حدیث ۱۷۶۹؛ نووی؛ المنهاج، ۴/ ۴۴۱-۴۴۲ وغیرہ؛ ابن کثیر، البدایة، ۴/ ۱۱۶-۱۱۷ بحوالہ روایاتِ ابن اسحاق/ ابن ہشام، بخاری، بیہقی، ۴/ ۱۲۲ بحوالہ امام احمد)

اس کے معاً بعد امام بخاریؒ نے ایک دوسری حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں نقل کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق انھوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی شہسواری کی بنا پر اٹھنے والے غبار کو بنو غنم کے محلے/ علاقے میں اٹھتے ہوئے دیکھا تھا اور یہ منظر انھوں نے مدتوں یاد رکھا کیونکہ وہ ایک عظیم نظارہ تھا اور اس کا بھی تعلق بنو قریظہ سے تھا: ۴۱۱۸: "عن انسؓ قال: کأنی انظر الی الغبار ساطعا فی زقاق بنی غنم، موکب جبریل، حین سار رسول الله ﷺ الی بنی قریظة" (بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب و مخرجه الی بنی قریظة و محاصرته ایاهم؛ فتح الباری، ۷/ ۵۰۸-۵۰۹ و مابعد بالخصوص ۵۱۰؛ نیز حدیثِ بخاری: ۴۱۲۲: عن عائشہ؛ فتح الباری، ۷/ ۵۱۴-۵۱۹؛ ابن کثیر، البدایة، ۴/ ۱۱۷ بحوالہ بخاری، مسلم، بیہقی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس موضوع پر امام ابن سعد کی نسبتاً مفصل حدیث نقل کی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو قریظہ اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا۔جب احزاب کی افواج آئیں تو انھوں نے معاہدہ توڑ دیا اور ان احزاب سے تعاون کیا۔اللہ تعالیٰ نے جب احزاب کو شکست سے دوچار کیا تو وہ (بنو قریظہ) قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔تب حضرت جبریل علیہ السلام دوسرے ملائکہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا:یارسول اللہ، بنو قریظہ کی طرف کوچ فرمائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ تھکن سے چور چور ہیں۔حضرت جبریل نے فرمایا: آپ ان کی طرف کوچ تو فرمائیں، ہم ان کی قوت بن جائیں گے۔تب حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھی ملائکہ نے کوچ کیا اور اس کے سبب بنو غنم کے محلے میں غبار کے بادل اٹھے تھے:"كان بين قريظة وبين النبي ﷺ عهد، فلما جاء ت الاحزاب نقضوه و ظاهروهم،فلما هزم الله عزوجل الاحزاب تحصنوا، فجاء جبريل ومن معه من الملائكة :يا رسول الله! انهض الى بني قريظة قال:ان في اصحابي جهدا،قال:انهض اليهم فلاضعفنهم،قال: فادبر جبريل و من معه من الملائكة حتى سطع الغبار في زقاق بني غنم من الانصار"

امامِ سیرت ابن اسحاق نے غزوۂ بنی قریظہ میں حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہ کی شرکت کی مفصل روایات بیان کی ہیں۔رسولِ اکرم ﷺ صبح کے وقت خندق سے مدینہ واپس تشریف لائے اور اسی وقت آپ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے جنگی ہتھیار اتار ڈالے۔ظہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا:یارسول اللہ کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ؟آپ ﷺ کے اثبات میں جواب پر انھوں نے دوبارہ کہا کہ ملائکہ نے تو ابھی ہتھیار نہیں رکھے اور قوم کی سرکوبی کا ابھی تک کام بھی پورا نہیں ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ آپ کو،اے محمد! حکم دیتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف کوچ فرمائیں اور میں ان کی طرف جارہا ہوں تاکہ ان میں اضطراب و زلزلہ پیدا کروں:"......فقال جبريل:ما وضعت الملائكة السلاح بعد،وما رجعت

الآن الا من طلب القوم،ان الله يأمرك، يا محمد! بالمسير الى بنى قريظة ،فانى عامد اليهم فمزلزل بهم......"

حافظ ابن کثیر نے دوسرے امامِ سیرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت بھی اسی انداز کی بیان کی ہے جس میں بعض اضافات ہیں خاص کر راستے میں بنو غنم کے علاقے سے حضرت جبریل کے گذرنے کا واقعہ۔ بعض اور اختلافات بھی ہیں لیکن وہ بیانیہ کی جہات ہی ہیں (ابن کثیر ،البدایة، ۴/۱۱۸-۱۱۹، ۱۲۳ ومابعد)

حافظ ابن کثیرؒ نے مذکورہ بالا روایت کے علاوہ اسی روایت کی ایک توسیع امام احمد بن حنبلؒ کی مسند سے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ احزاب سے فارغ ہو کر آئے اور غسل خانے میں داخل ہوئے کہ غسل فرمالیں۔ اتنے میں حضرت جبریل آگئے اور میں نے ان کو گھر کے درمیان سے آتے ہوئے دیکھا اور ان کے سر پر غبار و گرد چھائی ہوئی تھی۔ باقی روایت ابن اسحاق و بخاری کے مانند ہے "**عن عائشة ان رسول الله ﷺ لما فرغ من الاحزاب دخل المغتسل ليغتسل وجاء جبريل فرأيته من خلل البيت قدعصّب رأسه الغبار......**

حافظ موصوف نے امام بیہقی کی روایت میں حضرت عائشہؓ کی دوسری توسیع بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس گھر ہی میں تھے کہ ایک شخص آیا اور رسولِ اکرم ﷺ گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ وہ شخص قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ دحیہ کلبیؓ ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل ہیں اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف کوچ کروں۔ انھوں نے مزید کہا کہ آپ لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے لیکن ہم نے نہیں رکھے۔ ہم نے مشرکین کا تعاقب حمراء الاسد کے مقام تک کیا جبکہ رسولِ اکرم ﷺ خندق سے پلٹ آئے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ تم تیزی سے کوچ کرو اور نمازِ عصر بنو قریظہ ہی میں پڑھنا"...... **عن عائشة ان رسول الله ﷺ كا ن عندها،فسلّم علينا رجل ونحن**

فی البیت فقام رسول اللہ ﷺ فزعا و قمت فی اثره فاذا بدحیة الکلبی، فقال: ھذا جبریل، امرنی ان اذھب الی بنی قریظة وقال: قد وضعتم السلاح لکنا لم نضع، طلبنا المشرکین حتی بلغنا حمراء الاسد، وذلک حین رجع رسول اللہ ﷺ من الخندق، فقام رسول اللہ ﷺ فزعا وقال لاصحابه: عزمت علیکم ان لا تصلوا صلاة العصر حتی تأتوا بنی قریظة......" (ابن کثیر، البدایة، ۴/ ۱۱۷-۱۱۸)۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جب اقدام فرمایا تو لوگوں سے پوچھا: کیا کوئی ادھر سے گذرا؟ لوگوں نے حضرت دحیہؓ کا نام لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے جو رعب پھیلانے آئے تھے۔

وفاتِ حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ

جنگِ احزاب و خندق میں حضرت سعد بن معاذؓ سردارِ اوس شدید زخمی ہو گئے تھے تاہم وہ غزوۂ بنی قریظہ میں ایک عظیم کردار بنے۔ یہودِ قریظہ ان کے قدیم حلیف تھے اور انھیں قدیم تعلقات کے سبب بنو قریظہ نے ان کو حَکَم بنایا اور ان کے حکم ہی پر اپنے قلعوں سے اترے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیا اور بنو قریظہ کے مقاتلین قتل کر دیئے گئے۔ ان کے انجامِ بد کے بعد حضرت سعد بن معاذ اوسیؓ کے زخم کھل گئے لہذا ان کے علاج و معالجے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ نے مسجدِ نبوی کے صحن میں خیمہ لگوایا اور بنفسِ نفیس بھی وہاں خیمہ زن ہو گئے تاکہ ان کی تیمارداری، عیادت اور دیکھ بھال کرتے رہیں، ان کی توقیر بھی مقصود تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ رات کو محوِ خواب تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہ استبرق کا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آکر آپ ﷺ سے پوچھا: اے محمد! یہ

کون سی میت ہے جس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور عرشِ الٰہی ہل گیا؟ رسولِ اکرم ﷺ یہ سن کر تیزی سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے حضرت سعدؓ کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ یہ امامِ سیرت ابن اسحاق کی روایت ہے اور حافظ ابن کثیر نے اسے نقل کرنے کے علاوہ دوسری ایسی کئی روایات نقل کی ہیں۔ حافظ بیہقی کی کتاب الدلائل کی روایت بھی اسی نوعیت کی ہے اور وہ ایک معروف صحابی سے مروی ہے جبکہ امام ابن اسحاق کی روایت مجہول ہے:

ابن اسحاق کی روایت: ''......ان جبریل اتی رسول الله ﷺ حین قبض سعد بن معاذ من جوف اللیل معتجرا بعمامة من استبرق فقال: یا محمد، من هذا المیت الذی فتحت له ابواب السماء واهتزله العرش؟ قال: فقام رسول الله ﷺ سریعا یجر ثوبه الی سعد فوجده قدمات رضی الله عنه''۔

بیہقی کی روایت: ''عن جابر بن عبدالله قال: جاء جبریل الی رسول الله ﷺ فقال: من هذا العبد الصالح الذی مات فتحت له ابواب السماء وتحرك له العرش؟ قال: فخرج رسول الله ﷺ فاذا سعد بن معاذ''۔

حافظ ابن کثیر نے ان کے علاوہ حضرت سعد بن معاذ کی وفات پر عرشِ الٰہی کے ہلنے، ستر ہزار فرشتوں کے اترنے اور ان کی تدفین کے وقت قبر کے وسیع ہونے، جنت میں ان کے مقامِ بلند پانے اور انعاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونے کی بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں اور ان میں کشفِ بیداری وغیرہ کا دخل بھی پایا جاتا ہے اور فرشتوں کی دید اور ان کی پیغام رسانی کا بھی (ابن کثیر، البدایة، ۴/۱۲۶-۱۲۸ بالخصوص تا ۱۳۰؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/۵۷-۵۸)۔ ان روایات سے وحیِ حدیث کے دوسرے ذرائع کا بھی پتہ لگتا ہے لیکن چونکہ ان سب کا ذکر حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے آیا ہے لہذا ان کو اس بابِ خاص میں بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال اصل مسئلہ وحیِ حدیث کا ہے اور وہ ان روایات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

غزوۂ فتح مکہ

فتح مکہ کی عظیم ترین نبوی مہم کے پس منظر کے طور پر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمیؓ کا واقعہ ملتا ہے جس کا سب نے ذکر کیا ہے۔ امامانِ سیرت میں ابن اسحاق، ابن ہشام، سہیلی وغیرہ نے اور ائمہ حدیث میں بخاری، ترمذی، احمد بن حنبل وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ حضرت حاطبؓ کے اہلِ خانہ بالخصوص والدۂ ماجدہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ صحابی موصوف کو رسولِ اکرم ﷺ کی فوجی تیاروں کی سن گن ملی تو انھوں نے قریش پر احسان دھرنے کی خاطر ان کو ایک خط لکھ بھیجا۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش اس احسان کے بدلے ان کے اہلِ خانہ کا خیال رکھیں۔ اس خط میں صرف یہ اطلاع تھی کہ آپ ﷺ فوجی کاروائی کرنے کے لئے کسی طرف جانے والے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کی منزل قریشِ مکہ ہوں، لہذا وہ ہوشیار رہیں۔ خط ایک بوڑھی عورت کے ذریعہ قریش کو بھیجا گیا تھا جس نے اسے بڑی ہوشیاری سے اپنی چوٹیوں اور بالوں کے جوڑے میں چھپا لیا تھا کہ تلاشی پر بھی نہ مل سکے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو "وحیِ الٰہی" کے ذریعہ اس خط کا پتہ چل گیا اور آپ ﷺ نے حضرات زبیر و علیؓ کے ذریعہ اسے برآمد کرالیا (بخاری، کتاب الجهاد و السير، باب الجاسوس، نیز دوسری کتب و ابواب، حدیث: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹؛ ابن کثیر، البدایۃ، ۴/ ۲۸۳-۲۸۵)

حضرات ائمہ سیرت و حدیث نے رسولِ اکرم ﷺ کے باخبر ہونے کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن وحیِ الٰہی کے ذریعہ کی تعیین نہیں کی ہے۔ بعض روایات و احادیث پر علماء کی بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ اکرم ﷺ کو اس خط اور اس کے لے جانے والے کے بارے میں باخبر کیا تھا۔ حافظ ابن سید الناس نے ایک روایت میں صرف آسمانی خبر کے آنے کا ذکر کیا ہے: "واتی رسول اللہ ﷺ الخبر من السماء بما صنع حاطب......" (عیون الاثر، ۲/ ۱۸۴)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو کسی فرشتہ کے ذریعہ خبر دی گئی تھی اور حضرت جبریل علیہ السلام کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

غزوۂ حنین

قرآن مجید میں یہ صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد مختلف بلکہ بہت سے مقامات پر کی تھی اور ان میں سے ایک اہم ترین غزوہ یا موقعہ حنین کا تھا جہاں ایسے لشکروں کو اس نے اتارا تھا جن کو انسان دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے ہیں: ﴿وانزل جنودا لم تروھا﴾ (سورۂ توبہ - ۲۷: اور اتاریں فوجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا)۔ یہ صاف ملائکہ کی فوجی امداد کی طرف قرآن مجید کا واضح اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کے سر خیل ہونے کے ناطے اس میں ملائکہ کی کمان کر رہے تھے۔ تمام امامانِ حدیث و سیرت نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال و استشہاد کیا ہے (بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: ویوم حنین...... الخ"؛ فتح الباری، ۸ / ۳۴-۳۵ ومابعد؛ ابن کثیر، ۴ / ۳۲۲ ومابعد؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲ / ۲۱۲ ومابعد)

حافظ ابن کثیر نے تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک امام ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ شرکاءِ جنگ نے بیان کیا کہ ہم نے آسمان سے زنجیروں کے بجنے کی ایسی آوازیں سنیں جیسے لوہے کو لوہے کے طشت پر گذارا جا رہا ہو: "وسمعنا صلصلة من السماء كمر الحديد على الطست الحديد فهزمهم الله عزوجل" (ابن کثیر، ۴ / ۳۳۲)۔ دشمن فوجیوں کا مشاہدہ بھی بخاری کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے جب رسولِ اکرم ﷺ پر حملہ کر کے تقریباً چھاپ لیا تھا تب ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان حسین چہرے والے لوگ حائل ہو گئے اور انھوں نے ہم سے کہا کہ چہرے برباد ہو گئے لوٹ جاؤ اور ہم پسپا ہو گئے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں ہے کہ قوم کی ہزیمت سے قبل ہم نے آسمان سے ایک موٹی چادر اترتے دیکھی جس نے پوری وادی کو گھیر لیا اور مجھے ذرا شک نہیں کہ وہ ملائکہ تھے: "...... حتى اذ غشيناه فاذا بينا و بينه رجال حسان الوجوه فقالوا: شاهت الوجوه فارجعوا، فهزمنا من ذلك الكلام" (ابن کثیر، البدایة، ۴ / ۳۳۲؛ ابن سید الناس، ۲ / ۲۱۸: "رأيت قبل هزيمة القوم،

والناس يقتتلون، مثل البجاد الاسود اقبل من السماء حتى سقط بينناو بين القوم فنظرت فاذا نمل اسود مبثوث قد ملأ الوادى، لم اشك انها الملائكة" بحوالہ ابن اسحاق؛ سفید لوگوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا گیا، وہ بھی ملائکہ تھے: رأيت رجالا بيضا على خيل بلق فكانت الملائكة"۔ اسی طرح شیبہ بن عثمان نامی دشمن نے رسولِ اکرم ﷺ پر پیچھے سے حملہ کرنا چاہا تو آگ کے ایک شعلے نے اس کو پسپا کردیا: "......اذ رفع شواظ من ناربيني وبينه كانه برق فخفت ان يمحشني فوضعت يدى على بصرى و مشيت القهقرى"۔ بعد میں وہ مسلمان ہوگئے اور دشمنوں سے قتال کرنے لگے۔ امام ابنِ اسحاق نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کی سند پر واضح طور سے ملائکہ کی شرکت اور جہاد میں ان کے شدید جنگ وجدال کرنے کا ذکر کیا ہے (ابن کثیر، البدایة، ۴/ ۳۳۳-۳۳۴؛ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/ ۲۱۶-۲۱۷، ۲۲۸)

ان روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے اور ان سے زیادہ قرآنِ مجید کی آیتِ کریمہ مذکورہ بالا سے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر مسلمانوں کی مدد فرشتوں کے ذریعہ کی تھی۔ ان میں تمام غزواتِ نبوی شامل تھے اگرچہ تمام کا ذکر صریح نہیں ملتا۔ تاہم جن غزوات کا واضح ملتا ہے وہ اس قیاس واستنباط کا واضح قرینہ بن جاتا ہے۔

حجۃ الوداع اور حضرت جبریل علیہ السلام

ہجرتِ مدینہ کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ایک ہی حج کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس حج میں بے شمار صحابہ کرامؓ نے شرکت کی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ نے تمام صاحبِ استطاعت مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ شریکِ سفر سعادت ہوں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے احرام باندھ کر تلبیہ ادا کیا تو ایک روایت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض گذار ہوئے کہ صحابہ کرام کو تلبیہ زور سے، بلند آواز کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیں: "......واتاه جبريل عليه السلام وامره ان

یأمر اصحابه ان یرفعوا اصواتھم بالتلبیة" (ابن سید الناس، عیون الاثر، ۲/ ۳۴۲)۔ اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ملائکہ بھی ہمرکاب نبوی تھے اور ظاہر ہے کہ ان کے سر خیل حضرت جبریل علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔

امتِ محمدی کی مغفرت

رسولِ اکرم ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمتِ الٰہی ہیں کہ آپ ﷺ سب انسانوں کو فلاح و نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ امتِ محمدی کے لئے آپ ﷺ کی محبت و الفت، فکر و خیال اور تعلقِ خاطر بے پایاں ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائی اور آپ ﷺ کی پیروی کی۔ کتبِ حدیث و سیرت میں ان دونوں رحمتوں - رحمتِ عام اور رحمتِ خاص - کے اثبات کے لئے بہت سی احادیث و روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم روایت صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سہمیؓ کے حوالے سے آتی ہے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر بھی رکھتی ہے۔ اس روایت میں قرآن و حدیث کا تعلق، رسولِ اکرم ﷺ کی امتِ محمدی کے لئے بیکراں محبت اور اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب رسول ﷺ کی خاطر داری کے ثبوت موجود ہیں۔

صحابی موصوف کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باب میں قولِ الٰہی ﴿رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانه منی......﴾ (سورۂ ابراہیم-۳۶) کی تلاوت فرمائی اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی دہرادیا جو قرآن میں یوں مذکور ہے ﴿ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم﴾ (سورۂ مائدہ-۱۱۸) پھر اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور "اللھم امتی امتی" (اے اللہ! میری امت، میری امت) کہہ کر رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ کس چیز نے آپ ﷺ کو رلایا، حالانکہ آپ ﷺ کا رب زیادہ جانتا

ہے۔لہذا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے پوچھا اور آپ ﷺ نے ان کو بتایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبریل! محمد کے پاس پھر جاؤ اور کہو کہ ہم بلا شک آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے باب میں خوش کردیں گے اور آپ ﷺ کو ہرگز غمزدہ نہ کریں گے۔

[۳۴۶](۲۰۲)"......عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان النبی ﷺ تلا قول الله عزو جل فی ابراهیم ﴿رب انهن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانه منی﴾،وقال عیسیٰ علیه السلام ﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزیز الحکیم﴾فرفع یدیه وقال:"اللهم امتی امتی"وبکیٰ. فقال الله عزوجل: یا جبریل،اذهب الی محمد، وربك اعلم، فسله ما یبکیك؟فاتاه جبریل علیه الصلاة والسلام فسأله، فاخبره رسول الله ﷺ بما قال، وهو اعلم،فقال الله:یا جبریل ، اذهب الی محمد فقل:انا سنرضیك فی امتك ولا نسوء ك"
(مسلم،کتاب الایمان،باب انا سنرضیك......الخ؛نووی،المنهاج،۱/۷،۴۳۷-۴۳۹)

امتِ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعائے نبوی سے متعلق حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکرِ خیر ملتا ہے۔رسولِ اکرم ﷺ ایک رات حضرت عائشہؓ کے باری والے دن ان کے حجرے میں تھے اور رات کو استراحت فرمانے کے لئے بستر پر دراز ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کو محسوس ہوا کہ حضرت عائشہؓ سو گئی ہیں تو دھیرے سے آپ ﷺ اٹھے، اپنی چادر بھی آہستہ سے اٹھائی اور اسی آہستگی کے ساتھ جوتے پہنے اور دھیرے سے دروازہ کھولا اور دھیرے سے بند کیا اور باہر نکل گئے۔ حضرت عائشہؓ اس وقت جاگ رہی تھیں۔وہ سب دیکھتی رہیں اور پھر وہ بھی اپنے کپڑے چادر وغیرہ اوڑھ کر آپ ﷺ کے پیچھے روانہ ہوئیں۔یہاں تک آپ ﷺ جنت البقیع پہونچے اور وہاں دیر تک قیام کرکے تین بار اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور پھر واپسی کے لئے مڑے، حضرت عائشہ بھی مڑیں اور تیزی سے گھر واپس آگئیں۔ پیچھے پیچھے رسولِ اکرم ﷺ بھی گھر میں داخل ہوئے اور

حضرت عائشہؓ سے تعاقب کا سبب پوچھا۔ حضرت عائشہؓ کے کچھ نہیں کہنے پر فرمایا: ”تم نہیں بتاؤ گی تو وہ لطیفِ خبیر مجھے بتادے گا“۔ حضرت عائشہؓ نے ساری بات کہہ دی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دوسری باتیں فرمانے کے بعد اصل سبب بتایا کہ جب تم نے مجھے دیکھا تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھے آواز دی۔ وہ تمہیں نہیں دکھائی دیئے اور آواز بھی خفیہ رکھی تو میں نے بھی اخفا برتا۔ اندر وہ اس لئے داخل نہیں ہوئے کہ تم نے کپڑے اتار دیئے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ تم سو گئی ہو لہذا جگا کر مجھے تکلیف دینی مناسب نہیں معلوم ہوئی کہ تم وحشت زدہ بھی ہو گی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اہلِ بقیع کے پاس جائیں اور ان کے لئے استغفار کریں۔ حضرت عائشہؓ نے ان کے لئے رسولِ اکرم ﷺ سے استغفار کی دعا سیکھی۔

[۱۰۳] ”......قالت عائشة: الا احدثكم عنى وعن رسول الله ﷺ؟ قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لما كانت ليلتى التى كان النبى ﷺ فيها عندى انقلب فوضع رداء ہ......ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات، ثم انحرف فانحرفت...... فسبقته فدخلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال: ما لكِ، يا عائش! حشيا رابية؟ قلت: لا شئى، قال: لتخبرينى او ليخبرنى اللطيف الخبير، قلت: يا رسول الله ﷺ بابى انت وامى، فاخبرته...... قال: فان جبريل اتانى حين رأيتِ فنادانى فاخفاه منكِ فاجبته فاخفيته منكِ ولم يكن يدخل عليك وقد وضعتِ ثيابكِ، وظننت ان قد رقدت فكرهت ان اوقظكِ وخشيت ان تستوحشى فقال: ان ربك يأمرك ان تأتى اهل البقيع فتستغفر لهم، قالت: قلت: كيف اقول لهم يا رسول الله؟......“

(مسلم، كتاب الجنائز، باب خروجه ﷺ ليلا الىٰ احد المقابر والدعاء لاهلها؛ نووی، ۳/۳۶-۳۸)

مرضِ نبوی میں علاجِ جبریلی

صرف روحانی دوا اور غذا حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے کر نہیں آتے تھے بلکہ بسا اوقات جسمانی امراض کا علاج اور دوا بھی آکر بتاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ امر رب سے ہوتا تھا اور اس میں خاطر نبوی کی رعائت بھی مقصود تھی۔ اسی میں یہ نکتہ بھی موجود ہے کہ بعض جسمانی تکالیف اور پریشانیاں محض اعضاء وجوارح سے ہی نہیں پہونچائی جاسکتیں اور ان کا علاج بھی دعا کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے اور در حقیقت کیا بھی گیا ہے۔ وہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی حدیثِ شریف سے بھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دعا ہی کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کا علاج کیا تھا جب آپ ﷺ کو نظر لگ گئی تھی کہ نظر لگنا برحق ہے۔

[۳۹] (۲۱۸۵) ”......عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت: کان اذا اشتکیٰ رسول اللہ ﷺ رقاه جبریل، قال: باسم اللہ یبریك، ومن کل داء یشفیك، ومن شر حاسد اذا حسد، وشر کل ذی عین“.

[۴۰] (۲۱۸۶)......عن ابی سعید ان جبریل اتی النبی ﷺ فقال: یا محمد: اشتکیت؟ فقال: باسم اللہ ارقیك من کل شئی یوذیك، من شر کل نفس او عین حاسد، اللہ یشفیك، باسم اللہ ارقیك (مسلم، کتاب السلام، باب الطب و المرض و الرقی؛ نووی، ۵/ ۳۴۰-۳۴۲)

امام نووی نے اپنی شرحِ مسلم میں اور حافظ ابن حجر نے شرحِ بخاری میں ان احادیث کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو جب بھی یہ شکایت ہوتی تھی حضرت جبریل علیہ السلام آکر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اس باب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جس جھاڑ پھونک سے منع کیا ہے وہ غیر اسلامی، کافرانہ اور ملحدانہ باتوں پر مشتمل ہو اور جو قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ، احادیثِ صحیحہ اور ماثورہ دعاؤں پر مبنی ہو اس کی ممانعت نہیں بلکہ وہ توعینِ سنت نبوی ہے،

اور مذکورہ بالا دونوں احادیثِ نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعائیں حضرت جبریل علیہ السلام وحیِ الٰہی کے ذریعہ آپ ﷺ کے پاس لائے تھے۔ قرآن مجید میں معوذ تین اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر دم کرنے کا عمل رسولِ اکرم ﷺ سے حدیثِ بخاری کے مطابق ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے (مسلم، مذکورہ بالا؛ نووی، ۵/ ۳۵۰-۳۵۲ ومابعد)

وفاتِ نبوی اور حضرت جبریل علیہ السلام

حدیثِ تخییر کے حوالے سے یہ بحث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کو دنیا و آخرت میں ترجیح کا اختیار دیا تھا اور آپ ﷺ نے آخرت کو اختیار کر لیا تھا۔ یہ کشف کے ذریعہ بھی ہوا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے بھی پیغام رسانی کی گئی تھی۔ امام ابن سعد نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مستعار کے تین دن باقی رہ گئے تھے جب حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور تین دن برابر آتے رہے اور تخییر کی بات کہتے رہے۔ تیسری بار جب وہ آئے تو ان کے ساتھ فرشتہ موت بھی تھا۔ انھوں نے عرض کیا: اے احمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے اکرام و تفضیل اور خاصیت کے لئے بھیجا ہے اور آپ ﷺ سے پوچھا ہے حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ملک الموت بھی ساتھ حاضر ہوئے ہیں، اگر آپ ﷺ اجازت مرحمت فرمائیں تو روح قبض کریں گے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ اے احمد! اللہ تعالیٰ کو بلاشبہ آپ ﷺ سے ملاقات کا شدید اشتیاق ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اجازت دے دی تو حضرت جبریل نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض ہے اور دنیا میں آپ ﷺ سے آج ملاقات کا آخری حصہ ہے۔ اس کے بعد ہی آپ ﷺ نے وفات پائی۔ اس کے بعد روایات میں ہے کہ تعزیت

کے الفاظ سنائی دیتے تھے اور سلام کے کلمات بھی، مگر کہنے والے "شخص" نہیں دکھائی دیتے تھے مگر یہ سلسلہ مسلسل تھا۔

"وذكر ابن سعد فى وفاته عليه السلام خبرا فيه:انه لما بقى من اجله ثلاث نزل عليه جبريل فقال:يا احمد،ان الله ارسلنى اليك اكراما لك و تفضيلا لك وخاصة لك، يسألك عما هواعلم به منك يقول لك: كيف تجدك،وفيه:ان ذلك ثلاث المرة بعد المرة،وفى الثالثة صحبه ملك،فاستاذن عليه، فاذن له ثم استاذن فى قبض نفسه اوتركها وان الله امره بطاعته فى ذلك، فقال جبريل: يااحمد!ان الله قد اشتاق اليك،قال:فاقبض يا ملك الموت كما امرت به، قال جبريل:السلام عليك يا رسول الله!هذا آخر موطئى الارض،فتوفى ﷺ، وجاءت التعزية يسمعون الصوت ولا يرون الشخص:السلام عليكم يا اهل البيت و رحمة الله وبركاته......الخ"(ابن سعد،ابن سید الناس،عیون الاثر،۲/۴۳۲ ومابعد)

اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما صليت علىٰ ابراهيم و علىٰ آل ابراهيم،انك حميد مجيد،اللهم بارك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت علىٰ ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم،انك حميد مجيد.

خاتمہ کلام

(۱)

منکرینِ حدیث کے سوا حدیثِ نبوی کے وحی ہونے پر کسی کا اختلاف نہیں اور نہ ہی وہ عقلی طور سے ممکن ہے۔ قرآن مجید نے رسولِ اکرم ﷺ کے نطق و کلام کو نہ صرف ہوا و ہوس سے پاک قرار دیا ہے بلکہ اسے وحیِ الٰہی بھی ثابت کیا ہے۔ وہ ایسی وحی تھی جو آپ ﷺ کی طرف بھیجی جاتی تھی: ﴿وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ﴾ آیتِ کریمہ کو صرف وحیِ قرآنی تک محدود کرنا بھی قصورِ فہم سے زیادہ فتورِ نیت پر محمول کرنا چاہئے کہ وہ اسی کا غماز ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیتِ حقہ کے علاوہ پورا قرآن رسولِ اکرم ﷺ کی احادیثِ صحیحہ کی حقانیت اور اس کے وحی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

کتابِ الٰہی ہدایت کے لئے کبھی کافی نہیں سمجھی گئی۔ اس کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی عملی و نظری تعلیم و تشریح کو جوڑا گیا۔ تاریخِ انسانی میں ایسا تو بارہا ہوا کہ پیغامبر، رسول اور نبی تو آئے مگر ہر بار کتاب، صحیفہ، تحریر، قرطاس نہیں بھیجا گیا۔ رسول اور نبی کی تعلیمات، ہدایات اور اعمال نے کتاب و سنت دونوں کا فریضہ انجام دیا کہ اصل تعلیمات کی عملی شکلیں ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صرف کتاب و صحیفہ نازل کر دیا گیا ہو اور اس کے ذریعہ ہدایت بخشی یا ہدایت آفرینی کا کام انجام پا گیا ہو۔ کتاب ہمیشہ تشریح و تعبیر اور اطلاق

ونفاذ کی محتاج رہتی ہے اور رسول ونبی اس کی نظری وعملی تشریح حدیث وسنت کے ذریعہ کرتا ہے۔اسی کو اسوۂ نبوی کہتے ہیں جس کی پیروی کی ہدایت کتاب میں دی جاتی ہے۔

اسلام کے آخری پیغمبر سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کتاب الٰہی بھی اپنے ساتھ لائے اور اپنی پوری مکی اور مدنی زندگی کے تیئیس برسوں کو محیط زمانے میں اس کتابِ الٰہی کی تفسیر و تشریح اور بیان و اظہار فرماتے رہے۔ اسی نے حدیث وسنت کے ذخیرے کو کتابِ الٰہی کے ساتھ ساتھ جمع اور مدون کیا بلکہ اس سے زیادہ اسلامی زندگی میں اس کو نافذ کیا۔ حدیث وسنت اس لحاظ سے کتابِ الٰہی سے کوئی علیحدہ، مختلف اور دیگر ذخیرۂ تعلیمات واعمال نہیں ہے بلکہ اسی کا ایک جزءِ لاینفک ہے۔ اسلام کے تمام شعبے -ایمانیات، ارکان، اعمال، عبادات واخلاق -دونوں کتاب وحدیث کی ہم آہنگ تعلیم کے بغیر ادھورے ہیں اور ان پر عمل کرنا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہے۔ پھر تاقیامت اسلام اور شریعتِ محمدی کا قیام و نفاذ خواب وخیال بن جائے گا۔ کتاب وسنت دونوں مل کر ہی اسلام کے ماضی کو حال سے اور حال کو مستقبل سے جوڑتے ہیں اور اپنے ساتھ امتِ محمدی کو آفاقی وابدی بناتے ہیں اور اس آفاقیت کی بنیاد علم وعمل دونوں پر قائم ہے۔

تاریخ انسانی اور تہذیبِ نبوی میں ایسا بہت کم ہوا اور ہوا تو استثنا ہے کہ کوئی بچپن سے نبی ورسول بنا ہو۔ قانونِ الٰہی ہے کہ ایک خاص عمر بلکہ خاصی پکی اور پختہ عمر کو پہونچنے کے بعد ہی کسی ذاتِ انسانی کو رسالت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اس قانون کی دہری حکمت ہے: ایک ذاتی اور دوسری سماجی، اور ان دونوں کو الگ الگ نہیں، ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ٹھہرایا گیا ہے۔ شخصی اور ذاتی حکمت یہ ہے کہ منتخب ہونے والی ذات اپنی صفات اور قویٰ کے ساتھ رسالت ونبوت کے گراں بار کی متحمل بن جائے۔ سماجی اور معاشرتی رازِ حکمت یہ ہے کہ وہ اپنے رسول ونبی کے تحمل کی قابل بن جائے اور اس کی زندگی کو دیکھ پرکھ اور خوب جان لے اور اس کی تعلیمات اور اعمال دونوں کا تجزیہ کر سکے۔

شخصی قابلیت اور سماجی تحمل کے نقطہ نظر سے ہی رسول بننے والے فردِ کامل کو ہر

طرح کامل و چیدہ بنایا جاتا ہے۔ اس کی قبلِ بعثت زندگی کو تمام اخلاق و حسنات اور خوبیوں سے آراستہ اور تمام فروتر چیزوں سے پاک و منزہ بنایا جاتا ہے تاکہ رسالت کے منصبِ عالی پر فائز ہونے کے بعد رسولِ مکرم ﷺ کو اپنی رسالت و نبوت کا پکا یقین اور پختہ ایمان ہو جائے اور اس کے سماج اور مخاطبین کو اس کے اعلیٰ کردار، بے داغ شخصیت اور مثالی ذات پر ایک حرف بھی دھرنے کا موقعہ نہ ملے۔ رسالت و نبوت سے پہلے کی زندگی خود رسولِ مکرم ﷺ کے لئے ایک افتخار اور سماج اور معاشرہ کے لئے ایک دلیلِ رسالت بن جائے۔

یہی عصمتِ انبیاء کا دیباچہ ہے، اگر اسے اصطلاحی طور سے "عصمت" نہ بھی کہا جائے کہ وہ خاص مفہوم کی حامل ہے لیکن یہ بھی ایک طے شدہ امر اور مسلمہ حقیقت اور محکم قانون ہے کہ رسولِ مکرم کی قبلِ بعثت زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اسے گناہ و شرک سے قطعی محفوظ رکھا جاتا ہے بلکہ تمام رذائل سے بچایا جاتا ہے اور فروتر چیزوں سے بھی اوپر اٹھایا جاتا ہے۔ وہ اپنی ماقبلِ نبوت زندگی میں بھی ایک صالح فرد، سماج کا ممتاز و مثالی رکن اور اپنے قبیلے کی آنکھ کا تارا اور سب کا سہارا ہوتا ہے۔ بلاشبہ اسے مردِ کامل اور انسانِ کامل کہا جاسکتا ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کے سبب محفوظ و مامون اور ہر طرح مصئون ہوتا ہے۔ اس دورِ اولین میں رسولِ مکرم ﷺ کے اعمال و کردار ہی اعلیٰ نہیں ہوتے بلکہ اس کے اقوال و احادیث اور کلام و پیغام بھی سچے اور کھرے ہوتے ہیں اس لئے کہ ان ماقبلِ نبوت اقوال و اعمال اور اخلاق کو بھی بعد کے دورِ نبوت میں قانون کا ماخذ، شریعت کا اصول اور زندگی کا نظام بننا ہوتا ہے۔

سوائے ابوالانبیاء اور ابوالبشر اور کوئی رسول تاریخ انسانی میں دینی و مذہبی خلا اور قانونی و تشریعی عدم میں نہیں آیا۔ ہر نبی اور رسول اپنے پیشرو نبیوں اور رسولوں کے دینِ اسلام اور شریعتِ الٰہی کی پیروی کے ساتھ ساتھ اضافات بھی کرتا گیا کیونکہ اسلام کے ازلی و ابدی اور واحد دین ہونے کا مطلب یہی ہے کہ رسالت و نبوت کے ساتھ ساتھ تعلیمات کا تسلسل بھی رہے۔ ہر جدید نبوت اور نئی شریعت اپنی گذشتہ اصل پر مبنی بھی

ہوتی ہے اور اپنے خاص حالات و ضروریات کے تحت ان پر اضافہ بھی کرتی ہے۔ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی علیہ السلام کے ساتھ ختمِ نبوت اور تکمیلِ شریعت کا معاملہ ہوا تو وہ تمام اسلامی شریعتوں کے جامع و مکمل و خاتم بن گئے۔

اسی تسلسلِ نبوت اور سلسلہ شریعت کا ایک شاخسانہ ہر رسول و نبی کی ماقبلِ نبوت زندگی اور اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ اپنے اس دورِ اولین میں وہ اسی گذشتہ شریعت و دین کے اصل منابع کی طرف لوٹتا ہے اور اسی سے حفاظت و صیانت حاصل کرتا ہے۔ عصمت کے مفہوم میں ذلل و اثم (کجروی و گناہ) کے ارتکاب سے حفاظت شامل ہے۔ وہ اس دور میں صحیح دین و شریعت سے ملتی ہے اور اس سے وابستگی زمانے کی کجروی اور اہلِ زمانہ کی بے راہ روی بلکہ گمرہی سے اسے بچاتی، محفوظ و مامون رکھتی ہے اور بعدِ نبوت و بعثت اس دھندلی شاہراہ کو وہ اس پر کھول دیتی ہے کہ اس کے قدم و ذہن و قلب میں کوئی چیز مخفی نہیں رہ جاتی۔ اسی بنا پر گذشتہ انبیاء کے دین و شریعت کی اتباع کی ہدایت دی جاتی ہے۔

محدثینِ کرام اور دوسرے محققینِ علمائے عظام نے ہر رسول و نبی کے دونوں ادوارِ حیات میں تسلسل و ربط کا سراغ لگایا ہے۔ بالخصوص خاتم النبیین اور سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ علیہ السلام کے قبلِ بعثت اور بعدِ بعثت دونوں ادوارِ زندگی میں ایک سلسلہ قائم کیا۔ آپ علیہ السلام کے قبلِ بعثت اقوال و اعمال کو حدیث و سنت کا درجہ دیا اور ان سے بعدِ بعثت زندگی میں استناد بھی کیا اور استدلال بھی۔ ان میں امام بخاریؒ سرخیلِ محدثین اور امامِ علماء نظر آتے ہیں کہ وہ قبلِ بعثت رسولِ اکرم علیہ السلام کے اعمال و اقوال سے حجت پکڑتے ہیں۔ جامد فقہی نقطہ نظر اور بے لچک قانونی و تشریعی رویہ کی اس اصولِ حدیث اور اصولِ تشریع سے بیخ کنی پوری طرح کر دی گئی۔ حضرت محمد رسولِ اکرم علیہ السلام کے بعثت سے قبل کے حالات و واقعات اور اقوال و اعمال صرف سیرت و سوانح ہی کا حصہ نہیں ہیں بلکہ وہ قانونِ اسلامی، تشریعِ محمدی اور دینِ اسلامی کا جزء بن گئے ہیں۔ ان کی حدیثی اور قانونی حیثیت نبوی احادیث کی مانند ہے۔

(۲)

خالص قانونی سقم اور تشریعی نقص کے ازالے کی خاطر قانون وحکمتِ الٰہی نے ایک اور راز، ایک اور رمز کو آشکار کیا اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کی اپنی نبوی زندگی میں قبلِ بعثت و نبوت زندگی کے واقعات وحالات اور اقوال واعمال کی تصدیق وبیان۔ یہ سب کے نزدیک تسلیم و طے شدہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی نبوی زندگی میں جو کچھ فرماتے اور کرتے تھے وہ حدیث و سنت ہے۔ لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ماقبلِ نبوت کے جن اعمال وافعال اور اقوال واخلاق کو بیان فرمایا وہ بھی حدیث و سنت بن گئے اور تقریرِ نبوی کے اصول کے تحت دوسروں نے جو کچھ بیان و عمل کیا اور آپ ﷺ کی شہادت اور اطلاع میں کیا وہ بھی حصہ حدیث بن گیا۔ قبلِ بعثت اعمال واقوال کی بعدِ نبوت تصدیق دوہری سند ہے۔

امام بخاری اور دوسرے محدثینِ کرام نے اسی اصولِ بیانِ نبوی اور حکمِ تصدیقِ نبوی کے تحت متعدد واقعاتِ سیرت بیان کئے ہیں۔ ان میں نام ونسب، ولادت ورضاعت، عقیقہ وختنہ، نکاح اور دیگر معاملات کے علاوہ بہت سے اقوال واعمال شامل ہیں۔ جن امور کو ملتِ ابراہیمی اور شریعتِ حنیفی کی تائید حاصل تھی ان کی اسلامیت میں شک و شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ شرعی حیثیت میں۔ نبوتِ محمدی اور شریعتِ اسلامی نے ان کی ویسی ہی تصدیق و تائید کر دی جس طرح قرآن مجید نے صحفِ سماویہ کی تصدیق کی تھی۔ حدیث و سنت کی بنیاد و اساس دراصل ملتِ حنیفی کی اتباع تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی بھی اس کی ایک بنیاد تھی کہ فطرتِ الٰہی کے وہ عین مطابق تھی۔

وحیِ حدیث کے نقطہ نظر سے رسولِ اکرم ﷺ کی ماقبل نبوت زندگی کے کئی واقعات واحوال جزءِ حدیث بنے ہیں۔ ولادتِ مبارکہ سے متعلق مبشرات اور رویا وغیرہ کو اگر شامل نہ بھی کیا جائے، کہ ان میں سے بیشتر کی روایات کی اسناد کمزور ہیں، تو بھی متعدد صحیح واقعات ملتے ہیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر رضاعت کے زمانے کے بعض

واقعات بالخصوص شقِ صدر کا واقعہ، حضرت جبریل علیہ السلام اور بعض دیگر فرشتے کی کار فرمائی کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ بارہ تیرہ برس کے لڑکپن میں تعمیر کعبہ کے وقت ازار اتارنے اور عریانی سے بچنے کی غیبی ہدایت اور فرشتہ یا رجالِ غیب کی سرزنش وہدایت بھی کتبِ سیرت وحدیث میں نبوی حدیث بن گئی ہے۔ بعثت ونبوت سے قبل کے ان دو جیسے اور بھی واقعات ومعاملات تھے۔ ان میں واضح طور سے حضرت جبریل علیہ السلام، ملائکہ، غیبی ندا وہاتف، رویا ومنام اور کشف ومشاہدہ جیسے غیبی امور کا انکشاف ہوتا ہے اور انھیں کا ترقی یافتہ اور کامل اظہار بعد میں ہوتا ہے۔

بعثت سے قبل رسولِ اکرم ﷺ کے پاس جو ہدایت وپیغام آیا اسے اصطلاحی وحی بلاریب نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بلاشبہ اصطلاحی اور کامل وحی وہی ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کے پاس نبی خاتم الزمان بننے کے بعد مختلف طریقوں سے آئی تھی۔ لیکن وہ بھی "وحی" ہی تھی اگرچہ اسے عام وحی قرار دیا جائے جو اللہ تعالیٰ اپنے دوسرے بندوں اور غیر عاقل مخلوقات کے پاس بھیجتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے وحی بھیجنے کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے اور ایسے "وحی یافتہ" مخلوقات میں شہد کی مکھیاں جیسی چیزیں شامل ہیں۔ اس "وحی" کے دوسرے معنی قرار دینے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کو اختیار فرمایا ہے دوسرے معنی مراد ہوتے تو لفظ بھی دوسرا ہوتا: سورہ النحل-۶۸ ﴿واوحیٰ ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا﴾ باشعور مخلوقاتِ الٰہی تو بہر حال ان سے زیادہ اخذِ وحی کی مستحق ہے۔

دوسرے غیر انبیاء میں وحیِ الٰہی آنے کا حوالہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے باب میں ملتا ہے جن کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا: سورہ مائدہ-۱۱۱ ﴿واذ اوحیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی﴾ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں وحیِ الٰہی آئی تھی: طہ-۳۸: ﴿اذ اوحینا الی امك ما یوحیٰ﴾ قصص-۷: ﴿واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه...... ﴾۔ ایسے تمام اشخاص و افراد کی "وحی" کو اصطلاحی وحی یا نبوی وحی قرار نہیں دیا گیا ہے، اسے عام وحی کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔

انبیاءِ کرام بالخصوص خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جو وحیِ عام قبلِ بعثت بھیجی جاتی تھی وہ اس سے مختلف ہوتی تھی۔ دوسرے اعتبارات و امتیازات میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی وحیِ اولیں اور وحیِ عام زیادہ قطعی اور زیادہ حتمی اور زیادہ پکی ہوتی تھی اور سب سے زیادہ یہ بات اہم تھی کہ اولین عام وحی بعد کی خاص نبوی وحی کا دیباچہ، بنیاد اور تمہید و اساس ہوتی تھی اور جو بعدِ نبوت نبوی وحی کا ایک جزء اور ایک حصہ بن جاتی تھی۔ بس فرق یہ تھا کہ نبوی وحی کی قطعیت، حتمیت اور پختگی کے لئے کسی دوسری وحی کی تائید کی ضرورت نہ ہوتی تھی جبکہ قبلِ بعثت عام وحی کو نبوی وحی کی تائید و تصدیق کی حاجت ہوتی تھی اور دونوں میں نقطہ اشتراک معنی و مفہوم کی ہم آہنگی کے علاوہ ان کے طریقہ وحی کی مماثلت بھی ہوتا تھا اور اسی سے وہ دوسرے طُرقِ وحی سے مربوط ہو جاتی تھی۔

(۳)

وحیِ الٰہی کا نزول و وصول، خواہ قرآن مجید کا ہو یا حدیث شریف کا، رسولِ اکرم ﷺ کا شخصی تجربہ تھا۔ ذاتِ رسالتمآب ﷺ کے جسمانی پیکر پر کلامِ الٰہی کے شدید اثرات مرتب ہوتے تھے کہ بقولِ الٰہی اس سے پہاڑوں کے جگر شق ہو جائیں۔ یہ صرف رحمتِ الٰہی تھی اور وہ بھی خاص ذاتِ نبوت کے لئے کہ آپ ﷺ کو تحمل کی طاقت اور برداشت کی قوت جنابِ الٰہی سے عطا کی گئی تھی اور اس میں بھی تدریجی اصول کی رعائت رکھی گئی اور قرآن مجید اور حدیثِ شریف کی وحی کو ایک ساتھ اور ایک مشت نازل نہیں فرمایا گیا۔ دوسرے اسباب و عوامل کے علاوہ قرآن مجید نے وحی کے نزول کے تدریجی سلسلے کے اسی اہم ترین عامل و سبب کو زیادہ نمایاں واجاگر کیا ہے۔

قرآنی وحی کے نزول کی شدت کے اثرات کا ذکر کتبِ حدیث و سیرت کی متعدد روایات و احادیث میں برابر ملتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر پر لرزہ طاری ہو جاتا،

چہرۂ انور گرانباری کلام سے سرخ ہو جاتا، سانسوں کی آمد و رفت میں لرزش پیدا ہو جاتی، آنکھوں اور پتلیوں کا جھپکنا بند ہو جاتا، جسم اطہر سے پسینہ پھوٹ بہتا اور مبارک پیشانی عرق آلود ہی نہیں ہوتی قطرے تراوش کرنے لگتے۔ شدید گرانباری کی صورت ہوتی تو چہرۂ انور اور جسم اطہر پر کپڑا ڈالنے لگتے اور بسا اوقات شدتِ وحی بستر پر دراز کر دیتی اور سر اقدس تکیہ پر ٹک جاتا۔ پورے وجودِ نبوی پر وحی کی شدت گرانباری کے بادل بن کر چھا جاتی اور ایک بے خودی کی کیفیت ڈھانپ لیتی۔

شخصی تجربے اور ذاتی کیفیت اور اندرونی حالت کا دوسرا سماجی یا خارجی پہلو یہ تھا کہ حاضرین کے مشاہدے میں آتی۔ وحی کے نزول کی جس شدت و گرانباری کا ذکر شخصی تجربے اور اندرونی کیفیت کے بطور ملتا ہے وہ دراصل اندرونِ نبوی کا بیرونی اظہار ہے۔ آپ ﷺ کے قلب و جگر اور روح و اندرون پر کیا گذرتی تھی اس کا بیان و اظہار الفاظ و عبارت کے بس کی بات نہیں، وہ تو روحانی معاملہ تھا۔ لیکن دیکھنے والی آنکھوں اور شعور و ادراک رکھنے والے انسانوں نے رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کی شدت کا بار بار تجربہ و مشاہدہ کیا تھا۔ ان میں اہلِ ایمان بھی شامل تھے اور اہلِ انکار بھی۔ اس طرح نزولِ وحی کے مسلسل واقعات کی ناقابلِ انکار شہادت فراہم ہوتی گئی اور گرانباری کلامِ ربانی اور شدتِ وحیِ الٰہی کے مناظر بھی پیہم دوسرے حاضرین و ناظرین کے ملاحظہ و مطالعہ میں ثبت ہوتے گئے تا آنکہ ہر شخص آثارِ وحی اور اثراتِ شدت دیکھ کر سمجھ جاتا تھا کہ وحی کا نزول شروع ہو گیا اور خاتمہ کے خوشگوار علائم سے بھی وہ تکمیل کو جان لیتے تھے۔

وحیِ حدیث کی تنزیل کی کیفیات اور اس کی شدت و گرانباری کی علامات بھی بالکل قرآنی وحی کی شدت کے مانند ہوتی تھیں۔ یہ حقیقت ذرا کم معروف ہے یا سرے سے نامعلوم ہے۔ مگر کتبِ سیرت و حدیث کی بہت سی روایات و احادیث میں ان کا ذکر آتا ہے۔ حقائق و شواہد کی گواہی اور شہادت کے علاوہ یہ عقلی طور سے اور منطقی لحاظ سے بھی ایک مسلمہ حقیقت اور پختہ واقعیت ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ اصول و کلیہ طے پایا گیا کہ حدیث

بھی قرآن کی مانند وحیِ الٰہی پر مبنی ہے تو یہ بھی از خود مقرر ہو گیا کہ حدیث کی وحی کی شدت بھی اتنی ہی ہو گی۔ ان دونوں میں مختلف فرق و امتیازات ہو سکتے ہیں اور کئے گئے بھی ہیں لیکن ایک سر چشمہ سے ان کے نزول کا انداز ویسا ہی شدید و جگر خراش ہونا چاہیے۔

نزولِ وحیِ حدیث کی شدت و گرانباری کی متعدد مثالیں صحابہ کرامؓ کی عینی شہادتوں اور وحیِ قرآنی کے مماثل وحیِ حدیث کے مباحث میں گذر چکی ہیں۔ ان کے اعادہ کا قصد یہاں نہیں ہے لیکن اس بحث میں تکمیل کے چار چاند لگانے کی خاطر صرف ان میں سے بعض کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مانند انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا اور اس کے لئے آپ ﷺ نے ان پر لعنت بھی کی۔ یہ حدیثِ نبوی رسولِ اکرم ﷺ کے دو عظیم صحابہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیان کردہ ہے اور دونوں نے شدتِ نزول بھی بیان کیا ہے۔ ایک تمیمی صحابی حضرت یعلیٰ بن امیہؓ نے نزولِ وحی کی کیفیت و شدت نہیں دیکھی تھی کہ وہ مکہ مکرمہ کے باسی نہ تھے بلکہ آفاقی و بیرونی تھے۔ ان کو اس تنزیلی کیفیت کو دیکھنے کا اشتیاق تھا اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ان کو احرامِ عمرہ سے متعلق وحیِ حدیث کی تنزیل کا منظر دکھایا تھا۔ ایک مدنی صحابی حضرت عبادہ بن صامت خزرجیؓ نے کنواری اور شادی شدہ عورت کی زنا کی سزا سے متعلق حدیث کے نزول کے بیان میں گرانباری کلامِ الٰہی کا ذکر بھی وضاحت کے ساتھ کیا ہے اور ان بیانات میں یکساں الفاظ و تعبیرات ملتے ہیں جو وحیِ قرآنی کے ضمن میں ملتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں حجاب کے احکام کے بعد خواتین کے گھر سے بضرورت نکلنے کی اجازت کا حکم ملتا ہے جو رسولِ اکرم ﷺ پر اسی شدت و انداز کے ساتھ بصورتِ حدیث نازل ہوا تھا۔ ایک حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے جس میں خیر کے نتیجہ میں خیر آنے (لا یاتی الخیر الا بالخیر) کے نزول کا ذکر گرانباری کلام اور ذاتِ نبوی پر اس کے شدید اثرات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایسا ان تمام آیات و احادیث کے نزول کے ضمن میں آتا ہے جن میں "ذریعہ وحی" مشخص نہیں کیا گیا اور وہ پسِ حجاب و کلام ہی رہا۔

وحیِ حدیث کی شدت کے اثرات صرف رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور پیکرِ اطہر ہی پر مرتب نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے جسم و بدن سے اتصال رکھنے والے شخص اور وجود پر بھی ہوتے تھے اور ان کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ بعض قریبی صحابہ کرامؓ کو بالخصوص جو وحی کی کتابت پر مامور تھے جیسے حضرت زید بن ثابت خزرجیؓ کو یہ تجربہ ہوا تھا کہ ان کا زانو بھنچ کر ٹوٹ جائے گا، محض اس بنا پر کہ نزولِ وحی کے وقت آپ ﷺ کا زانوئے اقدس سے اس کا اتصال ہو گیا تھا۔ ایسا تجربہ بعض دوسرے اصحاب کو بھی ہوا تھا۔ انسانوں کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ کی ناقہ کو بھی نزولِ وحی کی شدت نے ایسا تڑپا دیا تھا کہ آپ ﷺ اس پر سے اتر گئے تاکہ اس کو گرانباری سے محفوظ رکھیں۔

صحابہ کرامؓ کا ایک اور ردِ عمل یہ بھی ہوتا تھا کہ نزولِ وحی کی شدت دیکھ کر ان کی نگاہیں جھک جاتی تھیں اور وہ سر جھکا لیتے تھے۔ دراصل ان میں تاب نہ ہوتی تھی کہ بھرپور نگاہوں سے گرانباری کی کیفیت کو پوری تفصیل اور تمامتر وسعت کے ساتھ باقاعدہ ملاحظہ کر سکیں۔ وہ کلام سے بھی اور تخاطب سے بھی پورا اجتناب کرتے تھے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ شدتِ وحی ان سے قوتِ گویائی ہی سلب کر لیتی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی بالخصوص نزولِ حدیث کی شدید کیفیات و اثرات کا جو بیان ملتا ہے وہ محض نزول کے اولین لمحہ سے متعلق ہے۔ بسا اوقات طویل طویل قرآنی سورتیں اور مفصل حدیثیں رسولِ اکرم ﷺ پر اترتی تھیں اور نزول کا دورانیہ لمبا ہوتا تھا اور اس کے تناسب سے شدت کا دورانیہ بھی کافی لمبا ہوتا تھا۔ صحابہ کرام کا مشاہدہ صرف اولین لمحات کی گرانباری کو بتاتا ہے۔

اس شدتِ وحی کا خاصا تلخ تجربہ بعض منکرینِ اسلام اور دشمنانِ دین کو بھی ہوا تھا۔ ان میں فرعونِ امت بھی شامل تھا۔ متعدد روایات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو جہل مخزومی کو ایسے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اسے حکمِ نبوی مجبوراً ماننا پڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ فرشتوں کے مبشرانہ روپ اور صحیح دیدار سے اپنے کفر و انکار کے سبب محروم تھا اور عام انسان یوں بھی ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ لہذا اس نے اونٹ کے شدید جارحانہ

روپ، لپکتے شعلوں، امنڈتی فوجوں، لہراتے سایوں اور ڈھانپ لینے والے بادلوں کو ہی دیکھا اور پرکھا تھا۔ یہ تمام شدتِ وحی کے علائم تھے اور ان علائم کے شدید اثرات کا اس نے اور دوسرے منکروں نے تجربہ کیا تھا اور وہ اسی بنا پر حقیقت جانتے تھے مگر ہٹ دھرمی سے مانتے نہ تھے جیسا کہ متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سے ثابت ہوتا ہے۔

وحیِ حدیث کے متعدد طُرق اور مختلف ذرائع میں بلاواسطہ نزول کو بالعموم صلصلة الجوس (صدائے جرس) کا نام دیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان تھا کہ تمام طُرقِ تنزیل میں وہ آپ ﷺ پر سب سے سخت اور سب سے گرانبار ہوتی تھی اور شدید اثرات مرتب کرتی تھی۔ گذشتہ بحث میں اسی کا ذکر زیادہ کیا گیا ہے کہ وحی قرآنی سے وحی حدیث کی مماثلت دکھائی جاسکے اور غیر متشخص ذریعہ وحی کا سراغ لگایا جاسکے۔

اس کے علاوہ بعض دوسرے ذرائع اور طریقے بھی تھے جن کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس وحیِ قرآنی اور وحیِ حدیث دونوں آتی تھیں۔ ان میں سے اولین طریقہ وحی یا سب سے پہلا ذریعہ تنزیل رویا صادقہ یا سچا خواب تھا اور کہا جاسکتا ہے کہ اس ذریعہ و طریقہ کے واسطہ سے صرف حدیث کی تنزیل ہوئی۔ قرآن مجید کی اولین وحی -سورۂ اقراء کی ابتدائی پانچ آیات- کی تنزیل کا آغاز رویا صادقہ کے ذریعہ ہی ہوا تھا مگر وہ صرف آغاز ہی تھا بعد میں قرآن مجید کی ساری وحی بشمول اولین آیاتِ سورۂ اقراء کے بحالتِ بیداری، بقائی ہوش و حواس ہی ہوتی رہتی تھی اور یہ منفرد خاصیت ہے۔ اسی کے ساتھ حدیث کی وحی کی منفرد اور ممتاز خاصیت یہ ہے کہ وہ خالص رویا صادقہ اور سچے خوابوں کے ذریعہ شروع ہوئی اور تمام عمر جاری بھی رہی۔ وحیِ قرآنی اور وحیِ حدیث کا ایک فرق یہ بھی ہے، جس کی طرف نظر نہیں گئی ہے اور گئی بھی ہے تو کم گئی ہے۔

اسی سے وحیِ حدیث کی فضیلت کا ایک پہلو اور بھی ابھرتا ہے اور وہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ پر وحیِ الٰہی کی ابتداء رویا صادقہ سے ہوئی اور رویا صادقہ میں صرف حدیث کی وحی آتی تھی۔ لہذا اقسامِ ازل نے شروع سے حدیثِ نبوی کی وحی کا سلسلہ قائم کیا بلکہ وحیِ ربانی کا

آغاز دراصل حدیث کی وحی سے ہوا۔ جن علماء و محققین نے قرآنی وحی سے آغازِ وحی کا نظریہ پیش کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت عائشہ کی صحیح حدیث میں وضاحت ہے کہ وحی کا آغاز رویا صادقہ سے ہوا۔ رویا صادقہ یا رویا صالحہ حدیث کی وحی پر مبنی ہوتے تھے، نہ کہ وحیِ قرآنی پر۔ قرآن مجید کی وحی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے چھ ماہ بعد رمضانِ مبارک کی شبِ قدر سے شروع ہوئی تھی، جبکہ ربیع الاول میں آپ ﷺ نبی ورسول مقرر ہوئے اوراس میں وحی کا سلسلہ حدیث سے شروع ہوا۔ امام بخاری کی صحیح میں اس کی صراحت ملتی ہے۔

بعثت کے معاً بعد چھ ماہ تک۔ ربیع الاول تا رمضان المبارک ۴۱ عام الفیل / محمدی۔ رویا صالحہ کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ خواب میں جو کچھ دکھایا جاتا وہ بیداری کے عالم میں سپیدۂ سحر کی مانند حقیقتِ واقعہ بن جاتا۔ یعنی وہ حدیث واقعہ بن جاتی تھی۔ اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جیسا خواب ہوتا ویسی ہی اس کی تعبیر ہوتی۔ خواب ظاہر ہے کہ واضح دکھایا جاتا تاکہ واقعہ بن سکے۔ اسی تمہیدی وحی کے سبب رویا صالحہ کو نبوت کا چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا کہ وہ تیئیس سالہ دورِ نبوت کا چھیالیسواں حصہ / ششماہی تھا۔ اس جزءِ نبوت سے رسولِ اکرم ﷺ کی سرفرازی اصلی تھی اور ایمان واتباعِ محمدی کے سبب مومنین کو بھی اس کا بہرہ ضمنی طور سے نصیب ہوا۔

اگرچہ رمضان المبارک۔ ۴۱ محمدی / اکتوبر۔ ۶۱۰ء سے قرآن مجید پر مشتمل وحیِ الٰہی کا سلسلہ شروع ہوگیا تاہم رویا صالحہ جاری رہے اور ان رویا صالحہ / رویا صادقہ اور سچے خوابوں میں حدیث کی وحی بھی برابر جاری رہی اور رسولِ اکرم ﷺ کی دنیاوی حیات کے آخری لمحے تک جاری رہی۔ بعد کے نبوی دور میں رویا صادقہ کی نوعیت میں ایک اہم اور انقلابی تبدیلی نظر آتی ہے، اگرچہ سب سچے خوابوں کا معاملہ ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے نبوی خوابوں میں واقعات اور حقائق کے علاوہ ان سے وابستہ علامات وعلائم کا سہارا لیا جانے لگا جن کی تعبیر کی ضرورت ہوتی، جبکہ سیدھے سادھے خوابوں اور واضح رویا میں اشارات وعلائم نہیں ہوتے تھے اور جیسے خواب ہوتے ہو بہو ویسے ہی واقعات پیش آجاتے۔

واقعات و حقائق اور واضح ارشادات و تعلیمات پر مبنی وہ رویائے نبوی ہیں جن میں ہر چیز واضح اور مطابقِ اصل ہوتی تھی۔ جیسے اولین تنزیلِ قرآنی سے متعلق خواب دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک قطعہ حریر میں لپیٹے قرآن کریم لائے اور آپ ﷺ سے پڑھنے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ جیسے ہی بیدار ہوئے یہی خواب واقعہ بن گیا اور سچ مچ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ریشمی جزدان میں مصحفِ مجید لے کر آئے اور قراءت کو کہا۔ متعدد رویا نبوی میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرات جبریل و میکائیل اور دیگر ملائکہ کو دیکھا اور متعدد ارضی و سماوی شخصیات کی زیارت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نکاح سے قبل باقاعدہ ایک دو خوابوں میں اصلی صورت میں آپ ﷺ کو دکھا کر بتایا گیا کہ وہ آپ ﷺ کی دنیا و آخرت میں بیوی ہیں۔ خواب میں حضرت عمر فاروقؓ کے لئے جنت والے مکان کا دکھایا جانا ان کے جنتی ہونے کا واقعہ ہے۔ یاجوج ماجوج کے بند میں شگاف پڑنے کا واقعہ حقیقی ہے۔ شبِ قدر کا ستائیسویں شبِ رمضان میں ہونے کا خواب واضح ہونے کے علاوہ حقیقی ہے اور آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کا امر نبوی ازدیادِ عبادت کے لئے ہے۔ اذان کے کلمات پر مشتمل خوابِ صحابہؓ واقعی ہے اور اس میں علائم نہیں۔ ۶ھ / ۶۲۸ء میں عمرہ کرنے کا خوابِ نبوی واضح اور بلا علائم اور حقیقی ہے۔ اموی خلافت بلکہ خلافتِ حضرت معاویہ بن ابی سفیان امویؓ کے زمانے میں غزوۂ روم سے متعلق دونوں خوابِ نبوی واضح واقعات کی تصویریں ہیں جن میں اشارات، علائم اور علامات کا سہارا بالکل نہیں لیا گیا۔

اشارات و علائم پر مبنی رویائے صادقہ کی بہت سی مثالیں ہیں اور ان کی بیداری میں تعبیر بتائی گئی جو صحیح اور واقعی بن گئی۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے اولین دور میں آپ ﷺ کو ایک ہی خواب میں تین واقعات بلکہ مسلسل واقعات کے اشارات و علائم دکھائے گئے تھے۔ ایک ارضِ نخیل کی طرف ہجرت، تلوار چلانے پر اس کے دستے کا ٹوٹ جانا، دوسری بار چلانے پر اس کا بہتر ہو جانا اور ایک گائے کا ذبح کیا جانا وغیرہ۔ یہ خواب ہجرتِ مدینہ، غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست اور بعد کے غزوات میں فتوحات، صحابہ کرامؓ کی شہادت اور

حضرت حمزہؓ کی المناک شہادت کی تعبیر رکھتا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تلوار کے ٹوٹنے، سنورنے اور گائے ذبح کئے جانے سے ہزیمت وشہادت کی تعبیر نکالی تھی جو صحیح نکلی۔ خوابِ نبوی میں وبائے مدینہ کے جحفہ کی طرف منتقلی کو ایک پراگندہ حال اور منتشر بال اور سیاہ فام عورت کی دربدری کی صورت میں دکھایا گیا تھا۔ دودھ کے پیالے کا خواب میں انتخاب امتِ محمدی کے ہدایت یافتہ ہونے کا استعارہ تھا اور دودھ سے سیرابی کے بعد دوسرے خواب میں اسے حضرت عمر بن خطابؓ کے عطیہ نبوی سے مراد علمِ نبوی کی منتقلی تھی، جس طرح قمیصِ فاروقی کی لمبائی دین کی سمجھ کا استعارہ ان کے حق میں بن گئی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارک میں دو جھوٹے مدعیانِ نبوت کو دو سونے کے کنگنوں کی صورت میں دستِ مبارک سے لپٹا ہوا دکھایا گیا تھا جو پھونک سے اڑ گئے۔ تعبیر نبوی کے مطابق ان سے مراد اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب تھے اور ان دونوں کا حشر اسلامی لشکر کے ہاتھوں وہی ہوا جو رویا میں دکھایا گیا تھا۔ خلافتِ شیخینؓ کے زمانے میں کارِ نبوت اور حکمتِ رسالت کی توسیع دکھانے کے لئے اشارات وعلائم کا پھر خواب میں سہارا لیا گیا۔ اسے رسولِ اکرم ﷺ کے ایک کنوئیں سے پانی کھینچنے اور دستِ مبارک سے حضرت صدیقؓ کے لینے اور کمزوری کے ساتھ ڈول کھینچنے اور پھر ان کے ہاتھ سے حضرت عمر فاروقؓ کے ڈول کے لینے اور اس کے ایک بڑے مشکیزے میں تبدیل ہو جانے اور اس کو پوری قوت کے ساتھ کھینچنے اور سب لوگوں کو سیراب کرنے کو علائم و استعارات کے ذریعہ دکھایا گیا ہے۔ اس کی تعبیر بھی یہی نکلی کہ خلافتِ صدیقی مختصر اور نسبتاً ضعیف اور خلافتِ فاروقی طویل اور مستحکم نکلی۔

ان جیسے تمام رویا نبوی میں اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے رویا صالحہ میں اشارات و علائم کا سہارا خاص مصالح اور مخصوص مقاصد سے لیا گیا تھا اور ان میں سب سے اہم مقصد و مصلحت یہ تھی کہ تعبیر نبوی کے بغیر ان کی حقیقت تک رسائی نہ ہو سکے اور اگر کسی کی ہو بھی جائے تو وہ قطعی اور حتمی نہ بن سکے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی تعبیر و تشریح نے ان کو نہ

صرف قطعیت اور واقعیت بخشی بلکہ ان کی حدیثی اور وحیِ الٰہی پر مبنی نوعیت بھی واضح فرمادی۔ یہ بھی حدیثِ نبوی کی افضلیت اور محکمی کی ایک دلیل ہے۔

اگرچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بیانِ قطعی سے واضح وثابت ہوتا ہے کہ رویائے صالحہ وحی ہوتے تھے تاہم رسولِ اکرم ﷺ کے اپنے ارشاد و فرمانِ عالی کے مطابق بھی ان کے وحی ہونے کا قطعی ثبوت ملتا ہے۔ شیخینِ حدیث -امام بخاری و امام مسلم- کے علاوہ متعدد اکابر محدثین نے رسولِ اکرم ﷺ کی حدیثِ مرفوع نقل کی ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں: "رویا الانبیاء وحی"۔ انھوں نے صرف اسی حدیثِ صحیح اور اقوال و تشریحاتِ علماء پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے قرآن مجید کی ایک آیتِ کریمہ سے بھی مدلل کیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکمِ الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں دیا گیا تھا (سورہ صفٰت-۱۰۲: ﴿انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری ...... الخ﴾۔ محدثینِ کرام اور شارحینِ حدیث نے روایتی بنیادوں پر بحث کی ہے کہ اگر خوابِ براہیمی وحی نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزندِ عزیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو کسی طرح قربان کرنے پر تیار نہ ہوتے کہ فرزند کا ذبح کرنا، خواہ راہِ الٰہی میں ہی کیوں نہ ہو، شریعتِ حنیفی میں جائز نہیں تھا۔

درایت ہی کی بنیاد پر ان ائمہ حدیث بالخصوص شیخین نے اسی موضوع پر رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ "تنام عینه ولا ینام قلبه" کہ نبی مکرم کی آنکھ تو سوتی ہے مگر اس کا قلب نہیں سوتا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا تمام انبیاء کرام میں بھی امتیازِ خاص تھا۔ درایت ہی کا تقاضا ہے کہ اسے رویا کے وحی ہونے کے فرمانِ حدیث سے مربوط کردیا جائے کہ وحی کا نزول اور رسولِ اکرم ﷺ کا وصول دونوں قلب کے ذریعہ ہی ہوتے تھے اور جب قلب سوتا ہی نہ تھا تو وہ وحی کو نہ صرف اخذ کرنے کے لائق ہوتا تھا بلکہ عالمِ بیداری کی مانند اخذ کرتا بھی تھا۔ صحابہ کرام کا ادرک اسی روایت و درایتِ حدیث پر مبنی ہونے کے سبب تھا اور اسی وجہ سے وہ رسولِ اکرم ﷺ کو خواب سے کبھی بیدار نہ کرتے،

مبادا وحی کا سلسلہ رویا میں جاری ہو اور وہ ان کی دخل در معقولات سے ٹوٹ جائے اور رسولِ اکرم ﷺ پر بار اور امت کو محرومی کا سامنا ہو جیسا کہ شبِ قدر کے خواب کے وقت بعض گھر والوں کے ناوقت جگانے سے امتِ محمدی کو ایک بڑی الجھن اور اس سے بڑی حرماں نصیبی ہاتھ لگی۔ صحابہ کرامؓ کو عہدِ نبوی میں جو رویاد کھائے گئے وہ جزءِ نبوت تو تھے مگر وحیِ حدیث نہ تھے کہ وحی صرف رسولِ اکرم ﷺ پر اترا کرتی تھی۔ البتہ جب ان کو تقریر و تصدیقِ نبوی کی دولت و قوت مل جاتی تو وہ حدیث کا درجہ اختیار کر لیتے اور ان کا رویا حدیث بن جاتا تھا جیسے حضرات عبد اللہ بن زید انصاری اور عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہما کا خوابِ اذان نہ صرف حدیث، وحیِ حدیث بنا بلکہ شعارِ اسلام بن گیا۔

(۵)

واقعہ اسراء و معراج بعض صحابہ کرامؓ اور ان کے ہمنوا علماءِ اسلام کے مطابق صرف ایک رویا، ایک سچا خواب تھا۔ مگر جمہور صحابہ اور بیشتر علماء محققین و محدثین کے نزدیک وہ دونوں بیداری کے واقعات ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کی کھلی آنکھوں کے مشاہدے پر مبنی ہیں۔ ان دونوں میں وحیِ حدیث یا وحیِ الٰہی کے تمام طُرق اور سارے ذرائع جمع ہو گئے ہیں اور جمہور کے عقیدہ کے مطابق صرف رویا کی وحی ان میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اسراء کے تمام واقعات: بیتِ نبوی کی چھت کا کُھل جانا، حضرت جبریل علیہ السلام کا تشریف لانا اور دوسری بار شقِ صدر کا معجزہ انجام دینا، براق کی سواری سے بیت المقدس کی طرف سفر کرنا، بیت المقدس میں اپنی امامت میں تمام جمع انبیاءِ کرام کو نماز پڑھانا مشاہدۂ کشف و غیب پر مبنی ہے۔

اسی طرح معراج کے تمام مراحل بھی رسولِ اکرم ﷺ کے عینی مشاہدہ اور بصری کشفِ غیب پر مبنی و استوار ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت میں

رویت، دودھ کے پیالے کا انتخاب، ساتوں آسمانوں پر یکے بعد دیگرے عروج اور انبیائے کرام سے ملاقات، بیتِ معمور تک عروج اور فرشتوں کا دیدار، سدرۃ المنتہیٰ کی بلندی تک معراج اور اس کے پرے تن تنہا خاص معراجِ نبوی اور اصلی معراجِ محمدی یعنی اللہ تعالیٰ سے براہ راست حضرتِ الٰہی میں کلام اور پنجگانہ نماز کا براہِ راست عطیہ الٰہی، جنت و جہنم اور دوسرے مقاماتِ آخرت کی دید اور مکہ مکرمہ میں اسی رات اپنے گھر واپسی کے بعد دوسری صبح اکابرِ قریش کے سامنے بیانِ واقعہ اور تصویر کشی بیت المقدس سب مشاہدۂ نبوی پر مبنی ہے۔اس میں کلامِ الٰہی اور براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حظیرۃ القدس میں رسولِ اکرم ﷺ کا بار بار اور مسلسل کلام کرنا خاص معراج ہے اور اس لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اصلی کلیم ہیں کہ حضرتِ خاص میں کلام سے مشرف ہوئے اور بار بار اس شرف سے بہرہ مند ہوئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ارضی کلیم ہیں کہ کوہِ طور پر بیری کے درخت کے حجابِ نور کے پرے کلامِ الٰہی سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

احادیثِ قدسی دراصل عام احادیثِ نبوی کی مانند تمام وحی کے طریقوں کی پابند نظر آتی ہیں۔ان میں رویا، براہِ راست نزول، القاء، الہام اور فرشتہ وحی کے تمام ذرائع و طُرق کا ثبوت ملتا ہے۔ان کی خصوصیت بس یہ ہے کہ ان کی روایت کی راست نسبت رسولِ اکرم ﷺ بنفسِ نفیس اللہ تعالیٰ کی طرف فرماتے تھے۔وہ قرآن کی وحی سے ایک لحاظ سے یوں مشابہ ہے کہ وہ قولِ الٰہی یا کلامِ الٰہی کی واضح نسبت و روایتِ نبوی رکھتی ہے۔ جبکہ عام احادیث میں ان کی ہر بار نسبتِ الٰہی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ویسے اس کے الفاظ بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ہی الفاظ ہوتے تھے اور اگر کبھی الفاظِ الٰہی ہوئے بھی تو ان کو قرآن مجید کے حتمی و قطعی الفاظ و کلام کا درجہ نہیں دیا گیا۔وحی کے لحاظ سے وہ وحیِ قرآنی اور وحیِ حدیث دونوں کے مانند ہوتے تھے۔ محققین نے قرآنی وحی اور احادیثِ قدسی کے کلامِ الٰہی ہونے پر بحث کی ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ ان کے الفاظ بھی نبوی ہوتے تھے۔

(۶)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنزیلِ وحیِ حدیث کا ایک اہم طریقہ اور غیبی ذریعہ یہ تھا کہ عالم بیداری میں کشفِ غیب کر دیا جاتا تھا۔ بعض امورِ غیبی یا معاملاتِ حقیقی کو آپ ﷺ کے مشاہدہ میں منکشف کر دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ ان کو اپنی کھلی آنکھوں سے ملاحظہ فرما لیتے تھے۔ بسا اوقات صحابہ کرامؓ بھی رسولِ اکرم ﷺ کے مشاہدات و کشوف کے واقع ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تھے مگر اصل سے ناواقف رہتے تھے، ان کی اصلیت و حقیقت رسولِ اکرم ﷺ کے انکشاف کے بعد ہی ان پر کھلتی تھی اور گذشتہ علائم و علامات ان پر گواہ بن جاتے تھے۔ کبھی کبھی صحابہ کرامؓ میں سے بعض عظیم شخصیات کو ان غیبی امور کے معائنہ و دیدار کا شرف حاصل ہوا لیکن حقیقت سے وہ تعبیر نبوی کے بعد ہی واقف ہوئے۔

دورانِ نماز کئی مواقع پر رسولِ اکرم ﷺ کو جنت و جہنم کا مشاہدہ و معائنہ کرایا گیا۔ ان میں سے ایک نمازِ کسوف کا واقعہ بھی ہے۔ اسی کے دوران آپ ﷺ پر اس حدیث کی "وحی" بھی بھیجی گئی کہ عذابِ قبر کے ذریعہ امتحان و آزمائش ہوگی اور مومن و منافق کا فرق بتایا گیا۔ اسی حدیث کی وحی میں "مسیح دجال" کے فتنہ کے بارے میں بھی خبر دی گئی اور بعض دوسرے امور کا انکشاف کیا گیا اور اس کو وحیِ حدیث قرار دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو دورانِ نماز اپنی جگہ سے ہٹتے ہوئے بھی دیکھا اور بعد میں انھوں نے اس کے بارے میں سوال و جواب بھی کیا۔ بعض اور احادیث میں جنت و جہنم کے مشاہدہ و عرض کا ذکر رسولِ اکرم ﷺ کی راست روایت کی بنا پر ملتا ہے اور آپ ﷺ کے اصحاب کا بھی۔ ایک مشاہدہ و کشف میں آپ ﷺ نے دینِ ابراہیمی کو خراب و مسخ کرنے والے سردارِ مکہ عمرو بن لحی خزاعی کو جہنم میں جلتے بھنتے ہوئے دیکھا تھا اور اسی کے ساتھ ایک عورت کو بھی سزائے دوزخ سے دوچار دیکھا جو اپنی بلی کو بھوکا رکھتی تھی، نہ اسے خود کھلاتی تھی اور نہ آزاد کرتی تھی۔ ایک اور حدیث میں حُجاج کرام کا سامان چرانے والے کو بھی

مبتلائے عذاب دیکھا تھا جسے صاحب المحجن (منحنی عصا والا) کہا گیا ہے۔

بعض احادیثِ نبوی میں عفریت الجن، ابلیس اور شیاطین کو نہ صرف دکھایا گیا بلکہ ان میں سے بعض کو آپ ﷺ نے پکڑ بھی لیا اور پھر محض اس لئے چھوڑ دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی التجا و دعا یاد آگئی تھی کہ ان کے سوا کسی اور کو ایسی طاقت و حشمت نہ ملے اور آپ ﷺ اپنے نبی بھائی سے مقابلہ و موازنہ نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس حدیث کے طبقہ میں کھانے پر بسملہ کی سنت سے متعلق حدیث کی وحی کا ذکر ملتا ہے۔ نماز کے دوران عفریتِ جن کی دخل اندازی اور ابلیسِ لعین کی شر انگیزی کا تدراک آپ ﷺ نے تعوذ اور لعنتِ کامل بھیج کر کیا تھا۔ ان تمام واقعات میں ابلیس، جنات، شیطان وغیرہ کی حرکات کے کشف و مشاہدہ کے علاوہ ان میں حدیث کی وحی کا واضح ذکر ملتا ہے۔

قوتِ ملکیہ کے نمائندوں - ملائکہ اور فرشتوں - کے معائنہ و مشاہدہ اور ان کے ذریعہ وحیِ حدیث کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مختلف روایات و احادیث کے مطابق ایک صحابیؓ نے تکبیرِ تحریمہ کے بعد نماز کے آغاز میں اور رکوع کے بعد قومہ میں ایک تسبیح بے اختیار کہہ دی: "الحمد لله حمد ا كثير ا طيبا مبار كا فيه"۔ نماز کے خاتمہ پر ارشادِ نبوی ہوا کہ اسے بارہ فرشتے جنابِ الٰہی میں لے جانے کی سبقت میں لگے ہوئے تھے۔ تقریرِ نبوی کے اصول کے تحت وہ حدیث بن گئی اور صحابہ کرامؓ میں سے متعدد نے اپنے متواتر عمل سے اسے سنت کا درجہ عالیہ عطا کر دیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کلماتِ حسنہ کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تھے جو کشفِ غیب کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔

خزائن کی فتوح یا بعض پڑوسی ممالک کی اسلامی فتوحات کا کشف رسولِ اکرم ﷺ پر بعض غزواتِ نبوی کے دوران کیا گیا۔ مشہور واقعہ اور مشہور تر حدیث ہے کہ غزوۂ خندق کے دوران ایک چٹان کو توڑتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کو کدال کی تین ضربات میں تین ملکوں کی فتح کی خوشخبری عطا کی گئی: پہلی ضرب میں شام، دوسری میں ایران اور تیسری ضرب میں یمن کے خزانوں کی فتوحات کی پیشگی اطلاع ملی تھی۔ حضرت سلمان فارسیؓ جیسے

صحابہ کرامؓ نے اس کدال کی ضربوں سے نکلتی چمک اور روشنی کو دیکھا تھا جو کشفِ غیب کا استعارہ تھا۔احادیث کے ایک طریقہ کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کو مشرق و مغرب کی طنابیں کھینچ کر تمام علاقے دکھائے گئے تھے اور خوشخبری دی گئی تھی کہ جن ممالک وامصار کو آپ ﷺ نے ملاحظہ و معائنہ فرمایا وہ سب آپ ﷺ کی امت کے قبضہ میں آئیں گے لہذا یہ غزوات، غزواتِ نبوی کے مانند تھے یا رسولِ اکرم ﷺ کے غزوات کی توسیع تھے کہ ان کی خبر کی بنیاد وحیِ حدیث اور وحیِ الٰہی پر مبنی تھی۔اسی لئے اس کو توسیعِ نبوتِ محمدی بھی کہا گیا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریہ توسیعِ نبوتِ محمدی کی اساس و بنیاد محض خوش عقیدگی پر قائم نہیں ہے بلکہ ٹھوس وحیِ الٰہی اور حدیثِ نبوی پر استوار ہے۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کی نبوی خبر اور مبشرات مختلف معانی و مفاہیم کے علاوہ متعدد امور سے متعلق ہیں۔اسی کشفِ غیب کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کے زمانے میں زندہ تمام ساکنانِ ارض سو سال سے زیادہ نہ جئیں گے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو سنت و قانونِ الٰہی کے مطابق اسی دنیائے دنی میں آپ ﷺ کا جنت کا مکان دکھایا گیا۔وہ سنتِ انبیاء بھی تھی۔اسی کے ساتھ دوسرے تمام انبیاء کی مانند آپ ﷺ کو دنیاوی حیات اور آخرت کی زندگی میں انتخاب و تخییر کی اجازت بھی دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اخروی زندگی کو ترجیح دے کر اپنی وفات کی پیشگوئی مضمر انداز میں کردی تھی جسے حضرت صدیقؓ سمجھ کر رو پڑے تھے مگر دوسرے صحابہ اس کی حقیقت دیر میں سمجھے۔

امتِ محمدی اور نوعِ انسانی کے لئے بہت سے فتنوں کے پیش آنے کی پیشگوئیاں ملتی ہیں جو کتاب الفتن کا پورا مبحث ہے۔مدینہ منورہ میں ایک گڑھی کے اوپر چڑھتے ہوئے آپ ﷺ نے فتنوں کو بارش کے قطروں کی مانند اترتے دیکھا تھا جن میں سے ایک حضرت عثمانؓ کی المناک شہادت کا فتنہ بھی تھا۔صحابہ کرامؓ اور محدثینِ عظام نے ان استعاراتی احادیث کے مضمرات و معانی کھولے ہیں۔ان فتنوں سے بچنے کی ترکیب اور ان کا مقابلہ کرنے کا حکم بھی آپ ﷺ کی احادیث میں ملتا ہے۔اور وہ سب وحیِ حدیث ہی پر مبنی ہے۔

بہت سے فتنوں اور واقعاتِ آئندہ کے باب میں "وحی" کے آنے کا حوالہ نہیں ملتا ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ان کا علم آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ ہی ہوا تھا کیونکہ وہ عقلِ انسانی کی سرحد سے پرے ہیں۔ انسانی شعور و ادراک صرف عالمِ اسباب ہی میں کارگذاری دکھا سکتا ہے۔

معاصر واقعات کا کشف و مشاہدۂ غیب کے ذریعہ رسولِ اکرم ﷺ کا معائنہ و ملاحظہ بھی وحیِ حدیث کے زمرے میں آتا ہے۔ احادیث و روایات کا تقریباً اجماع ہے کہ غزوۂ موتہ میں تین امرائے لشکر - حضرات زید بن حارثہ کلبیؓ، جعفر بن ابی طالب ہاشمیؓ اور عبداللہ بن رواحہ خزرجیؓ - کی فلسطین کی حدود میں شہادت اور مسلم لشکر کی ہزیمت اور بعد میں حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی قیادت میں کامیابی کے پورے مناظر مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کو اسی کشفِ غیب کے ذریعہ دکھائے گئے تھے اور ان کے متعلق احادیث کی وحی کی گئی تھی۔ حضرت ابی بن کعب خزرجیؓ کے سامنے سورۃ البینہ کی تلاوت کرنے کا حکمِ الٰہی رسولِ اکرم ﷺ کو براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ملا تھا۔ وہ اشارۂ غیب پر مبنی ہے۔ یہ ایک لمبی بحث بھی ہے اور بہت سے واقعات پر مشتمل، لیکن ان میں سے بیشتر میں وحی کے تنزیل و ترسیل کا ذکر نہیں ملتا اسلئے چھوڑ دیا گیا۔ بعض صحابہ کرامؓ کو بھی ان غیبی امور کا تجربہ و مشاہدہ ہوا تھا جیسے حضرات اسید بن حضیرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے تلاوتِ قرآن کے وقت بادل کا سایہ یا قمقموں کی جھالر جیسی شئے دیکھی مگر وہ ان کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اسے سکینت اور فرشتوں کے نزول سے تعبیر کیا۔

(۷)

حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ وحیِ الٰہی آنے کا واقعہ اتنا معروف و مشہور ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں لیکن وحیِ حدیث کی تنزیل ان کے واسطہ سے آنے کی حقیقت ذرا کم معلوم ہے۔ محدثینِ کرام اور اکابر علماء کے علاوہ بہت کم لوگ واقف

ہیں۔اس کا بنیادی سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآنی وحی لانے والا فرشتہ بالعموم قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ ذہنِ عوام میں فرشتہ قرآنی وحی کی حیثیت سے راسخ ہو گئے۔دوسرا اہم ترین سبب یہ بھی ہے کہ حدیث کی وحی کو مدلل نہیں بنایا گیا۔حدیث کو وحیِ غیر متلو تو کہا گیا مگر اس کے آنے کے طریقوں سے بالعموم بحث نہیں کی گئی لہٰذا "وحیِ حدیث" اور ان کے طریقوں کی حقیقت نامعلوم سی رہ گئی۔

فرشتہ وحی ہونے کی بنا پر رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام کے روابط کو بعثت کے ساتھ مربوط سمجھا جاتا ہے اور وہ منطقی و عقلی بھی لگتا ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ جب رسول و نبی بنے تو پہلی بار حضرت جبریل علیہ السلام وحی قرآنی لے کر آئے۔ لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ربط و تعلق اور رشتہ رسولِ اکرم ﷺ سے قبلِ بعثت استوار ہو چکا تھا۔اولین لحہ حیاتِ نبوی سے نہ سہی، لیکن آپ ﷺ کے بچپن میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب صاف کیا تھا۔اس میں سے حصہ شیطانی پر مشتمل پھٹکی نکال پھینکی تھی اور یہ واقعہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر کے قیام کے زمانے میں پیش آیا تھا اور جو شقِ صدر کا معجزہ کہلاتا ہے۔ قبلِ بعثت ہی آپ ﷺ کے لڑکپن میں تعمیر کعبہ کے وقت آپ ﷺ کے ازار اتارنے کے ارادے اور عریاں ہونے سے باز رکھنے کا غیبی معاملہ پیش آیا تھا۔احادیث وروایات میں ایک شخص، سرزنش کرنے والے، فرشتے کا حوالہ آتا ہے اور گمانِ غالب ہے کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہی تھے۔بعثت سے قبل کی حیاتِ نبوی میں فرشتوں اور بالخصوص حضرت جبریل علیہ السلام کا عمل دخل، کارگذاری حفاظت و صیانت کی خاطر تھی، جو عصمتِ انبیاء کا دیباچہ اور تمہید ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نبوت سے پہلے کی زندگی کو بھی پاک و صاف ہی نہیں اعلیٰ وارفع بنایا جائے تاکہ وہ بعد کی نبوی زندگی کے لئے ایک دلیلِ نبوت اور شہادتِ حق بن سکے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ یونس-۱۶ میں بخوبی واضح کیا گیا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس ماقبلِ نبوت زندگی کے واقعات

وحالات اور ارشادات واقوال نبوی تقریر کے ذریعہ احادیث اور وحی الٰہی بن سکیں۔

رسالت و نبوت کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری دن رات کسی وقت بھی ہو سکتی تھی اور ہوتی تھی۔ بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ ہمیشہ امر الٰہی سے آتے تھے، رسولِ اکرم ﷺ کی خواہش یا اپنی مرضی سے نہیں آسکتے تھے (سورۂ مریم۔۶۴)۔ دوسرے وہ نجس گھر میں، جہاں کتا یا تصویر ہو، نہیں داخل ہوتے تھے جیسا کہ دو چار احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وعدہ کے باوجود نہیں پہونچے۔ وہ ازواجِ مطہرات کے اوقاتِ تخلیہ میں بھی نہیں آتے تھے اور نہ ہی ان کے قریبی تعلقات کے وقت کہ حیاے ملکوتی و صفائے باطنی اس میں مانع تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ کو اپنی گود میں بٹھا کر اس کا تجربہ کیا تھا اور حضرت عائشہ کے تخلیہ نے ان کے داخلہ کو گھر میں روکا تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد بالعموم انسانی شکل میں ہوتی تھی جسے اصطلاحی طور سے تمثل کہا گیا ہے۔ دراصل وہ ایک قرآنی اصطلاح ہے اور وہ حضرت مریم کے پاس روح الٰہی کے کامل بشر کی صورت اختیار کر کے آنے کے لئے وجود میں آئی ہے۔ احادیثِ نبوی اور مباحثِ محدثین میں اس پر کافی فلسفیانہ اور نظریاتی اور واقعاتی بحث ملتی ہے جو تمثل کی حقیقت بیان کرتی ہے۔ بعض صوفیہ کرام نے بالعموم اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بالخصوص تمثل کے فلسفہ کو بہت دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ یہ تمثلِ بشری حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں سے ان کی ملکوتی ذات وصفات کا خاتمہ نہیں کرتا تھا بلکہ صرف ان کی اضافی خصوصیات کا ازالہ کرتا تھا۔

انسانی شکل میں حضرت جبریل علیہ السلام کا تمثل اکثر و بیشتر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل و صورت میں ہوتا تھا۔ احادیث کا تقریباً اجماع ہے کہ وہ صحابی موصوف کی شکل و صورت میں آیا کرتے تھے، کبھی کبھی وہ ایک عام وصاف اجنبی کی صورت میں بھی آئے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک بڑے طبقے نے متعدد مواقع پر اور امہات المومنینؓ میں سے حضرت عائشہؓ و حضرت ام سلمہؓ وغیرہ نے ان کو حضرت دحیہ کلبیؓ ہی کے روپ میں دیکھا تھا۔ صحابہ

کرام کے خاصے بڑے طبقات نے بھی ان کو حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل و صورت ہی میں جنگِ احزاب و بنی قریظہ کے مواقع پر دیکھا تھا۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو صورتِ دحیہ کلبیؓ ہی کیوں بھاتی تھی، کسی دوسرے صحابی یا بزرگ کی کیوں نہیں؟ یہ ایک بحث و تحقیق طلب موضوع ہے۔ مختلف توجیہات کی گئی ہیں اور سر سید جیسے بعض مفکرین نے تشکیک و انکار بھی کیا ہے۔ خاکسار کے خیال میں حضرت ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ مناسبتِ روحانی میں اس کا جواب تلاش کیا جا سکتا ہے۔ شاہِ موصوف کا خیال ہے کہ عالمِ ارواح میں بعض کو بعض سے زیادہ مناسبت اور قریبی تعلق ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کو حضرتِ رسالتمآب ﷺ سے تھا اور جس کا اظہار بسا اوقات علمِ فلکیات کے زائچوں کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ خالص سائنسی نظریہ بھی ہے اور غیبی کشف پر مبنی مبحث بھی ہے۔

اصلی شکل و صورت میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت عائشہؓ کی تصریح کے مطابق صرف دو بار دیکھا تھا۔ ایک بار اسی دنیائے خاکی میں جب وہ اولین قرآنی وحی لانے کے بعد آپ ﷺ کو پہاڑ کی بلندی پر نظر آئے تھے اور دوسری بار واقعہ معراج کے دوران سفر سماوی شروع ہونے کے وقت۔ بیانِ نبوی کے مطابق ان کا جسم اتنا طویل و عریض تھا کہ وہ پورے افقِ آسمانی کی پہنائی میں سمائے ہوئے تھے اور ان کے چھ سو پر تھے اور وہ انتہائی حسین سبز ریشمی جوڑے میں ملبوس و پیراستہ تھے۔

غارِ حراء میں رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو صورتِ بشری میں دیکھا تھا کہ اس کے تنگ دائرے میں ان کی جسمانی ضخامت کی سمائی ممکن نہ تھی۔ دوسرے رسولِ اکرم ﷺ کو وحشت سے بچانا بھی مقصود تھا۔ ان کی آمد اور وحی کے نزول نے پہلے ہی بشری وحشت جگا دی تھی۔ پہاڑ کی بلندی پر ان کی اصل صورت کی رویت نے مزید دہشت زدہ کر دیا تھا تاہم رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو فرشتہ غار کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اصلی صورتِ جبریلی اور عام صورتِ بشری میں کچھ مشترک چیزیں اور مشترک

خدو خال تھے۔ ورنہ رسولِ اکرم ﷺ ان کو اصل صورت میں دیکھ کر کیسے پہچان لیتے کہ یہی وہ فرشتہ ہے جو غارِ حراء میں قرآن کریم کی اولین وحی لے کر آیا تھا۔ جسمانی ساخت تو خاصی مختلف تھی غالباً چہرے کے خدو خال اور خطوط ہی مشترکہ علامات رکھتے تھے جو تمثل میں بھی اختصار کے ساتھ برقرار رہتے تھے۔

غارِ حراء میں اولین قرآنی وحی کا واقعہ حدیثِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد و کلام پر مبنی ہے اور ان دونوں کا تعلق وحیِ حدیث سے ہے۔ آیات قرآنی کی تلاوت و نزول سے قبل اور بعد کی تمام گفتگو اور بیان خالص حدیث پر مبنی ہے اور وہ حدیثِ جبریل علیہ السلام کی وحی پر استوار ہے۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآنی وحی سے قبل حدیثی وحی آئی تھی جس طرح اس سے قبل رویا صادقہ اور خواب کے ذریعہ حدیث کی وحی کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا اور اب اس فرشتہ وحی کے ذریعہ مزید مستحکم و مضبوط بن گیا کہ حدیث کی وحی بھی رسولِ اکرم ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آنے لگی اور تا عمر بلکہ لحہ آخر تک آتی رہی۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے وحیِ حدیث کے موضوعات گوناگوں ہی نہیں تقریباً تمام اسلام کو محیط ہیں۔ مشہور حدیثِ جبریل میں ایمان، اسلام اور احسان کی جو تعریف و توضیح نبوی ملتی ہے وہ اسلامی نظامِ حیات کا جامع بیان ہے۔ اولین تنزیلِ قرآنی کے معاً بعد وہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس طہارت، وضو، نماز اور اس کے متعلقہ احکام جیسے قبلہ وغیرہ پر مشتمل وحی لائے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کی اس سے قبل تصدیق بھی کی تھی اور آپ ﷺ کو ایقانِ مزید کی دولت بہم پہونچائی تھی۔ فترۂ وحی کے زمانے میں وہ صرف قرآن مجید کی وحی نہیں لاتے تھے، حدیث کی وحی برابر لاتے رہے جس میں تصدیقِ رسالت کے علاوہ تسلی کا پیغام بھی تھا۔ نماز کے احکام میں یک وقتہ سے دو وقتہ اور واقعہ اسراء و معراج کے بعد پنجوقتہ نمازوں کے تمام احکامات وحیِ حدیثِ جبریلی پر مبنی ہیں۔ نمازوں کی ہیئت، رکعات کی تعداد، ادائیگی کے اوقات، جماعت و امامت کے مسائل،

قبلہ بیت المقدس کی تعیین، سری اور جہری قراءتِ قرآن کی تفریق، رکوع و سجود وغیرہ کی تسبیحات، تشہد و صلوٰۃ اور تسلیم و دعا کی تفصیلات سب اس میں شامل تھیں۔

قرآن مجید کی وحی کے ساتھ حدیث کی وحی بھی بسا اوقات لازمی طور سے آتی تھی۔ دونوں لازم و ملزوم بن گئی تھیں۔ دراصل وہ توام، جڑواں اور مماثل وحی ہیں کہ ایک ہی سرچشمہ سے نکلی اور ایک ہی مہبطِ وحی اور ذاتِ نبوی پر نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کی وحی کی تنزیل کے ساتھ ساتھ حدیث کی وحی کی تنزیل بھی ملتی ہے اور وہ بہت سی روایات میں مخلوط و ملزوم بیان ہوتی ہے۔ اولین تنزیلِ قرآنی کے علاوہ فترۂ وحی کے خاتمہ کا اعلان کرنے والی وحی، نبوت کے منصب سے منصبِ رسالت پر ترقی، قرآن مجید کی وحی کو اخذ کرنے کی نبوی جدوجہد اور یاد و محفوظ کرانے کی ذمہ داری الٰہی، مکی و مدنی رمضانوں میں ہر برس حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآنی مذاکرہ، ایک ایک حرف سے ترقی کر کے سات حروف تک ترقی کرنے اور ان پر قرآن مجید کی قراءت کرنے کی درخواستِ نبوی اور تعلیمِ جبریلی، فضائلِ قرآن سے متعلق وحیِ حدیث اور متعدد دوسرے اسبابِ نزول اور تفسیرِ قرآن سے متعلق وحیِ حدیث میں اسی طرح کا تفاعل پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے معاملات و امور اور مسائل کو حضرت جبریل علیہ السلام کی لائی ہوئی وحیِ حدیث نے سلجھایا، سنوارا اور طے کیا تھا اور یہ تو صرف چند موضوعات ہیں جن کا ذکر کیا گیا کیونکہ ان میں وحیِ حدیث کا عنصر واضح طور سے مذکور ہے ورنہ یہ باب بہت وسیع و کبیر ہے۔

مناقبِ صحابہ اور فضائلِ ازواج مطہرات سے متعلق بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ صرف زبانِ رسالت سے نکلے تھے۔ یوں بھی ہوتا تو واجب و بجا ہوتا کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی خواہش، پسند اور محبت و عقیدت کے سبب کسی کے لئے کلمہ حق نہیں کہہ سکتے تھے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مناقب و فضائل کی وحیِ الٰہی حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے بھی آئی تھی۔ دوسرے واسطوں میں رویا کے ذریعہ مناقبِ فاروقی و فرزندِ فاروقی وغیرہ کا ذکر آتا ہے اور بعض دوسرے انکشاف و کشف کے ذریعہ بھی

آئے تھے۔

دو امہات المومنینؓ کے بارے میں کم از کم یہ ثابت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام و بشارت کا خاص عطیہ حضرت جبریلؑ کی وحی کے ذریعہ سے ملا تھا۔ وہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ تھیں جن کو جبریل علیہ السلام آکر خود بھی سلام و کلام کیا کرتے تھے جو بواسطہ نبوی ہی ہوتا تھا۔ ان میں سخن گسترانہ بات یہ ہے کہ "محمدی" اسلام کی تعلیم اور اس کے متعلقہ احکام بھی موجود ہیں جن کو بعد میں دوسری احادیث نے بیان کیا۔ مناقبِ صحابہؓ میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کا لقب "اسد اللہ اور اسد رسول اللہ" وحیِ جبریل ہی پر مبنی ہے کہ وہ زیرِ عرش مکتوب ہے۔ حضرات سعد بن معاذ اوسیؓ، عبداللہ بن عمرو خزرجیؓ، جعفر بن ابی طالب ہاشمی طیارؓ، عبداللہ بن رواحہ خزرجیؓ اور متعدد دوسرے صحابہ کے مناقب وحی پر مبنی ہیں۔ ان مثالوں سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ بالعموم فضائل و مناقبِ صحابہؓ بیان کرنے میں وحیِ الٰہی و وحیِ حدیث پر تکیہ کرتے تھے۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی خزیمیؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کا نکاح حضرت جبریل علیہ السلام کی سفارت کے ذریعہ ہونے کی حدیث اس کی تصدیق کرتی ہے۔

امتِ محمدی کی عمومی فضیلت، محبوبیت اور مغفرت اور ان سے متعلقہ امور کی بابت احادیث وحیِ الٰہی پر مبنی ملتی ہیں۔ دنیا میں انسان یا مسلم محبوب صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں وہ بندوں میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اہلِ ایمان و اسلام کے لئے جنت کی ضمانتِ الٰہی ہے خواہ وزانی و سارق ہی کیوں نہ ہو۔ جبریل علیہ السلام نے پیغام و فیصلہ الٰہی سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا تھا۔ پروردگارِ عالم کے ذکر و فکر پر اللہ تعالیٰ کی محبت و مغفرت بھی ملتی ہے اور اس کے سبب وہ ساکنانِ سماوات پر فخر و افتخار بھی فرماتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعتِ امت اور آپ ﷺ کی خاطر کی رعائت سے بیشمار اسلامیانِ عالم کی مغفرت کا وعدہ وحی کے ذریعہ کیا گیا۔

بہت سے احکام و مسائل کو وحیِ حدیث ہی کے ذریعہ طے کیا گیا، ان کا ذکر قرآنی

وحی میں نہیں ہے، حدیثی وحی میں ملتا ہے۔ان میں دو طرح کے مسائل واحکام تھے یا ان کے نزول کی دو نوعیتیں تھیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی مصالح کے تحت احکام نازل فرماتا تھا جیسے نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ اور متعدد دوسرے معاملاتِ زندگی اور امورِ دین کے متعلق احکام، ان میں سے بعض کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ریشمی کپڑوں کی مردوں کے لئے حرمت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آنے والی وحی نے واضح کی تھی۔اس میں یہ حقیقت مستور تھی کہ اس کا پہننا مردوں کے ممنوع ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ممنوع وحرام نہیں۔ اسی لئے رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اپنا ہدیہ میں آیا ہوا حلہ پہن کر ہدیہ کر دیا تھا اور اس سے استفادہ کی اجازت دی تھی۔ غالباً مردوں کے لئے سونے چاندی کے زیورات وغیرہ کی حرمت کے احکام بھی وحیِ حدیث پر مبنی تھے۔

دوسری نوعیت کے وہ احکام و مسائل تھے جن کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ سے استفسار وسوال کیا جاتا تھا۔ امام بخاریؒ اور بعض دیگر امامانِ حدیث وقرآن نے اس ضمن میں ایک اصول نبوی کا ذکر کیا ہے جو وحیِ حدیث کے لحاظ سے اہم ترین ہے۔ وہ یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ سے جب بھی ان امور کے متعلق سوال کیا جاتا جن کے باب میں وحی نہیں اترتی تھی تو آپ ﷺ اپنی لاعلمی کا اظہار فرماتے اور اپنی رائے وقیاس سے ہرگز کچھ نہیں فرماتے تھے۔ امام موصوف نے اسی عبارت ومعنی پر مشتمل اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان باندھا ہے: "باب ما كان النبی ﷺ يسأل مما لم ينزل عليه الوحی، فيقول: لا ادری، اولم يجب حتی ينزل عليه الوحی، ولم يقل برأی ولا قياس......" كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة؛ فتح الباری، ۱۳/ ۳۵۵ ومابعد۔ اس کے تحت متعدد احادیثِ نبوی کو بیان کیا ہے جن میں آپ ﷺ نے اسی وقت جواب دیا جب وحی آگئی: یعنی وحیِ حدیث۔

مثلاً سب سے پسندیدہ مقامِ الٰہی کے بارے میں سوال کا جواب رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے وحی لانے کے بعد ہی دیا تھا۔ شہید کی مغفرت کے بارے میں سوال کا جواب آپ ﷺ نے دیا ہی تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے وحی

لا کر جوابِ نبوی میں اس کی صراحت بڑھادی کہ سوائے قرض کے ہر چیز معاف کر دی جاتی ہے۔ سوال کے جوابِ نبوی کے معا بعد وحیِ حدیث آنے میں ایک نکتہ حکمت تھا۔ وہی رازِ الٰہی حضرت جبریل علیہ السلام کی مسلسل وصیت میں ملتا ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کو پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کے باب میں کرتے تھے۔ وہ یہ کہ حقوق العباد کی اہمیت کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں اس کو تائیدِ الٰہی واستنادِ وحی حاصل ہوتا ہے اور اگر کسی قسم کا شائبہ رہ جاتا ہے تو وحی کی تنزیل اسے دور کر دیتی ہے اور مزید وحی نہ آئے تو فرمانِ نبوی ہی وحی بن جاتا ہے۔

دیگر ملائکہ کی خدمتِ نبوی میں حاضری اور بعض اوقات وحیِ حدیث لانے کا ایک اور اہم معاملہ اور خاص باب نظر آتا ہے۔ بالعموم وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ہی آتے تھے جیسا کہ مکی دور کے اہم واقعہ سیرت - سفر طائف - سے واپسی پر پہاڑوں کے معاملات پر مامور فرشتے (ملك الجبال) کے ضمن میں ملتا ہے۔ دیگر ملائکہ اور فرشتوں کا تعارف بھی حضرت جبریل علیہ السلام کراتے تھے اور بعض اوقات ان کی شخصیت واصلیت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ماموریت کا بھی وہی حال بتاتے اور تصدیق کرتے تھے۔ اس عالمِ اسباب کے نظامِ تدبیر کی مانند جہانِ دیگر کے امورِ تکوینی بھی اپنا نظامِ تدبیر رکھتے ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ فرائض مقرر ہیں۔

حضرات میکائیل واسرافیل اور بعض دوسرے ملائکہ آسمانی کا ذکر زیادہ تر غزواتِ نبوی کے ضمن میں کتبِ حدیث میں آتا ہے۔ ایسا واضح ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بعض دوسرے ملائکہ بالخصوص مذکورہ بالا دونوں فرشتوں کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی حفاظت پر مامور تھے۔ سفر طائف کے موقعہ اور غزواتِ بدر واحد و خندق وغیرہ میں انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔ قرآنی وحی کے ساتھ ساتھ حدیثی وحی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم افواج اور اسلامی غزوات کی جنگی امداد پر بھی وہ سب مامور تھے۔ ان میں اکابر ملائکہ یا ملاءِ اعلیٰ کے علاوہ عام ملائکہ عام سپاہ کی حیثیت سے شریک ہوتے

تھے اور ضرورت کے وقت کمک پہونچاتے تھے۔

وحیِ حدیث اور اس کی بنا پر مباحثِ محدثین سے ایک اہم ترین رازِ الٰہی یا حکمتِ ربانی کا اظہار اس ضمن میں ہوتا ہے۔ غزواتِ بدر و احد کے بالخصوص موازنے سے اس کی تشریح کی جا سکتی ہے کہ فرشتوں کی امداد، اسلامی فوج کی کارکردگی اور اقدام پر منحصر تھی۔ مسلمانوں کی حرکیت، جہادی روح، اقدام اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے یعنی میدانِ جنگ میں صبر و ثبات پر ہی ان کی امداد کا وعدہ ہے۔ شکست و ہزیمت اور غلطیوں کے ارتکاب پر مسلمان مجاہدین خود اپنے آپ کو امدادِ ملائکہ کے عطیہ ربانی سے محروم کر لیتے ہیں کہ فرشتے خود حملہ و اقدام نہیں کرتے، صرف امداد کرتے اور کمک پہونچاتے ہیں۔ ورنہ صرف ایک فرشتہ - حضرت جبریل علیہ السلام - ہی ہلاکت خیزی پر قادر ہیں۔ حدیث میں "فعل و عملِ مسلم" پر ہی امدادِ الٰہی، تائیدِ ملائکہ اور نصرتِ ربانی کا انحصار بتایا گیا ہے اور عالمِ اسباب کے اصول اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین کی ہزیمت کے لمحات میں ملائکہ نے حفاظتِ نبوی کا فریضہ تو انجام دیا مگر بھگوڑوں کا ساتھ نہیں دیا اور نہ ہی ان کی کسی قسم کی فوجی مدد کی مگر جب وہ پلٹے تو فرشتے بھی ڈٹ گئے۔

غزواتِ نبوی میں حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کی سرخیلی میں دیگر ملائکہ کی شرکت و امداد سے متعلق وحیِ حدیث کا ایک پورا باب ملتا ہے۔ غزواتِ بدر و احد و خندق و قریظہ وغیرہ میں ان کی فوجی کمک، ان کی تعداد، امداد کی نوعیت، نصرتِ الٰہی کی صورت، جنگی تدابیر کے انتخاب، بعض دشمن اقوام پر حملہ کا حکم، مجاہدین اسلامی اور ملکوتی فضیلت، مجاہدین اور منکرین کی عینی رویت و شہادت، امورِ غیبی کے انکشاف وغیرہ متعدد موضوعات سے متعلق حدیث کی وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے ہی آپ ﷺ پر آئی تھی۔ ان میں سے بعض کا مختصر حال بتانے سے ان کی امدادی نوعیت کی تفہیم آسانی سے ہو سکتی ہے۔

بنو قریظہ کے یہودی غداروں پر حملہ کا حکم حضرت جبریل علیہ السلام براہِ راست جنابِ الٰہی سے لائے تھے اور غزوۂ بدر میں میدانِ جنگ کا انتخاب رسولِ اکرم ﷺ نے

فرشتہ خاص کی وحی کی بنا پر کیا تھا جو حضرت حباب بن منذر خزرجیؓ کی رائے کی تصویب و تصدیق میں اسی وقت یا بروقت حضرتِ الٰہی سے آپ ﷺ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ غزوۂ خندق میں ملائکہ کی شرکت و امداد، کمک کا براہِ راست ذکر احادیث و روایات میں نہیں ملتا لیکن غزوۂ بنی قریظہ سے متعلق احادیث میں بالواسطہ آتا ہے اور درایت کے اصولوں پر اس کو آشکارا کیا گیا ہے۔ روایت و درایت کا اجتماع یہاں ایک بنیادی اصول کے بطور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ وہ فرشتوں کی امداد کی نوعیت کو بھی خاصا اجاگر کرتا ہے۔ غزواتِ فتح مکہ و حنین کے علاوہ حجۃ الوداع میں فرشتوں کی موجودگی، امداد و شرکت اور ضروری احکام کی بروقت وحی لانے سے ملکوتی کارکردگی کا صحیح تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی مسلسل رفاقت اور پیہم آمد اور دوسرے ملائکہ آسمانی کی بوقتِ ضرورت امداد و وحی سے متعلق دوسرے امور و معاملات کے علاوہ ایک بنیادی معاملہ یہ واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو بطورِ خاص اور امتِ اسلامی کو بالعموم ان ملکوتی صفات مخلوق کی محبت و رفاقت اور حفاظت حاصل ہے۔ اس عالمِ اسباب کا عالمِ تکوین سے مسلسل تعلق اور پیہم رابطہ قائم ہے۔ دوسرے ملائکہ تو ابھی تک عالمِ اسباب میں کارفرما ہیں لیکن حضرت جبریل علیہ السلام کا دنیائے دنی سے ربط و تعلق صرف ذاتِ محمدی کے سبب قائم و استوار تھا۔ اور اس بنا پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرتِ الٰہی کے درمیان سفیر خاص تھے۔ خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی حضرت جبریل علیہ السلام کی آمدِ ارضی کا سلسلہ بھی ختم ہوا جسے ختمِ سلسلہ وحی بجاطور سے قرار دیا گیا ہے۔

جبریلی تعلق و ربط ذاتِ محمدی سے از اول تا آخر قائم و استوار رہا اور کسی بھی مرحلے پر اس میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا اس عالمِ آب و گل میں وقتِ آخر آیا تو سنتِ الٰہی کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام خدمتِ اقدس میں تخییر لے کر حاضر ہوئے۔ بقولِ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے خاص رسولِ اکرم ﷺ کے اکرام و توقیر کے لئے ان کو بھیجا اور دنیا و آخرت میں انتخاب کا حق دیا۔ ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے

آخرت اور لقائے الٰہی کو ترجیح دی کیونکہ وہ نہ صرف سنتِ نبوی تھی بلکہ سنتِ محمدی بھی تھی۔ در حقیقت اسلام و ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی جائے کیونکہ اصل زندگی اور اصل انعام تو آخرت کا ہے جہاں سب سے بڑا انعام وصالِ حق کی صورت میں ملتا ہے۔

عالمِ اسباب کے اصول کے مطابق مرضِ نبوی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے قبل بیماری اور مرض کا ازالہ کرنے بھی حضرت جبریل علیہ السلام آتے تھے اور امت کو جسمانی بیماری دور کرنے کے لئے روحانی علاج بتاتے تھے مگر مرض آخر میں علاج و شفائے دنیاوی مقصود نہ تھی، تب تو صرف لقائے الٰہی کے لئے اس کی شدت و سرعت میں اضافہ ضروری تھا۔ دنیاوی حیات کے آخری تین دنوں میں حضرت جبریل علیہ السلام برابر حاضر ہوتے رہے اور پیغامِ الٰہی پہونچاتے رہے اور وہ وحیِ حدیث بنتا گیا۔ لمحہ آخر اور وقتِ موعود پر وہ ملک الموت کے ساتھ حاضر ہوئے اور پیغامِ حق پہونچایا کہ وہ بھی اجازتِ نبوی کا پابند ہے، بلا اجازت روح قبض نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے فرطِ اشتیاق ربانی سے اجازت دی ہی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آخری حدیث کی وحی کی: "السلام علیك یا رسول الله! یہ میرا روئے ارض پر آخری پھیرا اور آپ ﷺ سے آخری ملاقات ہے"۔ اور آپ ﷺ نے جان جان آفریں کے حوالے کردی۔ بعدِ وفات صلوٰۃ و سلام اور تعزیت کے الفاظ سنائی دیتے تھے مگر "شخص" نہیں دکھائی دیتا تھا کہ بقولِ حضرت ام ایمنؓ آسمان سے زمین کا راست رابطہ ذاتِ محمدی کے اٹھ جانے سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس کلمہ اختتام پر ہم بھی قولِ جبریل علیہ السلام دہراتے ہیں:

السلام والصلوۃ علیك یا رسول اللهﷺ: اللهم صل علیٰ محمد کما صلیت علیٰ ابراهیم وبارك وسلم علیه کمابارکت وسلمت علیٰ ابراهیم، انك حمید مجید.

منتخب کتابیات

اللہ تعالیٰ — قرآن مجید

ابن ابی ایاس (محمد بن احمد، م ۹۳۰ھ / ۱۵۲۴ء) — بدائع الزهور فی وقائع الدهور، بولاق ۱۳۱۱ھ

ابن ابی حاتم (محمد بن عبدالرحمٰن، م ۳۲۷ھ / ۹۳۸ء) العلل، مصر ۱۳۴۳ھ؛

الجرح و التعديل، حیدر آباد ۱۳۰۷ھ

ابن ابی الحدید (عبدالحمید بن ہبۃ اللہ، م ۶۵۵ھ / ۱۲۵۹ء) شرح نهج البلاغة، قاہرہ ۱۹۵۹ء

ابن اثیر (عزالدین علی بن محمد، م ۶۳۰ھ / ۱۲۳۳ء) — اسد الغابة، تہران ۱۹۳۸ء

الكامل فی التاريخ، بیروت ۱۹۶۵ء

ابن اسحاق (محمد بن اسحاق، م ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) — السيرة النبوية، رباط ۱۹۶۷ء

السير و المغازی، بیروت ۱۳۹۸ھ

ابن اعثم کوفی (احمد بن عثمان، م ۳۱۴ھ / ۹۲۶ء) — كتاب الفتوح، حیدر آباد ۱۹۶۸ء

ابن تیمیہ (احمد بن عبدالحلیم، م ۶۵۲ھ / ۱۲۵۴ء) — جوامع الكلم الطيبة، بیروت ۱۹۷۶ء

مجموعة الفتاویٰ، مرتبہ عبدالرحمٰن بن محمد الحنبلی وغیرہ، ریاض ۱۹۸۸ء

مقدمة فی اصول التفسير، دمشق ۱۹۳۶ء

المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ، قاہرہ ۱۹۳۱ء

منہاج السنة، قاہرہ۱۹۵۸ء

ابن الجوزی (عبدالرحمٰن بن علی، م ۵۹۷/۱۲۰۰)

سیرة عمر بن عبدالعزیز، قاہرہ ۱۹۱۳ء

صفة الصفوة، حیدر آباد ۱۹۳۶ء

العلل المتناهية، دار نشر الکتب الاسلامیہ پاکستان

المنتظم فی التاریخ، حیدر آباد ۱۹۳۹ء

ابن حبان بستی (محمد بن حبان، م ۳۵۴/۹۶۵)

کتاب الثقات، حیدر آباد ۱۳۹۷ھ

کتاب المجروحین من المحدثین، دار الوعی، حلب

ابن حجر عسقلانی (احمد بن علی، م ۸۵۲/۱۴۴۸)

الاصابة فی تمییز الصحابة، قاہرہ ۱۹۳۸ء

تہذیب التہذیب، حیدر آباد ۱۹۱۱ء

الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة، قاہرہ ۱۳۸۴ھ

فتح الباری فی شرح البخاری، مکتبہ دار السلام، ریاض ۱۹۹۷ء

لسان المیزان، حیدر آباد ۱۹۱۱ء

نخبة الفکر؛ نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، کلکتہ ۱۸۶۲ء

ابن حجر ہیثمی (احمد بن محمد، م ۹۷۴/۱۵۶۶)

تطہیر الجنان، قاہرہ غیر مورخہ

الصواعق المحرقة، بیروت ۱۹۶۵

ابن حزم (علی بن احمد، م ۴۵۶/۱۰۶۴) الاحکام فی اصول الاحکام، قاہرہ ۱۳۴۶ھ
جمهرة انساب العرب، قاہرہ ۱۹۴۸ء
جوامع السیرة، قاہرہ ۱۹۵۶ء
کتاب الفصل فی الملل و النحل، قاہرہ ۱۹۰۲-۱۸۹۹ء

ابن حنبل (احمد بن محمد، م ۲۴۱/۸۵۵) کتاب العلل و المعرفة، انقرہ ۱۹۶۳ء
المسند، قاہرہ ۱۹۴۹ء

ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق، م ۳۱۱/۹۲۳) الصحیح، المکتب الاسلامی دمشق ۱۳۹۵ھ
کتاب التوحید، دار الباز مکہ مکرمہ

ابن خلدون (عبد الرحمٰن بن محمد، م ۸۰۴/۱۴۰۶) کتاب العبر (تاریخ ابن خلدون)، بیروت ۱۹۵۶ء
المقدمة، مطبعہ مصطفیٰ محمد، قاہرہ غیر مورخہ

ابن خلکان (احمد بن محمد، م ۶۸۱/۱۲۸۱) وفیات الاعیان، بولاق ۱۸۵۹ء

ابن درید ازدی (محمد بن حسن، م ۳۲۱/۹۳۳) کتاب الاشتقاق، گوٹنجن ۱۸۵۴ء، قاہرہ ۱۹۵۸ء

ابن سعد (محمد بن سعد، م ۲۳۰/۸۴۵) الطبقات الکبریٰ، بیروت ۵۸-۱۹۵۷

ابن سید الناس (محمد بن محمد، م ۷۳۴/۱۳۳۴) عیون الاثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر، قاہرہ ۱۹۳۷ء

ابن الصلاح (عثمان بن عبد الرحمٰن، م ۶۴۳/۱۲۴۵) کتاب علوم الحدیث المعروف

بالمقدمة، دیوبند۱۹۷۶ء؛ قاہرہ۱۹۷۴ء؛ حلب۱۳۸۶ھ

ابن الطقطقی (محمد بن علی بن طباطبا، م۷۰۹/ ۱۳۰۹) کتاب الفخری، قاہرہ۱۸۹۹ء

ابن طولون (محمد بن علی، م۹۵۳/ ۱۵۴۶) قضاة دمشق الشام، دمشق۱۹۵۶ء

ابن عبدالبر (یوسف بن عبداللہ، م۴۶۳/ ۱۲۶۰) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، حیدر آباد۱۹۰۰ء

ابن عبدالحکم (عبدالرحمن بن عبداللہ، م۲۵۹/ ۸۷۰) کتاب فتوح افریقیا و الاندلس، الجیریا ۱۹۴۷ء

ابن عبدالحکم (عبداللہ، م۲۱۴/ ۸۲۹) سیرة عمر بن عبدالعزیز، قاہرہ۱۹۲۷ء

ابن عبدربہ (احمد بن محمد، ۳۲۸/ ۹۴۰) العقد الفرید، قاہرہ۱۹۴۰ء

ابن العربی (قاضی محمد بن عبداللہ، م۵۴۳/ ۱۱۴۸) احکام القرآن، قاہرہ۱۹۵۷ء

عارضة الاحوذی، بیروت۱۹۹۵ء

ابن عساکر دمشقی (علی بن حسن، م۵۷۱/ ۱۱۷۶) تاریخ مدینة دمشق، دمشق۱۹۵۱ء مابعد

تہذیب التاریخ الکبیر، دمشق ۱۹۳۲ء

ابن العماد حنبلی (عبدالحی بن محمد، م۱۰۸۹/ ۱۶۸۷) شذرات الذہب، قاہرہ۱۳۵۰ء

ابن قتیبہ (عبداللہ بن مسلم دینوری ۲۷۶/ ۸۸۹) تاویل مختلف الحدیث، دار جیل بیروت

الشعر و الشعراء، لائیڈن ۱۹۰۲ء

عیون الاخبار، قاہرہ ۱۹۲۵ء

غریب الحدیث، بغداد ۱۳۹۷ھ

کتاب الامامة و السیاسة، قاہرہ۱۹۳۵ء

کتاب المعارف، قاہرہ ۱۹۶۰ء

ابن قیم الجوزیہ (محمد بن ابو بکر، م ۷۵۱/ ۱۳۵۰) اعلام الموقعین، قاہرہ غیر مورخہ

بلوغ السول فی اقضیۃ الرسول، الھند ۱۸۷۵ء

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، قاہرہ ۱۹۷۱ء

المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، حلب ۱۹۷۰ء

ابن کثیر (اسمٰعیل بن عمر، م ۷۷۴/ ۱۳۷۳) البدایۃ والنھایۃ، قاہرہ ۱۹۳۲ء

السیرۃ النبویۃ، بیروت ۱۹۸۳ء

الفصول فی سیرۃ الرسول، دمشق ۳-۱۴۰۲ھ

ابن الکلبی (ہشام بن محمد، م ۲۰۴/ ۸۱۶) کتاب الاصنام، لپزگ ۱۹۴۱ء

ابن ماجہ (محمد بن یزید، م ۲۷۳/ ۸۸۶) السنن، قاہرہ ۱۹۵۲ء

ابن ماکولا (الامیر علی بن ہبۃ اللہ، م ۴۸۶/ ۱۰۹۳) الاکمال، حیدر آباد ۱۹۶۲ء

ابن مرتضیٰ (احمد بن یحییٰ، م ۸۴۰/ ۱۴۳۷) طبقات المعتزلۃ، بیروت ۱۹۶۱ء

ابن منظور (محمد بن مکرم، م ۷۱۱/ ۱۳۱۱) لسان العرب، بیروت ۶-۱۹۵۵ء

ابن الندیم (محمد بن اسحاق، م ۲۳۵/ ۸۴۹) الفہرست، قاہرہ ۱۹۶۸ء؛ اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۸۸ء

ابن ہشام (عبد الملک بن ہشام، م ۲۱۸/ ۸۳۳) السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۶۵ء

ابن ہمام (عبد الرزاق، م ۲۱۱/ ۸۲۶) المصنف، مرتبہ اعظمی، بیروت ۱۳۹۰ھ

ابو حنیفہ دینوری (احمد بن داؤد، م ۲۸۲/۸۹۵) کتاب الاخبار الطوال، لائیڈن ۱۸۸۸ء

ابو داؤد (سلیمان بن الاشعث، م ۲۷۵/۸۸۸) السنن، قاہرہ ۱۹۳۲ء

ابو داؤد طیالسی (سلیمان داؤد بن الجارود، م ۲۰۴/۸۱۹) المسند، حیدر آباد ۱۳۲۱ھ

ابو زرعہ دمشقی (عبدالرحمٰن بن عامر، م ۲۸۲/۸۹۵) سیرة رسول اللہ ﷺ و تاریخ الخلفاء الراشدین، دمشق ۱۹۸۰ء

ابو عبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴/۸۳۶) کتاب الاموال، قاہرہ ۱۹۳۴ء

غریب الحدیث، حیدر آباد ۱۳۸۵ھ

ابو الفرج اصفہانی (علی بن حسین، م ۳۵۶/۹۶۹) کتاب الاغانی، لائیڈن ۱۹۰۰ء

مقاتل الطالبین، نجف ۱۹۳۴ء، ۱۹۵۶ء

ابو نعیم اصفہانی (احمد بن عبداللہ، م ۴۳۰/۱۰۳۹) حلیة الاولیاء، قاہرہ ۳۸-۱۹۳۲ء

دلائل النبوة، حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء

ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم، م ۱۸۲/۸۹۸) کتاب الخراج، قاہرہ ۱۹۳۳ء

ازرقی (محمد بن عبداللہ، م ۲۴۴/۸۵۸) اخبار مکة المشرفة، بیروت ۱۹۶۴ء

اشعری (علی بن اسمٰعیل، م ۳۳۰/۹۴۱) مقالات الاسلامیین و اختلاف المسلمین، استانبول ۱۹۳۰ء

البانی (محمد ناصر الدین نوح، م ۱۴۲۰/۱۹۹۹) سلسلة الاحادیث الصحیحة، المکتب الاسلامی، دمشق

سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة دمشق ۱۳۹۹ھ

بخاری (محمد بن اسمٰعیل، م ۲۵۶/۸۷۰) التاریخ الکبیر، حیدر آباد دکن ۱۹۴۱ء

الجامع الصحیح، قاہرہ ۱۹۵۵ء

بغدادی (عبدالقاہر بن طاہر، م ۴۲۹/ ۱۰۳۷)	الفرق بین الفِرق، قاہرہ ۱۹۱۰ء
بغدادی (محمد بن حبیب، م ۲۴۵/ ۸۴۹)	کتاب المحبر، حیدر آباد دکن ۱۹۴۲ء
	کتاب المنمق، حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء
بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر، م ۲۷۹/ ۸۹۲)	انساب الاشراف، اول قاہرہ ۱۹۵۹ء
	یروشلم، چہارم ۱۹۳۸ء؛ پنجم ۱۹۳۶ء
	فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء
بیہقی (احمد بن حسین، م ۴۵۸/ ۱۰۶۶)	دلائل النبوۃ، حیدر آباد ۱۳۵۶ھ
	السنن الکبریٰ، حیدر آباد ۱۳۵۵ھ
ترمذی (محمد بن عیسیٰ، م ۲۷۹/ ۸۹۲)	الجامع الصحیح، حمص ۷۱-۱۹۶۹ء
	الشمائل النبویۃ، قاہرہ ۱۸۶۳ء ومابعد
جاحظ (عمرو بن بحر، م ۲۵۵/ ۸۶۸)	البیان والتبیین، قاہرہ ۱۹۴۸ء
	رسالۃ فی تفضیل بنی ھاشم، قاہرہ ۱۹۳۱ء
	العثمانیۃ، قاہرہ ۱۹۵۸ء
	کتاب البخلاء، قاہرہ ۱۹۵۸ء
جمحی (محمد بن سلام، م ۲۳۱/ ۸۴۵)	طبقات فحول الشعراء، قاہرہ ۱۹۵۲ء
جہشیاری (محمد بن عبدوس، م ۳۳۱/ ۹۴۲)	کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ ۱۹۳۸ء
حاکم نیشاپوری (محمد بن عبداللہ، م ۴۰۵/ ۱۰۱۴)	المستدرک، حیدر آباد ۱۳۴۰ھ
	معرفۃ علوم الحدیث، قاہرہ ۱۹۳۷ء
حلبی (علی بن برہان الدین، ۱۰۴۴/ ۱۶۳۴)	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، (سیرت حلبیہ) قاہرہ ۱۹۶۴ء
حمیدی (عبداللہ بن زبیر، م ۲۱۹/ ۸۳۴)	المسند، المجلس العلمی الہند، ۱۳۸۲ھ

خطیب بغدادی (م ۴۶۳/۱۰۷۰) — الکفایة فی علم الروایة، مطبعة السعادة، قاہرہ

خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰/۸۵۴) — کتاب التاریخ، دمشق ۱۹۶۷ء

کتاب الطبقات، دمشق ۶۷-۱۹۶۶ء

دارمی (عبداللہ بن عبدالرحمٰن، م ۲۵۵/۸۶۹) — السنن، دار احیاء السنة النبویة

دار قطنی (علی بن عمر، م ۳۸۰/۹۹۰) — السنن، قاہرہ ۱۳۸۶ھ

العلل، جامعہ اسلامیہ مدینہ،

فضائل الصحابہ، جامعہ ملک...... مکہ

دیار بکری (حسین بن محمد، م ۹۶۶/۱۵۵۹) — الخمیس فی احوال انفس النفیس، قاہرہ ۱۸۸۵ء

ذہبی (محمد بن احمد، م ۷۴۸/۱۳۴۷) — تاریخ الاسلام، قاہرہ ۱۹۷۳ء

تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد ۱۵-۱۹۱۴ء

دیوان الضعفاء والمتروکین، مطبعة النہضة، مکہ مکرمہ

میزان الاعتدال، قاہرہ ۱۹۱۰ء

زبیری (مصعب بن عبداللہ، م ۲۳۶/۸۵۱) — نسب قریش، قاہرہ ۱۹۵۳ء

سخاوی (شمس الدین، م ۹۰۲/۱۴۹۶) — فتح المغیث، مدینہ ۱۳۸۸ھ

سمہودی (علی بن عبداللہ، م ۹۱۱/۱۵۰۵) — وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، قاہرہ ۹-۱۹۰۸ء

سہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ، م ۵۸۱/۱۱۸۵) — الروض الانف، قاہرہ (غیر مورخہ)

شافعی (محمد بن ادریس، م ۲۰۴/۸۱۹) — الرسالة، قاہرہ ۱۳۵۸ھ

کتاب الام، دار المعرفة ۱۳۹۳ھ

شامی (محمد بن یوسف دمشقی، م ۹۴۲/۱۵۳۵) سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد (سیرة شامی)، قاہرہ ۱۹۷۵ء

شوکانی (محمد بن علی، م ۱۲۵۰/۱۸۳۴) فتح القدیر، قاہرہ ۱۳۸۳ھ

الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة، قاہرہ ۱۳۸۰ھ

طبرانی (سلیمان بن احمد، ۳۶۰/۹۷۱) المعجم الکبیر، بغداد ۱۹۷۸ء

المعجم الصغیر، قاہرہ ۱۳۸۸ھ

طبری (محمد بن جریر، م ۳۱۰/۹۲۳) تاریخ الرسل والملوك (تاریخ طبری)، قاہرہ ۱۹۶۰ء

تهذیب الآثار، ریاض ۱۹۸۲ء

جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر طبری)، قاہرہ ۱۹۶۰ء

طحاوی (احمد بن محمد، م ۳۲۱/۹۳۳) شرح معانی الآثار، قاہرہ ۱۳۸۷ھ

مشكل الآثار، حیدر آباد ۱۳۳۳ھ

عبد الحیٔ لکھنوی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۷) الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة، ہند

علی قاری (م ۱۰۱۴/۱۶۰۵) الاحادیث الموضوعة، استانبول

علی المتقی (م ۹۷۵/۱۵۶۷) کنز العمال، بیروت ۱۳۹۹ھ

فاکہی (محمد بن اسحاق، م ۲۷۲/۸۸۶) المنتقیٰ فی اخبار ام القریٰ، بیروت ۱۹۶۴ء

قاضی عیاض (بن موسیٰ یحصبی، م ۵۴۲/۱۱۴۷) — الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاہرہ ۱۹۵۰ء

قرطبی (محمد بن احمد، م ۶۷۱/۱۲۷۲) — الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ ۱۳۸۷ھ

کشی (محمد بن عمر، ۴/۱۰ صدی) — معرفة اخبار الرجال، کربلا ۱۹۶۲ء

کلاعی (سلیمان بن موسیٰ، م ۶۳۴/۱۲۳۶) — الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثة الخلفاء، قاہرہ ۱۹۷۰ء

کندی (محمد بن یوسف، م ۳۵۰/۹۶۱) — کتاب الامراء والولاة والقضاة، لائیڈن ۱۹۱۲ء

ولاة مصر، بیروت ۱۹۵۹ء

مالک بن انس (م ۱۷۹/۷۹۵) — الموطا، قاہرہ ۱۹۵۱ء؛ بیروت ۱۹۸۸ء

ماوردی (علی بن محمد، ۴۵۰/۱۰۵۸) — الاحکام السلطانیة، قاہرہ ۱۸۸۱ء

محمد المدنی (م ۸۸۱/۱۴۷۶) — الاتحافات السنیة فی الاحادیث القدسیة، حیدر آباد ۱۹۰۵ء

مسعودی (علی بن حسین، م ۳۴۵/۹۵۶) — کتاب التنبیه والاشراف، لائیڈن ۱۸۹۴ء

مروج الذهب، قاہرہ ۱۹۲۷ء

مسلم بن حجاج قشیری (م ۲۶۱/۸۷۵) — الجامع الصحیح، قاہرہ ۱۹۵۵ء

مقریزی (احمد بن علی، م ۸۴۵/۱۴۴۲) — امتاع الاسماع، قاہرہ ۱۹۴۱ء

نسائی (احمد بن شعیب، م ۳۰۳/۹۱۵) — السنن، کانپور ۱۸۸۲ء

نووی (یحییٰ بن شرف الدین، م ۶۷۶/۱۲۷۷) — ریاض الصالحین، دمشق ۱۹۷۶ء

شرح صحیح مسلم، دمشق ۱۹۹۸ء

واقدی (محمد بن عمر، م ٢٠٧/٨٢٢)
کتاب المغازی، لندن ١٩٦٦ء

ولی اللہ دہلوی (م ١١٧٦/١٧٦٢)
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، سہیل اکیڈمی، لاہور ١٩٧٦ء
الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، بیروت، ١٩٧٨ء
حجۃ اللہ البالغۃ، کتاب خانہ رشیدیہ دہلی ١٩٥٣ء؛ المکتبۃ السّلفیہ، لاہور
شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، حیدر آباد ١٩٨٢ء
عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد و التقلید، لاہور ١٩٦٥ء
فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، لاہور وغیرہ
المسویٰ من احادیث الموطا، دہلی ١٣٤٧ھ
المصفیٰ، دہلی ١٨٨٦ء؛ کراچی ١٩٨٠ء

یاقوت حموی (م ٦٢٦/١٢٢٩)
ارشاد الاریب، لائیڈن ٣١-١٩٠٧ء
معجم البلدان، بیروت ١٩٥٦ء

یحییٰ بن آدم (م ٢٠٣/٨١٨)
کتاب الخراج، لائیڈن ١٨٩٦ء

یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب، م ٢٨٤/٨٩٧)
تاریخ الیعقوبی، بیروت ١٩٦٠ء
کتاب البلدان، لائیڈن ١٨٦٠ء، قاہرہ ١٩٥٥ء

اہم ثانوی کتابیں

احمد امین — فجر الاسلام، قاہرہ ۱۹۶۴ء

ضحی الاسلام، قاہرہ ۱۹۶۴ء

اکرم ضیاء عمری — المجتمع المدنی فی عهد النبوة، مدینہ ۱۹۸۳ء

السیرة النبویة الصحیحة، قطر ۱۹۹۱ء

دانش گاہ پنجاب لاہور — اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۷۱ء مابعد

ڈی، سی، ڈینیٹ (D.C.Dennett) — Conversion and Poll-Tax in Early Islam; کیمبرج ۱۹۵۰ء

اردو ترجمہ از غلام رسول مہر، لاہور ۱۹۷۱ء

ڈینیل پائپس (Daniel Pipes) — Slave Soldiers and Islam, ییل یونیورسٹی پریس ۱۹۸۱ء

ریوبن لیوی (Ruben Levy) — دی سوشل اسٹرکچر آف اسلام، کیمبرج ۱۹۵۰ء

زرکلی (خیر الدین) — الاعلام، بیروت ۱۳۷۹ھ

سید امیر علی — A Short History of the Saracens، لندن ۱۹۵۱ء

سید سلیمان ندوی — سیرۃ النبی، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء جلد سوم تا جلد ہفتم

شاہ محمد سلیمان منصورپوری — رحمۃ للعالمین، دہلی ۱۹۸۰ء

شاہ معین الدین احمد ندوی — تاریخ اسلام، اعظم گڑھ ۱۹۵۳ء

شبلی نعمانی — سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۷۶ء (اول، دوم)
الفاروق، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۳ء

صالح احمد علی — تنظیمات الرسول الاداریۃ فی المدینۃ، بغداد ۱۹۶۰ء

عبدالعزیز دوری — بحث فی نشأۃ علم التاریخ عندالعرب، بیروت ۱۹۶۰ء

فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal) — *History of Muslim Historiography*، لائیڈن ۱۹۵۲ء

فرانسسکو جبرئیلی — اے شارٹ ہسٹری آف دی عربس، لندن ۱۹۶۵ء

فلپ کے ہٹی (P.K.Hitti) — دی ہسٹری آف دی عربس، لندن ۱۹۶۹ء

مارگولیتھ، ڈی، ایس — محمد اینڈ رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء

محمد ادریس کاندھلوی — سیرۃ المصطفیٰ، دیو بند، غیر مورخہ

محمد حسین ہیکل — حیاۃ محمد ﷺ، قاہرہ ۱۹۵۲ء

محمد حمیداللہ — عہدِ نبوی کا نظام حکمرانی، حیدر آباد ۱۹۴۹ء
محمد رسول اللہؐ، لاہور ۱۹۸۲ء (اردو؛ انگریزی)
نبی اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی ۱۹۴۹ء

محمد یٰسین مظہر صدیقی — تاریخ تہذیب اسلامی، نئی دہلی، جلد

اول ۱۹۹۴ء، جلد دوم ۱۹۹۸ء

عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، دہلی ۱۹۸۸ء،

Organisation of Government Under the Prophet ﷺ

دہلی ۱۹۸۷ء، لاہور ۱۹۸۸ء

مسلم اقلیتوں کے مسائل اوران کا حل- سیرتِ طیبہ کی روشنی میں، دارالعلوم سبیل السلام، حیدر آباد دکن ۲۰۰۴ء

Role Model of the Prophet Muhammad (SAW)for the Muslim Minorities، سبیل السلام، حیدر آباد ۲۰۰۴ء

مقالاتِ سیرت، جرائد ورسائل

ولہاسن (Wellhausen)

Arab Kingdom and its Fall، لندن ۱۹۷۳ء

ولیم مونٹگمری واٹ (W.M.Watt)

محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء؛

محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ ۱۹۵۶ء

ولیم میور (William Muir)

دی لائف آف محمد، ایڈنبرا ۱۹۲۳ء

The Caliphate، بیروت ۱۹۶۳ء

تصانیف پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

۱- خلجی خاندان، اردو ترجمہ، ہسٹری آف دی خلجیز، مولفہ کے-ایس-لال، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

۲-عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، ادارہ فروغ اردو، لاہور (پاکستان) ۱۹۸۴ء

۳-عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، ادارہ فروغ اردو، لاہور (نقوش، رسول نمبر ۵، ۱۲) ۱۹۸۴ء؛ القاضی پبلیشرز، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء

۴-نبوی غزوات وسرایا کی اقتصادی اہمیت، ادارہ فروغ اردو، لاہور (نقوش، رسول نمبر ۱۱) ۱۹۸۴ء

۵-الهجمات المغرضة على التاريخ الا سلامى (عربی)، دارالصحوہ، قاہرہ ۱۹۸۸ء

6-*Organisation of Government Under The Prophet*, Idarah-i-Adabiyat-i Delli, Delhi,1987; Islamic Publications, Lahore,1988.

۷-قضايا كتابة التاريخ الاسلامى و حلولها (عربی) الجامعہ السلفیہ، وارانسی، ۱۹۸۹ء؛ دبئی ۱۹۹۱ء

۸- تاریخ تہذیب اسلامی (جلد اول)، فاؤنڈیشن فار ایجوکیشنل ڈویلپمنٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۹-عہد نبوی کا نظام حکومت، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء؛ الفیصل پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۰-اللہ اپنے کلام میں، ادارہ فروغ اردو (نقوش قرآن نمبر ۱)، لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۱-اندلس میں علوم قراءت کا ارتقاء، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۸ء

۱۲-بسم اللہ الرحمٰن الرحیم-حمد اولین، ادارہ فروغ اردو (نقوش، قرآن نمبر ۲) لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۳-تاریخ تہذیب اسلامی (جلد دوم)، قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء

۱۴- تفسیر سورۃ الحمد-عہد بہ عہد، ادارہ فروغ اردو (نقوش، قرآن نمبر ۲)، لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۵-سورۃ الحمد کی تفسیر ربانی، ادارہ فروغ اردو (نقوش، قرآن نمبر۱)، لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۶-غزوات نبوی کی اقتصادی جہات، ادارہ مطالعات اسلامی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۹۹ء

۱۷-شاہ ولی اللہ کا فلسفہ سیرت، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۰ء

۱۸-توحید الٰہی اور مفسرین کرام، نقوش قرآن نمبر ۳، لاہور، ۲۰۰۰ء

۱۹-بنوہاشم اور بنوامیہ کے معاشرتی تعلقات، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۱ء

۲۰-حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی- شخصیت و حکمت کا ایک تعارف، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۱ء

۲۱-الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی-عرض موجز لحیاتہ و فکرہ، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۱ء

۲۲-سر سید اور علوم اسلامیہ، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۱ء

23-Shah Waliullah Dehlavi - An Introduction to

his Illustrious Personality and Achievements, Institute of Islamic Studies, AMU, Aligarh, 2001

۲۴-حجۃ اللہ البالغہ -ایک تجزیاتی مطالعہ ،ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۲ء

۲۵-الفاروق-ایک مطالعہ ،ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۲ء

26- *Catalogue of Arabic Manuscripts in Aligarh Muslim University,India*,Vol.1, Al-FurqanIslamic Heritage Foundation,London,2002.(In Arabic with an introduction in English)

۲۹- مسلم اقلیتوں کے مسائل اوران کا حل-سیرتِ طیبہ کی روشنی میں، حیدر آباد ۲۰۰۴ء

30- Role- Model of the Prophet Muhammad (SAW) for Muslim Minorities, Hyderabad 2004.

ڈھائی سو کے قریب تحقیقی مقالات ومضامین- مختلف جرائدورسائل، ہندوستان وپاکستان، سعودی عرب، امریکہ، قاہرہ وغیرہ

مولانا پروفیسر ڈاکٹر
محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

اسلامی علوم اور عصری فنون کے جامع ہیں۔ دینی مدارس کی تعلیم وتربیت کو عصری جامعات بالخصوص مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تراش خراش نے فکری صلابت اور تحقیقی ثقافت بخشی۔ وہ تیس سے زیادہ کتابوں اور تین سو کے قریب تحقیقی مقالات کے مصنف ہیں۔ ان کا بنیادی کام سیرتِ نبویؐ پر ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخِ اسلامی ان کے دوسرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ فکرِ ولی اللّٰہی پر ان کی تحریریں نیا تحقیقی رجحان سامنے لاتی ہیں۔ وہ صرف ''شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل'' کے ڈائرکٹر ہی نہیں ان کے سچے پارکھ اور عالم ہیں۔ واحد ہندی مصنف ہیں جن کو سیرتِ نبویؐ اور قرآن مجید کے لئے دوبار گراں قدر ''نقوش ایوارڈ'' مل چکا ہے۔ سیرت پر ان کی اولین انگریزی کتاب موضوع آفریں ثابت ہوئی اور ان کی نگارشاتِ سیرت نے نئی فنی بلندیوں کو چھولیا۔ ''غزواتِ نبویؐ کی اقتصادی جہات'' نے مواد کی جمع وتدوین، تحقیق وتجزیہ اور تکنیک کی نئی شاہراہ کھولی۔ ان کی تحقیقات کو اہلِ فکر ونظر نے نہ صرف سراہا بلکہ علومِ اسلامیہ میں ان کے تبحر اور ان کے قلم کے اعجاز کی دین کہا۔ بقول مولانا سید جلال الدین عمری ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

وحیِ حدیث ایک منفرد، بے مثال اور رجحان ساز کتاب ہے۔ پورے حدیثی ادب میں اس جیسی مثال نہیں ملتی۔ اہلِ علم ونظر نے حدیثِ نبویؐ کو وحیِ الٰہی تو بتایا مگر اس تالیفِ لطیف میں پہلی بار یہ ثابت کیا گیا کہ حدیث کی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی تھی، وحیِ حدیث کے وہی طریقے تھے جو قرآنِ کریم کے نزول کے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز حدیث کی تنزیل سے ہوا تھا اور خاتمہ بھی وحیِ حدیث سے ہی ہوا۔ بیداری میں کشف ومشاہدۂ نبوی بہت سی احادیث کی وحی کا ذریعہ بنا، قرآنِ مجید کی طرح صلصلة الجرس (صدائے جرس) کے ذریعہ وحیِ حدیث کا نزول ہوتا تو رسولِ اکرم ﷺ پر اسی طرح کلامِ الٰہی کی گرانباری کے اثرات مرتب ہوتے۔ وحیِ حدیث میں اس کے شواہد کا انبار لگایا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحیِ حدیث بھی لانے والے فرشتے تھے۔ پہلی بار وحیِ حدیث میں یہ حقیقت ابھاری گئی ہے کہ اصل کلیمِ الٰہی محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہے اور واقعۂ معراج اس کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ یہ کتاب مستند حدیثی، قرآنی اور تاریخی روایات وبیانات پر مبنی ہے۔ اپنے مواد، پیشکش، تکنیک، تحقیق اور تجزیے میں منفرد وبے مثال ہے۔

Rs. 150/-